# صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ

خلیفہ اول کی جامع، مدلل اور مستند سوانح حیات

حافظ پروفیسر اظہر محمود ایم۔اے

خلیفہ اول کی جامع، مدلل اور مستند سوانح حیات

حافظ پروفیسر اظہر محمود ایم۔اے

مکی دارالکتب

37- مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور

کتاب ⬅ صدیق اکبرؓ
مصنف ⬅ حافظ پروفیسر اظہر محمود ایم۔اے
اشاعت ⬅ 2010ء
مطبع ⬅ علی فرید پرنٹرز، لاہور
برائے
مکی دارالکتب 37-مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور
قیمت ⬅ 300 روپے

اہتمام: محمد عباس شاد
0321-9426395

E-mail: m_d7868@yahoo.com
Ph: 042-37239138,8460196

# فہرست

# تقدیم

ویسے تو کوئی شخص بھی کسی صحابی رسول ﷺ کے ساتھ برابری نہیں کرسکتا خواہ اس صحابی نے ایمان کی حالت میں پانچ منٹ سرکار دو عالم ﷺ کو دیکھا اور ایمان ہی پر اس کی موت واقع ہوئی ہو۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

**لانعدل با صحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم احداً.**

''ہم اصحاب محمد ﷺ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔''

(الروضۃ النہریہ شرح العقیدۃ الواسطیۃ لابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ص ۴۵)

لیکن یہ کتاب جو آپ کے ہاتھ میں ہے اس میں اس شخصیت کے حالات زندگی بیان کیے گئے ہیں جن کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خود کہتے ہیں کہ

**لانعدل بابی بکر احداً ثم عمر.** (سنن ابی داؤد: ۲/ ۲۳۶)

''ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے اور ان کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہ جانتے تھے۔''

جو سب سے پہلے آپ ﷺ پر ایمان لائے۔

**اول من اسلم من الرجال ابوبکر.**

''مردوں میں سب سے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ پر ایمان لائے۔''

(البدایہ والنہایہ: ۳/ ۲۷، ۷/ ۲۳۴، تاریخ الخلفاء، ص ۳۳)

جو رسول اللہ ﷺ کی امت پر سب سے زیادہ رحم دل تھے۔ جس کو سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ ہر جنگ اور سفر وحضر میں یہاں تک کہ غار اور قبر میں بھی معیت کی سعادت نصیب ہوئی۔ اور وہ شخصیت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے افضل ہونے کی وجہ ہی سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے متفقہ طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلیفہ اور جانشین مقرر کر دیا تھا۔ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا حق ادا کر دیا۔ آپ نے پورے عرب کو اسلام کے علم کے نیچے جمع کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد بغاوت وارتداد کا جو سیلاب اٹھ آیا تھا اور جو پوری ملت اسلامیہ کو بہا کر لے جانا چاہتا تھا، آپ نے اس کو چھ ماہ کی قلیل مدت میں ختم کر کے سلطنت اسلامیہ کی بنیادوں کو اس قدر مضبوط کر دیا کہ اسلامی افواج عراق وشام کے دارالحکومتوں کے دروازوں پر دستک دینے لگیں۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت صرف ۲۷ ماہ پر مشتمل ہے۔ اس قلیل عرصہ میں آپ نے جہاں بانی اور جہاں گیری کے جو اصول مرتب فرمائے وہ مسلمانوں کی ترقی کا ایک عظیم حصہ ہیں۔ آپ کی زندگی کے انہی واقعات اور اصولوں کو نہایت تحقیق وکاوش سے اس کتاب کی شکل میں اکٹھا کیا گیا ہے جو قارئین کی معلومات میں اضافہ کرے گا۔ کتاب اگر پسند آئے تو احقر کے لیے دعا فرما دیں۔

دعا گو و دعا جو:
حافظ پروفیسر اظہر محمود، ایم اے
الریاض (سعودی عرب)

# نام ونسب

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب القرشی التیمی۔ (الاصابہ: ۴/۱۴۴) آپ کا نسب چھٹی پشت میں مرہ بن کعب پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جاملتا ہے۔ (سیرۃ وحیاۃ الصدیق، مجدی فتحی السید: ص ۲۷) آپ کی کنیت ''ابوبکر'' تھی اور آپ ایک بڑے قبیلے کے سردار تھے۔

(ابوبکر الصدیق، علی الطنطاوی: ص ۴۶)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کئی القاب تھے جو ان کے علو مرتبت پر دلالت کرتے ہیں۔

## ① العتیق:

یہ لقب آپ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

**((انت عتیق اللہ من النار، فسمی عتیقاً))**

(الاحسان فی تقریب ابن حبان: ۱۵/ ۲۸۰)

''آپ اللہ کی طرف سے آزاد کیے گئے ہو، پس آپ کو ''عتیق'' کہا جانے لگا۔ پس اس روز سے آپ کا نام ''عتیق'' ہوگیا۔'' (ترمذی، رقم: ۳۶۷۹)

مؤرخین نے آپ کا نام عتیق رکھنے کی اور بھی کئی وجوہات لکھی ہیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو معجم کبیر طبرانی: ۱/ ۵۲، الاصابہ: ۱/ ۱۴۶، الکنی والاسماء للا ردلابی: ۱/ ۶، تاریخ الدعوۃ الی الاعلام فی عہد الخلفاء الراشدین، یسری محمد ھانی: ص ۳۶)

آپ کے ''عتیق'' ہونے کے بارے میں جس قدر اقوال ہیں ان میں تطبیق دی جا

سکتی ہے کیونکہ ابو بکر حسین و جمیل بھی تھے، نسبی برتری بھی آپ کو حاصل تھی نیکی میں مسابقت کرنے والے بھی تھے اور رسول اللہ ﷺ کی بشارت کے مطابق آپ جہنم سے بھی آزاد تھے۔
(تاریخ الدعوۃ الی الاسلام فی عہد الخلفا الراشدین: ص ۳۶)

## (۲) الصدیق:

نبی اکرم ﷺ نے آپ کو ''الصدیق'' کا لقب بھی عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز سرکار دو عالم ﷺ ابو بکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ احد پہاڑ پر چڑھے اور وہ کانپنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے احد! ٹھہر کیونکہ تم پر ایک نبی اور ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔'' (بخاری: ۱۱/۵)

آپ کو صدیق کا لقب اس وجہ سے بھی دیا گیا کہ آپ سرکار دو عالم ﷺ کی ہر بات میں تصدیق کرتے تھے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ واقعۂ معراج میں جب لوگوں نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کہ آپ کے ساتھی یہ کہتے ہیں کہ وہ رات کے تھوڑے سے حصہ میں مکہ سے بیت المقدس گئے اور پھر وہاں سے آسمانوں پر گئے اور صبح ہونے سے قبل واپس بھی آ گئے، کیا آپ ﷺ کی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''جب میں صبح و شام آپ کی آسمانوں کی خبروں کی تصدیق کرتا ہوں تو اس بات کی تصدیق میں مجھے کوئی ہچکچاہٹ نہیں۔ اس بات کی وجہ سے آپ ﷺ نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ''صدیق'' کا لقب عطا فرمایا۔ (اخرجہ الحاکم: ۶۲/۲ وصحہ الذھبی)

بعض روایات میں ہے کہ جس رات سرکار دو عالم ﷺ معراج میں تشریف لے گئے۔ واپسی پر آپ ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ معراج کے یہ تمام واقعات جب میں قوم سے بیان کروں گا تو وہ میری تصدیق نہیں کریں گے۔ جبرئیل نے آپ سے کہا: ''آپ پریشان نہ ہوں ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کی تصدیق کریں گے کیونکہ وہ صدیق ہیں۔'' (الطبقات الکبریٰ: ۱۷۰/۳)

اور ابن قتیبہ نے بھی لکھا ہے کہ ''سمی صدیق لتصدیقہ خبر الاسراء'' یعنی آپ معراج کی خبر کی تصدیق کی وجہ سے صدیق کے نام سے موسوم کیے گئے۔ (المعارف: ص ۷۳)

لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بھی آپ صدیق کے لقب سے مشہور تھے۔ جاہلیت میں بھی آپ کی صداقت شعاری مسلم تھی۔

پوری امت اس پر متفق ہے کہ ''صدیق'' کا لقب آپ کو رسول اللہ ﷺ کی ہر قول و فعل میں تصدیق پر ملا۔ (الطبقات الکبریٰ: ۲/۱۷۲)

چنانچہ صاحب اسد الغابہ نے اس بارے میں ابو محجن ثقفی کے دو اشعار بھی نقل فرمائے ہیں ۔

سمیت صدیقاً و کل مهاجر — سواك یسمی باسمه غیر منكر

سبقت الیٰ الاسلام و الله شاهد — و كنت جلیساً فی العریش المشهر

(اسد الغابہ: ۳/۳۱۰)

## (۳) الصاحب:

ایک اور لقب جو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں آپ کو دیا ہے وہ صاحب کا لقب ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ (التوبہ: ۴۰)

''اگر تم نے رسول کی مدد نہیں کی تو بے شک اللہ ان کی مدد کر چکا ہے جب کافروں نے ان کو بے وطن کر دیا تھا درآں حالیکہ وہ دو میں سے دوسرے تھے۔ جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے صاحب سے فرما رہے تھے: غم نہ کرو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے، سو اللہ نے ان پر طمانیت قلب نازل کی اور ان کی ایسے لشکروں سے مدد فرمائی جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کی بات کو نیچا کر دیا اور اللہ کا کلمہ ہی بلند و بالا ہے اور اللہ بہت غلبہ والا بڑی حکمت والا ہے۔''

علماء کا اس بات پر اجماع ہے اور یہاں ''صاحب'' سے مراد سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

(تاریخ الدعوۃ فی عہد الخلفاء الراشدین: ص ۳۹)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان سے بیان کیا کہ میں نے نبی

اکرم ﷺ سے عرض کیا جب کہ وہ غار میں تھے: ''اگر ان میں سے کوئی اپنے پاؤں کی طرف دیکھ لے تو وہ ہمیں دیکھ لے گا۔'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے ابوبکر! تمہارا ان دو کے بارے میں کیا خیال ہے جس کا تیسرا اللہ ہو۔'' (بخاری، رقم: ۳۶۵۳)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مذکورہ آیت (التوبہ: ۴۰) میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے کیونکہ اس میں ''صاحب'' سے مراد ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ (الاصابہ: ۴/ ۲۴۸)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سرکار دو عالم ﷺ کے غار میں موجود ہونا بے شمار احادیث سے ثابت ہے اور اس منقبت میں کوئی ان کا شریک نہیں۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ: / ۱۴۸)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ''ثانی اثنین'' (دو میں سے دوسرا) فرمایا ہے اور دین کے اکثر مناصب میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ثانی تھے۔ پہلے نبی اکرم ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اسلام کی دعوت دی اور وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ وغیرہ کو اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ اس طرح اسلام کی دعوت دینے میں اول رسول اللہ ﷺ اور ثانی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ اسی طرح ہر غزوہ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہے۔ اس طرح وہ غزوات میں بھی ثانی اثنین ہیں۔ اور جب رسول اللہ ﷺ بیمار ہوئے تو آپ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امام مقرر فرمایا۔ پس امامت میں بھی سیدنا ابوبکر ثانی اثنین ہیں۔ اور جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا تو وہ آپ ﷺ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ اس طرح وہ قبر میں بھی ثانی اثنین ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے قبر سے رسول اللہ ﷺ اٹھیں گے اور آپ ﷺ کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھیں گے۔ (ترمذی، رقم: ۳۶۹۲) اور جنت میں سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ داخل ہوں گے اور امت محمدیہ میں سب سے پہلے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ داخل ہوں گے۔ (سنن ابی داؤد، رقم: ۴۶۵۲)

خلاصہ یہ کہ تبلیغ دین میں، ہجرت کرنے میں، مغازی میں، امامت میں، امارت میں، قبر میں، حشر میں، دخول جنت میں اور تمام اہم دینی مناصب میں اول جناب رسول اللہ ﷺ ہیں اور ثانی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ

کے صاحب ہیں، اور یہ نص قطعی ہے جس کا انکار کفر ہے۔ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں صرف سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صحابیت منصوص ہے اور آپ کے صحابی ہونے کا انکار کفر ہے۔

## ④ الاتقیٰ:

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ''الاتقیٰ'' کا لقب بھی عطا فرمایا ہے۔

فرمایا:

﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى﴾ (اللیل:۱۷)

''اور عنقریب اس دوزخ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے کو دور رکھا جائے گا۔''

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس آیت کا مصداق سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ وہ افضل الخلق بعد الانبیاء تھے لہٰذا وہ ''الاتقیٰ'' تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے افضل الخلق ہونے پر تمام امت کا اجماع ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر حدیث کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔

(ملاحظہ ہو سنن ترمذی، رقم: ۳۶۷۹، جامع الاصول ابن اثیر، رقم: ۶۴۰۳، سنن ابی داؤد، رقم: ۴۶۵۲، جامع الاصول، رقم: ۶۴۰۴، بخاری: ۳۶۵۴، مسلم: ۲۳۸۲، ترمذی: ۳۶۶۰ وغیرہ)

## ⑤ الاواہ:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک لقب ''الاواہ'' بھی تھا۔ یہ لقب آپ کے خشیت الٰہی پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ امام ابراہیم النخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رحیم القلب اور طبیعت کی نرمی کے باعث ''الاواہ'' کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ (الطبقات الکبریٰ: ۳/۱۷۱)

## ⑥ مقام صدیقیت:

ایک تو آپ کا لقب صدیق تھا دوسرے آپ کو مقام بھی ''صدیقیت'' کا عطا ہوا تھا۔ اور صدیقیت یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے نبی اس دنیا میں تشریف لائے۔ ہر

نبی کے بعد آنے والے نبی نے پہلے نبی کی تصدیق کی۔ سرکار دو عالم ﷺ کے بعد چونکہ کسی اور نبی نے نہیں آنا تھا اس لیے اب ''مصدق'' کے بجائے ''صدیق'' کا منصب تجویز ہوا۔ گویا رسول اللہ ﷺ کی تصدیق اب مصدق نہیں بلکہ ''صدیق'' کرے گا۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''صدیق اپنے قلب کو سراً، ظاہراً اور باطناً ہر پہلو سے رسول کے سپرد کر چکا ہوتا ہے۔ علم، عقیدہ، حال، آداب و اخلاق، محبت اور تعلقات، اپنی پسند اور ناپسند غرضیکہ ہر بات میں وہ رسول کے تابع ہوتا ہے۔ اس کو نہ تحدیث کی ضرورت ہے کہ باہر سے پچھ ملے اور نہ کشف الہام کا انتظار کہ اندر سے کچھ کھلے۔'' (مدارج السالکین: ۱/ ۴۰)

حضرت شاہ ولی اللہ نے صدیق کے کچھ خصائص اور علامات بھی بیان فرمائی ہیں جیسے وہ حق کے لیے جو نبی پر نازل ہوتا ہے اپنی جان و مال تک قربان کر دیتا ہے۔ حق سے محبت کی وجہ سے وہ کسی بات میں اس کی مخالفت نہیں کرتا۔ وحی کے انوار و تجلیات نبی کی روح سے چھن چھن کر صدیق کی روح پر عکس فگن ہوتے رہتے ہیں۔ یہ سب علامات سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں بکمال وتمام پائی جاتی تھیں۔ اس وجہ سے پیغمبر کے بعد نہ تو کوئی افضلیت کا مستحق ہے اور نہ ہی خلافت نبوت کا۔ (حجۃ اللہ البالغہ: ۲/ ۶۸۔۷۰)

نبوت اور صدیقیت کے مابین کوئی فصل اور کوئی اور مقام نہیں ہے۔ اس کی تائید قرآن حکیم سے بھی ہوتی ہے اور احادیث سے بھی پتہ چلتا ہے کہ نبوت کے بعد صدیقیت کا مقام ہے۔ اس بات کو حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''آئینے اور بھی ہزاروں ہوتے ہیں اور بوجہ آئینہ ہونے کے اصلاً انعکاس لیے مستعد لیکن کثافت اور زنگ کی وجہ سے فوراً عکس قبول نہیں کر سکتے اور کچھ عرصہ کی صفائی وتزکیہ کے محتاج ہوتے ہیں۔ پھر زنگ و کثافت کی بھی مختلف حالتیں اور مختلف مراتب ہیں۔ کوئی آئینہ جلد صاف ہو جاتا ہے، کوئی بہت دیر میں اور کسی کا زنگ اس درجہ تک پہنچ چکا ہوتا ہے کہ صاف ہونے کی کوئی امید باقی نہیں رہتی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آئینہ مجلیٰ ومصفیٰ نے کس طرح اول نظر ہی میں ہی عکس قبول کر لیا تھا؟ یہ صدیقیت تھی جو جمال نبوت دیکھتے ہی پکار اٹھی، واللہ ماھذا بوجہ کذاب۔'' (تذکرہ: ص ۱۱۱)

مولانا مزید فرماتے ہیں:

''نبوت کی قوت فاعلہ کے لیے ''صدیقیت'' کو ایک خاص قسم کا انفعال سمجھنا چاہیے۔ اسی لیے ہر نبی کے ساتھ سب سے پہلی جماعت ''صدیقین'' ہی کی ہوتی ہے، اور اسی طرح ہر داعی حق اور ہر کشف وظہور حقیقت کے لیے ہمیشہ ایک گروہ ایسے اصحاب استعداد صلاحیت کا ہوتا ہے جو اول نظر میں حق کو پہچان لینے والا اور سب سے پہلے حقائق وغوامض حقیقت مستورہ کو پا لینے والا ہوتا ہے۔ اس کی فطرت جویا و طلب کو حق و حقیقت سے وہ مناسبت ہوتی ہے جو لوہے کو مقناطیس سے ہے...... صدیقیت کی مثال اس نہایت قوی بصارت کی سی ہے جو سب سے پہلے دور کی چیز کو دیکھ لیتی ہے اور باریک سے باریک ذرہ کو ڈھونڈ نکالتی ہے حالانکہ دوسری کمزور آنکھیں اس وقت دیکھتی ہیں جب وہ چیز بالکل سامنے آ جاتی ہے یا اجالا بہت زیادہ ہو چکتا ہے۔'' (تذکرہ: ص ۱۱۰)

مختصر یہ کہ صدیق ہونا بلکہ صدیق اکبر ہونا آپ کی ایک بہت بڑی فضیلت اور منقبت ہے۔

## سالِ ولادت اور حلیہ:

تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ عام الفیل کے بعد پیدا ہوئے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ عام الفیل کے کتنے سال بعد پیدا ہوئے بعض نے تین سال اور بعض نے دو سال بعد لکھا ہے۔ (سیرۃ وحیاۃ الصدیق مجدی فتحی السید: ص ۲۹)

آپ نے نہایت پاکیزہ ماحول اور عزوشرف کے حامل والدین کے زیر سایہ پرورش پائی کیونکہ ان کے والدین اپنے قبیلہ میں نہایت عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔
(تاریخ الدعوۃ الی الاسلام: ص ۳۰)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے ایک مرتبہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حلیہ پوچھا۔ فرمایا:
''آپ گورے چٹے اور دبلے پتلے تھے۔ دونوں رخسار ستے ہوئے تھے۔ کمر ذرا خمیدہ تھی۔ تہبند کمر پر ٹھہرتا نہیں تھا بلکہ نیچے کھسک جاتا تھا، چہرہ ہڈیاں نکلا ہوا، آنکھیں ذرا اندر کو دھنسی ہوئی تھیں، پیشانی بلند اور ابھری ہوئی، پنڈلیوں اور رانوں پر گوشت کم تھا، قد نہ اونچا اور نہ پست بلکہ موزون تھا۔ مہندی کا خضاب لگاتے تھے۔''

(طبری: ۲/ ۶۱۵، بخاری، رقم: ۵۸۹۵، مسلم، رقم: ۲۳۴۱، ابوبکر الصدیق مجدی السید: ص ۳۲)

دیگر روایات کو سامنے رکھ کر آپ کا ظاہری اور معنوی چہرہ یوں بنتا ہے کہ ''سرخی مائل سفید رنگ، لاغر اندام، ستواں چہرہ، روشن آنکھیں، کشادہ اور ابھری ہوئی پیشانی، موزوں قد، پنڈلیوں اور رانوں پر گوشت کم تھا، عالی اخلاق، نرم مزاج، نہایت عاقل اور معاملہ فہم، روشن فکر، بلند نگاہ، غور وفکر میں مکہ کے کم ہی لوگ آپ کے ہم پلہ تھے۔ انہیں دل کی سلامتی اور ذہن کی صفائی کی بیش بہا دولت سے مالا مال کیا گیا تھا۔ اسی وجہ سے وہ اپنے گردو پیش پھیلی ہوئی گمراہیوں، ضلالتوں، غلط رسوم و رواج اور اپنی قوم کے ناروا اطوار سے دامن کشاں رہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اہل مکہ شراب کے بے حد عادی تھے لیکن ان کے والد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہ کبھی جاہلیت میں شراب کو ہاتھ لگایا اور نہ ہی اسلام کے اس دور میں جب ابھی شراب حرام نہیں ہوئی تھی، شراب کے قریب گئے۔

## خاندان:

آپ کے والد ابو قحافہ فتح مکہ کے روز ایمان لائے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کو خود اپنے ساتھ لے کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم مجھے کیوں نہیں ان کے پاس لے گئے؟'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! ان کا آپ کے پاس آنا ہی بہتر تھا۔'' چنانچہ سیدنا ابو قحافہ رضی اللہ عنہ ایمان لائے اور آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

(الاصابہ: ۴/ ۳۷۵)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی والدہ سلمیٰ بنت صخر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم تھیں اور ان کی کنیت ام الخیر تھی۔ یہ پہلے ایمان لائی تھیں۔

## ازواج:

آپ نے زمانہ جاہلیت میں دو نکاح کیے اور دو زمانہ اسلام میں۔ زمانۂ جاہلیت میں جن عورتوں سے نکاح کیا ان کے نام یہ ہیں:

### 1____ قتیلہ بنت عبدالعزیٰ بن اسعد:

ان کے اسلام لانے میں اختلاف ہے۔ (الطبقات الکبریٰ: ۳/ ۱۶۹، ۲۴۹)

یہ عبداللہ بن ابی بکر اور اسماء بنت ابی بکر کی والدہ ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت میں ان کو طلاق دے دی تھی۔ یہ مختلف قسم کے ہدیے لے کر اپنی بیٹی اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس آیا کرتی تھیں۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے ان کے ہدیے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی معرفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں یہ ہدیے قبول کر سکتی ہوں اور ان کو گھر میں آنے کی اجازت دے سکتی ہوں کیونکہ انہوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو گھر میں آنے دو اور ان کے ہدیے بھی قبول کر لو۔

## 2___ سیدہ ام رومان بنت عامر بن عویمر:

سیدہ ام رومان کا تعلق قبیلہ کنانہ کے خاندان فراس سے تھا۔ (بخاری: ۱/۸۵)

ان کا پہلا نکاح عبداللہ بن حارث نامی ایک شخص سے ہوا۔ عبداللہ بن حارث کے انتقال کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کر لیا۔ جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تو ان کے ساتھ ہی سیدہ ام رومان رضی اللہ عنہا، سیدہ اسماء بنت ابی بکرؓ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں۔ (ابن ہشام: ۱/۳۵۴، عیون الاثر لابن سید الناس، مواہب اللدنیہ: ص ۴۶)

یہ عبدالرحمن اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ تھیں۔ ان کی سنہ ۶ ھ میں وفات ہوئی۔

(الاصابہ: ۸/۳۹۱)

بعض روایات میں ان کا سن وفات ۹ ھ ہے۔ جب ان کو دفن کرنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود قبر میں اترے اور سیدہ ام رومان رضی اللہ عنہا کے لیے دعائے مغفرت فرمائی اور فرمایا:

''اے اللہ! تجھ پر یہ مخفی نہیں کہ ام رومان نے تیرے لیے اور تیرے پیغمبر کے لیے کیا کیا تکالیف اٹھائی ہیں۔'' (الاصابہ: ۸/۳۹۱)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص کسی حور کو دیکھنا چاہتا ہے وہ ام رومان رضی اللہ عنہا کو دیکھ لے۔''

(ابوبکر الصدیق، علی طنطاوی: ص ۲۵۳)

## 3___ سیدہ اسماء بنت عمیسؓ:

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کا تعلق قبیلہ خثعم سے تھا۔ ان کی والدہ کا نام ہند (خولہ) بنت عوف تھا

اور ان کا تعلق بنو کنانہ سے تھا۔ ام المومنین سیدہ میمونہ اور سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا آپس میں اخیافی بہنیں تھیں یعنی ماں شریک بہنیں۔

ان کا سب سے پہلا نکاح سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دارارقم میں مقیم ہونے سے قبل مسلمان ہوئیں۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۱۳۶، الاصابہ: ۸/ ۹)

دونوں میاں بیوی نے ہجرت حبشہ میں شرکت کی اور کئی سال تک وہاں مقیم رہے۔ سنہ ۷ھ میں جب خیبر فتح ہوا تو مدینہ طیبہ واپس تشریف لائیں۔ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے جنگ موتہ سنہ ۸ھ میں شہادت پائی۔ چھ ماہ بعد شوال سنہ ۸ھ میں جو غزوہ حنین کا زمانہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح پڑھا دیا۔ (الاصابہ: ۸/ ۹، سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۲۸۲۱)

دو برس بعد ذی قعدہ سنہ ۱۰ھ محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا اس وقت حج کی غرض سے مکہ آئی تھیں۔ چونکہ محمد ذوالحلیفہ میں پیدا ہوئے، اس لیے سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے دریافت کرایا کہ میں کیا کروں؟ ارشاد فرمایا: ''نہا کر احرام باندھیں۔'' (مسلم: ۱/ ۳۹۴)

۱۳ھ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وفات پائی۔ آپ نے وصیت فرمائی کہ مجھے اسماء رضی اللہ عنہا غسل دیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی آغوش تربیت میں پرورش پائی۔ (الاصابہ: ۸/ ۹)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کا بھی انتقال ہو گیا۔

## 4 ___ سیدہ حبیبہ بنت خارجہ:

سیدہ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مواخات کی تھی اور یہ سخ میں رہتی تھیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ان سے شادی کے بعد وہیں رہتے تھے۔ ان سے ان کی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد انہوں نے اساف بن عتبہ بن عمرو سے نکاح کر لیا تھا۔ (الاصابہ: ۴/ ۲۶۱)

## اولاد:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی چھ اولادیں تھیں۔ تین لڑکے اور تین لڑکیاں۔ لڑکوں کے نام عبداللہ، عبدالرحمٰن اور محمد تھے اور لڑکیوں کے نام اسماء، عائشہ اور ام کلثوم تھے۔

عبداللہ بن ابی بکر قتیلہ کے بطن سے تھے اور سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی تھے۔ یہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے، اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نرینہ اولاد میں سب سے بڑے تھے۔ (ابوبکر الصدیق، طنطاوی: ص ۲۵۵)

عبداللہ کا انتقال خلافت صدیقی میں ہوا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے قبر میں اتارا۔

آپ کے دوسرے بیٹے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حقی بھائی تھے۔ یہ فطرتاً نہایت بہادر اور شجاع تھے۔ جنگ بدر اور جنگ احد میں تو قریش کی حمایت میں لڑے لیکن صلح حدیبیہ کے بعد اکثر معرکوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں مشرکین سے برسر پیکار رہے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مدینہ چھوڑ کر مکہ چلے آئے تھے اور شہر سے قریباً دس میل کے فاصلے پر "حبشی" نامی ایک مکان میں رہائش پذیر ہو گئے یہاں تک کہ ۵۳ھ میں ایک روز ناگہانی طور پر گوشۂ عزلت میں واصل بحق ہوئے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے انتقال کی خبر ملی تو حج کی نیت سے مکہ تشریف لائیں اور بھائی کی قبر پر کھڑے ہو کر بے اختیار روئیں اور چند اشعار پڑھے۔ پھر بھائی کی روح کو مخاطب ہو کر فرمایا:

"بخدا! اگر میں تمہاری وفات کے وقت موجود ہوتی تو اس قدر نہ روتی اور تم کو اسی جگہ دفن کرتی جہاں تم نے وفات پائی تھی۔" (مستدرک حاکم: ۳/۴۷۶)

آپ کے تیسرے بیٹے محمد بن ابی بکر تھے۔ یہ حجۃ الوداع کے سال ماہ ذی قعدہ کے اواخر میں ذوالحلیفہ کے مقام پر پیدا ہوئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد جب ان کی والدہ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے شادی کی تو محمد اس وقت بہت چھوٹے تھے، اس لیے ان کی تربیت آغوش مرتضوی میں ہوئی۔ یہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قتل ہوئے۔ (ابن اثیر: ۳/۳۱۴)

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ ان کے صاحبزادے قاسم بن محمد جو جلیل القدر تابعین میں سے تھے اور ان کی پھوپھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی تربیت کی تھی، فقہائے سبعہ مدینہ میں سے تھے۔

صاحبزادیوں میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی صاحبزادی سیدہ اسماء تھیں۔ یہ ہجرت سے ۲۷ سال قبل مکہ میں پیدا ہوئیں اور مکہ ہی میں سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ جو رسول

اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے، سے ان کا نکاح ہوا۔ یہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دس سال بڑی تھیں۔ (اکمال فی اسماء الرجال: ص ۵۵۸، سیر اعلام النبلاء: ۲/۱۵۲، الاستیعاب: ۲/۴)

ہجرت کے وقت ان کی عمر ۲۷ سال تھی۔ (الاصابہ: ۴/۲۲۵) ۱۷ آدمیوں کے بعد اسلام لائیں۔

سیدہ اسماء نہایت متقی اور پاک باز تھیں۔ لوگ ان کے پاس دعا کرانے کے لیے آتے تھے۔ جب کوئی عورت بخار میں مبتلا ہوتی اور وہ دعا کے لیے آپ کے پاس آتی تو آپ اس کے سینہ پر پانی چھڑکتیں اور فرماتیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ بخار کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔ (بخاری: ۲/۸۵۲)

گھر کا کوئی شخص بیمار ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کا جبہ جس کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے وفات کے وقت ان کے سپرد کیا تھا، دھوتیں اور اس کا پانی پلاتی تھیں۔ اس سے بیمار کو شفا ہو جاتی تھی۔
(مسند احمد: ۶/۳۴۸)

آخری عمر میں اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی موت کا سخت صدمہ ہوا۔ چنانچہ بیٹے کی وفات کے ایک ہفتہ بعد جمادی الاولیٰ سنہ ۷۳ھ میں سو سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ (الاستیعاب: ۱/۳۶۶، سیر اعلام النبلاء: ۲/۲۸۷)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دوسری صاحبزادی سیدہ عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا تھیں۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان سے نکاح کیا۔ یہ بہت بڑی عالمہ تھیں۔ ان سے ۲۲۱۰ احادیث مروی ہیں اور بخاری اور مسلم میں ان کی ۱۷۴ احادیث ہیں۔
(سیر اعلام النبلاء: ۲/۱۳۵، ۱۳۹)

رسول اللہ ﷺ نے ان کی کنیت ام عبداللہ رکھی تھی، اور آپ ﷺ کی محبت ان کے لیے ایک مثالی محبت تھی۔ (تاریخ الدعوۃ فی عہد الخلفاء الراشدین: ص ۳۴)

سیدہ بڑی خوبیوں کی مالک تھیں۔ سیدہ ستر سال کی عمر میں ۱۷ رمضان المبارک ۵۸ھ میں چند روز بیمار رہ کر اس دار فانی سے انتقال فرما گئیں۔ جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ لوگوں کا بیان ہے کہ اس سے قبل رات کے وقت اتنا ہجوم کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ سیدہ ام سلمہؓ نے جنازہ کو دیکھ کر فرمایا ''عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے جنت واجب ہے۔ آپ کی وفات پر نہ صرف مدینہ بلکہ پوری مملکت اسلامیہ آب دیدہ تھی۔ (طبقات ابن سعد، جزء النساء: ص ۵۴)

آپ کی تیسری صاحبزادی سیدہ حبیبہ بنت خارجہؓ کے بطن سے تھیں۔ یہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں، اس لیے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں صرف یہی ایک ایسی ہیں جو صحابیہ نہیں بلکہ تابعیہ ہیں۔ یہ سیدنا طلحہ بن عبیداللہ کے حبالۂ عقد میں تھیں جس سے آپ کی دو اولادیں زکریا اور عائشہ ہوئیں۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابی ربیعہ نے ان سے نکاح کیا۔

(کتاب المعارف: ص ۱۰۲، نسب قریش: ص ۲۷۸، الاصابہ: ۸/ ۴۶۶، تاریخ الدعوۃ: ص ۳۵)

یہ تھا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مبارک خاندان۔ اللہ تعالیٰ نے اس خاندان کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت عطا فرمائی تھی کہ اس خاندان کی چار نسلیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شمار کی جاتی ہیں۔ (ابوبکر الصدیق، محمد رشید رضا: ص ۷) کہا جاتا تھا کہ کچھ گھرانے ایسے ہیں جو ایمان کی دولت سے مالا مال ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو نفاق کی آماجگاہ ہیں، ان میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا گھر اور انصار میں سے بنونجار کا گھرانا بھی صاحب ایمان لوگوں کا آشیانہ تھا۔ (ملاحظہ ہو ابوبکر الصدیق: ۱/ ۲۸۰)

## سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا زمانۂ جاہلیت میں مقام:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خاندان کو زمانۂ جاہلیت میں بھی ایک خاص مقام حاصل تھا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عرب میں قبائلی نظام رائج تھا۔ ان تمام قبائل میں سب سے زیادہ ممتاز قبیلہ قریش کا قبیلہ تھا جو اپنی طاقت اور قوت میں اپنی مثال آپ تھا۔ اس عظیم قبیلہ کی مختلف شاخوں نے مختلف خدمات اپنے ذمہ لے رکھی تھیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ زمانۂ جاہلیت میں قریش کے اشراف اور رؤساء میں شمار ہوتے تھے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ عہد جاہلیت میں ان قبیلوں کے اشراف کو ایک خاص اہمیت حاصل تھی۔ بنو ہاشم میں عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو، بنو امیہ میں ابوسفیان بن حرب کو، اور حارث بن عامر کو بنی نوفل میں سے، اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بنی اسد میں سے، اور ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو بنی تیم میں سے، اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنو مخزوم میں سے، اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بنو عدی میں سے، اور صفوان بن امیہ کو بنو جمح میں سے، اور حارث بن قیس کو بنو سہم میں سے۔ (اشہر مشاہیر الاسلام: ۱/ ۱۰)

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عقل وفہم، اصابت رائے اور حلم و بردباری میں مشہور تھے، اس لیے اشناق کی خدمت ان کے سپرد تھی یعنی اگر کوئی واقعہ قتل ہو جاتا تو قاتل سے دیت اور

خون بہا لینے کا معاملہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے متعلق ہوتا تھا۔ اگر آپ قاتل کی طرف سے ضامن بن جاتے تو اس کا اعتبار ہوتا تھا، کسی اور کی ضمانت معتبر نہیں تھی۔ چنانچہ علی بن برہان الدین حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں خون بہا مقرر کرنا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذمہ تھا۔ خون کے مقدمات آپ کے پاس آتے تھے۔ آپ ان مقدمات کا جو فیصلہ فرماتے تھے وہ قریش کو منظور ہوتا تھا۔ جس شخص پر خون کی قیمت (دیت) ادا کرنا ضروری ہو جاتا تھا وہ اگر فوری ادا نہ کر سکتا تو اس کی ضمانت کے لیے صرف سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اعتماد کیا جاتا تھا۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ آپ تمام قریش میں راست گو اور امین (صاحب امانت) جانے جاتے تھے۔

(سیرت حلبیہ: ۱/ ۳۰۶)

## علم الانساب میں مہارت:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ علم الانساب میں یکتائے روزگار تھے۔ چنانچہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ "ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے زمانے میں علم الانساب میں نہایت ماہر تھے۔" (تاریخ الخلفاء: ص ۱۰۷)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "ابوبکر رضی اللہ عنہ اچھے کام میں آگے رہتے تھے اور علم الانساب میں بڑے ماہر تھے۔" (العقد الفرید: ۳/ ۲۷۴)

سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ علم الانساب میں تمام عرب میں ممتاز تھے، وہ فرمایا کرتے تھے: "میں نے اس فن کو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سیکھا ہے جو علم الانساب کے اعتبار سے تمام عرب میں ممتاز تھے۔" (تاریخ الخلفاء: ص ۴۳)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ علم الانساب میں بڑے ماہر تھے اور نسب کے خیر وشر کے بارے میں قریش میں سب سے زیادہ عالم اور ماہر جانے جاتے تھے۔ (الاصابہ: ۴/ ۱۴۶)

اور سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا سے بھی اس بارے میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ان ابابکر اعلم قریش بانسابھا)) (مسلم، رقم: ۲۴۹۰، معجم کبیر، رقم: ۳۵۸۲)

"بے شک ابوبکر انساب میں قریش میں سب سے زیادہ ماہر ہیں۔"

## ایام العرب:

اس علم سے مراد عربوں کی خانہ جنگی کا علم ہے۔ آپ اس علم میں بھی کامل دسترس رکھتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جو اپنے زمانے میں "اعلم بحدیث العرب والنسب" سمجھی جاتی تھیں، ان کا یہ علم بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فیضان تھا۔ چنانچہ عروہ نے ایک مرتبہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا تھا: "اور نہ مجھے آپ کے علم شعر اور علم تاریخ پر تعجب ہوتا ہے کیونکہ آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں جو ان علوم کے سب سے بڑے عالم تھے۔" (مسند احمد: ٦/ ٦٧)

## تجارت:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت میں تاجر تھے اور ارض شام سے بصریٰ میں تجارت کے لیے جاتے اور پھر مختلف شہروں میں جاتے۔ اس وقت آپ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے جن کو مختلف مواقع پر لوگوں میں خرچ کرتے رہتے۔

(ابوبکر الصدیق، علی الطنطاوی: ص ١٦٦، التاریخ الاسلامی، الخلفاء الراشدون، محمد شاکر: ص ٣٠)

## لوگوں سے الفت ومحبت کا اظہار:

ابن ہشام نے السیرۃ میں لکھا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے لوگ بہت محبت کرتے اور ان کے اخلاق حسنہ اور ان کی عظمت وفضیلت کے بہت معترف تھے۔ ان کے جود وکرم اور ان کی سخاوت اور اچھی تجارت کے باعث ان کو نہایت محبت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ (السیرۃ النبویہ: ١/ ٣٧١) اس بات کا اعتراف ابن الدغنہ نے بھی کیا جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہجرت کے دوران ان سے اس کی ملاقات ہوئی۔ ابن الدغنہ نے کہا: "تم جیسے شخص کو کیسے شہر بدر کیا جا سکتا ہے، تم غریبوں، بے سہاروں اور ناداروں کی دست گیری کرتے ہو، صلہ رحمی کے جذبے سے سرشار ہو اور قرابت داروں کی پاس داری کرتے ہو، مصیبت زدوں کی اعانت کرتے ہو۔" (بخاری، رقم: ٣٩٠٥)

## شراب سے اجتناب:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ زمانۂ جاہلیت میں بھی تمام لوگوں سے زیادہ عفیف تھے۔ (تاریخ الخلفاء: ص ١٨) یہاں تک کہ انہوں نے قبول اسلام سے پہلے ہی شراب کو اپنے آپ پر حرام

قرار دے دیا ہوا تھا۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شراب کو اپنے آپ پر حرام قرار دے دیا ہوا تھا اور آپ نے نہ تو اسلام لانے سے قبل کبھی شراب پی اور نہ اسلام لانے کے بعد کبھی شراب کو چکھا۔ (سیرۃ وحیاۃ الصدیق، مجدی فتحی: ص ۳۴)

ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ آپ نے جاہلیت میں کبھی شراب پی؟ آپ نے فرمایا: ''میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔'' پوچھا: ''کیوں؟'' فرمایا: ''میں اپنی عزت اور مروت کو لوگوں سے محفوظ کرنا چاہتا ہوں کیونکہ جو شخص شراب پیتا ہے وہ اپنی عزت اور انسانیت کو ضائع کرتا ہے۔'' (تاریخ الخلفاء للسیوطی: ص ۴۹)

## کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مجمع میں فرمایا: ''میں نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا۔ یہ اس لیے کہ جب بالغ ہوا تو ایک روز میرے والد ابوقحافہ بت خانے میں لے گئے اور کہا کہ یہ تمہارے الہ اور معبود ہیں۔ میں نے ایک بت کے قریب جا کر کہا: ''میں بھوکا ہوں مجھے کھانا کھلاؤ''، اس نے مجھے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر میں نے کہا: ''میں ننگا ہوں مجھے لباس دو۔'' اس نے پھر مجھے کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے اسے ایک پتھر مارا اور وہ منہ کے بل گر پڑا۔ اس طرح میری فطرت سلیمہ نے جاہلیت کی ان باتوں سے بچائے رکھا۔ (اصحاب الرسول، محمود المصری: ۱/ ۵۸)

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلقات:

نوعمری ہی میں آپ کے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلقات استوار ہو گئے تھے۔ آپ اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خانہ اقدس میں حاضر ہوتے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اکثر آپ کے ہاں تشریف لایا کرتے تھے۔ آپ کپڑے کی تجارت کرتے تھے اور اس سلسلہ میں آپ کو کئی مرتبہ شام اور یمن کے سفروں پر جانا پڑا۔

روایات میں ہے کہ پہلا سفر آپ نے اٹھارہ سال کی عمر میں کیا جس کا تذکرہ حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں اور ابن اثیر نے اسد الغابہ میں اور محمود شاکر نے الخلفاء الراشدون میں کیا ہے۔ شام کے ایک سفر میں آپ کی ملاقات بحیرا راہب سے ہوئی۔ بحیرا اس زمانے میں

خوابوں کی تعبیر کے لیے بہت مشہور تھا۔شام کے اس سفر میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی بحیرا راہب سے اپنا ایک خواب بیان کیا اور اس کی تعبیر اس سے پوچھی۔آپ نے خواب یہ دیکھا تھا کہ ''مکہ میں چاند اتر آیا ہے اور ہر گھر میں اس کی ایک ایک شاخ اور کرن پہنچ گئی ہے۔پھر چاند کے تمام ٹکڑے آپس میں اکٹھے ہو کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گود میں آ گئے ہیں۔اس کی تعبیر یہ بتائی گئی کہ تو اس نبی آخر الزمان کی تابعداری کرے گا جس کے انتظار کا یہ زمانہ ہے اور تو اس نبی کے قرب کی سعادت سب لوگوں سے زیادہ کرے گا۔'' محمود شاکر نے جو روایت نقل کی ہے، اس میں لکھا ہے کہ بحیرا راہب نے پوچھا: ''تم کہاں کے رہنے والے ہو؟'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''مکہ کے۔'' پوچھا: ''کس قبیلہ سے؟'' آپ نے فرمایا: ''قریش۔'' اس نے پوچھا: ''تم کیا کام کرتے ہو؟'' آپ نے فرمایا: ''میں تاجر ہوں۔'' اس نے کہا کہ اگر تجھے واقعی یہ خواب آیا ہے تو سنو، تمہارے قبیلہ میں ایک نبی مبعوث ہوگا، تم اس کی زندگی میں اس کے وزیر ہو گے اور اس کے انتقال کے بعد اس کے خلیفہ ہو گے۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک اس خواب کو اور اس کی تعبیر کو چھپائے رکھا۔ (سیرۃ حلبیہ: ۱/۳۱۰، الخلفاء الراشدون: ص ۳۴)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے میمون بن مہران کا قول نقل کیا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بحیرا راہب کے واقعہ کے بعد سے ہی ایمان لے آئے تھے کیونکہ وہ بحیرہ راہب کے کہنے کے مطابق آپ کو ''نبی منتظر'' یقین کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کانوں میں جونہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کی آواز پہنچی تو آپ نے بغیر کسی تردد کے آپ کے اس دعویٰ کو قبول کرلیا۔ چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی فرمایا:

''میں نے اسلام کے بارے میں جس سے بھی گفتگو کی اس نے کچھ نہ کچھ تردد کیا اور مجھ سے سوال و جواب کیا لیکن ابوقحافہ کے بیٹے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کوئی تردد نہیں کیا۔ میں نے اس سے جو بات بھی کی اس نے اسی وقت اس کو قبول کرلیا اور پھر مضبوطی سے اس پر قائم رہا۔'' (سیرۃ حلبیہ: ۱/۳۱۰)

## قبول اسلام:

تاریخ اور سیرۃ کے علماء لکھتے ہیں کہ ''آپ پر سب سے پہلے ایمان لانے والے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خاص قسم کی محبت تھی۔ ان باہمی

مضبوط تعلقات کے باعث سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم پر کوئی دن ایسا نہیں گزرا جب کہ سرکار دو عالم ﷺ صبح و شام ہمارے گھر نہ آتے ہوں۔ (بخاری: ۱/ ۵۵۷)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ وہ واحد شخص تھے جن کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے اس قدر گہرے تعلقات تھے۔ یہ تعلقات قبل از بعثت نبوی استوار ہوئے اور آخر تک دائم و قائم رہے۔ چنانچہ اسی دوستی کے ناطے اور گزشتہ صحبتوں کے تجربات کی وجہ سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے جونہی آپ ﷺ نے اسلام پیش کیا تو آپ نے اسے اسی وقت قبول کرلیا۔ (البدایہ والنہایہ: ۳/ ۲۸)

چنانچہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ

اول من اسلم ابوبکر الصدیق. (الطبقات الکبریٰ: ۳/ ۱۷۱)

''سب سے پہلے جس نے دعوت اسلام کو قبول کیا وہ ابوبکر صدیق تھے۔''

امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول حافظ ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ

ابوبکر اول من اسلم.

''ابوبکر سب سے پہلے شخص ہیں جو ایمان لائے۔''

(البدایہ والنہایہ: ۳/ ۲۶، طبری: ۲/ ۵۵، استیعاب: ۲/ ۲۴۵)

شیعہ تفسیر مجمع البیان میں بھی علامہ طبرسی نے لکھا ہے:

ان اول من اسلم بعد خدیجة ابوبکر. (مجمع البیان: ۳/ ۶۵)

''سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے اسلام لانے والے ابوبکر تھے۔''

شاعر رسول سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے تھے

الثانی التالی المحمود مشهده          واول الناس لمن صدق الرسلا

(دیوان حسان بن ثابت: ۱/ ۱۷)

ایک اور شعر میں سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

وکان حب رسول الله قد علموا          من البریة لم یعدل به رجلا

اور لوگ جانتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے محبوب تھے اور تمام امت میں کوئی شخص ان کے برابر نہیں تھا۔

محمد بن المنکدر اور دوسرے کئی علماء نے کہا ہے کہ

**هم لایشکون أن اول القوم اسلاماً ابوبکر.**

''انہیں اس بات میں کوئی شک نہیں کہ تمام لوگوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔'' (صفۃ الصفوۃ:۱/ ۲۳۷،فضائل الصحابۃ،احمد:۳/ ۲۰۶)

حافظ بن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے استیعاب میں اور حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں ذکر کیا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''میں تم سے پہلے اسلام لایا ہوں۔'' حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس روایت کے تمام رجال ثقہ ہیں۔

(الاصابہ:۲/ ۳۴۳،الاستیعاب:۲/ ۲۴۴)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قدیم الاسلام ہونے کا انکار نہیں کیا۔

بخاری میں سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب پہلی مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو اس وقت آپ کے ساتھ صرف پانچ غلام دو عورتیں اور ایک ابوبکر تھے۔

(بخاری:۱/ ۵۱۶)

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ان پانچ غلاموں اور دو عورتوں کے نام بتائے ہیں:

① سیدنا بلال رضی اللہ عنہ ② سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ③ سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ ④ سیدنا ابوفکیہ رضی اللہ عنہ ⑤ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، ⑥ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ⑦ سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا والدہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ۔

مختصر یہ کہ مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔

بعض روایات میں پہلے مسلمان کے طور پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نام آتا ہے لیکن وہ روایات صحیح نہیں ہیں اور حقیقت کے خلاف ہیں۔ چنانچہ جن روایات میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پہلے مسلمان ہونے کا نام آیا ہے یا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا جو قول نقل ہوا ہے کہ سب سے پہلے میں اسلام لایا (انا اول من اسلم) ان کے بارے میں حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

**هذا الایصح.**

''یہ صحیح نہیں ہیں۔'' (البدایہ والنہایہ:۷/ ۳۳۴)

سیدنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب روایات میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ

''آزاد مردوں میں سب سے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ ایمان لائے، عورتوں میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا، غلاموں میں سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور بچوں میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ ایمان

لائے تھے۔" (البدایہ والنہایہ: ۳/ ۲۹، طبری: ۲/ ۶۰)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ بات نہایت قابل فخر ہے کہ وہ بغیر کسی چون و چرا کے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک روز سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے ارادہ سے باہر نکلے۔ جب آپ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو عرض کی کہ میں نے آج آپ کو مجلس میں نہیں دیکھا؟ لوگ آپ کے بارے میں کچھ ایسی باتیں کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((انی رسول الله ادعوك الیٰ الله))

"میں اللہ کا رسول ہوں اور تجھے اللہ کے دین کی طرف دعوت دیتا ہوں۔"

جونہی آپ نے یہ دعوتی جملہ ارشاد فرمایا تو روایت میں ہے:

فلما فرغ کلامه اسلم ابوبکر. (البدایہ والنہایہ: ۳/ ۲۹)

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بات کہہ چکے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے۔"

چنانچہ ایک خصوصیت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اسلام کی یہ ہے کہ آپ کی دعوت کے فوری بعد آپ ایمان لے آئے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ جونہی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے فوراً اس دعوت کو دوسروں تک پہنچانا شروع کر دیا۔ چنانچہ خود اسلام قبول کرنے کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وغیرہ کے پاس گئے اور ان کو دعوت اسلام دی۔ دوسرے روز سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ اور سیدنا ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کو اسلام کی دعوت دی، اور یہ سب جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی دعوت ہی سے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے اور اساطین اسلام کہلائے۔ بعض روایات کے مطابق ۲۸ افراد آپ کی دعوت کی وجہ سے اسلام میں داخل ہوئے۔

(البدایہ والنہایہ: ۳/ ۳۰، محمد رسول اللہ، عرجون: ۱/ ۵۳۳)

دوسروں کے علاوہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے خاندان کے افراد کو بھی دعوت اسلام دی اور آپ کے خاندان میں سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ اور آپ کی زوجہ محترمہ ام رومان رضی اللہ عنہا اور آپ کے خادم سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

(السیرۃ الحلبیہ: ۱/ ۴۴۲)

## مصائب:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے ساتھ ہی قریش مکہ کی طرف سے ان پر مصائب کے کوہ گراں ٹوٹ پڑے اور اس راہ میں ہر آزمائش میں آپ کے صبر وثبات کا دامن تھامے رکھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اگرچہ بااثر اور ذی وجاہت شخصیت تھے لیکن دعوت ربانی کی مخالفت میں اور اس کے داعی اور حامی کی دشمنی کے نعروں سے مکہ کی پوری وادی گونج اٹھی تھی، اس لیے ان لوگوں نے ان کی وجاہت اور عظمت کا کوئی خیال نہ رکھا اور اسلام کے مخالفوں اور دشمنوں نے ذات نبوت کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے غیظ وغضب کا ہدف بنایا۔ لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی اس دشمنی اور مخالفت کی کوئی پروانہ کی اور دعوت کے کام کو برابر جاری رکھا۔

ایک روز مشرکین سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پر کچھ زیادہ ہی برافروختہ ہو گئے اور عتبہ بن ربیعہ اور اس کے ساتھ کچھ اور مشرکین سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گرد ہو گئے اور اپنے جوتوں، ہاتھوں اوز لاتوں سے آپ کو اس قدر مارا کہ چہرہ متورم ہو گیا اور ناک چپٹی ہو کر چہرہ سے مل گئی۔ آپ کے قبیلہ بنو تیم کو پتا چلا تو وہ فوراً جائے واردات پر پہنچے اور آپ کو مشرکوں کے نرغہ سے نکال کر خون آلود پڑوں کے ساتھ گھر لے آئے۔ آپ کی حالت اس قدر خراب تھی کہ سب کو یقین ہو گیا تھا کہ آپ جانبر نہیں ہو سکیں گے۔ اس وجہ سے آپ کے قبیلہ کے لوگوں نے مسجد الحرام کے اندر اونچی آواز سے کہا کہ اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ جانبر نہ ہوئے تو ہم عتبہ کو بھی قتل کر دیں گے۔ گھر پہنچنے کے بعد جب آپ کو افاقہ ہوا تو ہوش میں آنے کے بعد اس درد وکرب کی حالت میں بھی سب سے پہلے جو بات آپ کی زبان سے سنی گئی وہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس حال میں ہیں۔ اس پر بنو تیم کے لوگوں نے ناراضگی کا اظہار کیا اور وہ آپ کو ملامت کرتے ہوئے واپس چلے گئے۔ آپ کی والدہ ام الخیر نے کہا: ''بیٹا! کچھ کھا پی لو تا کہ تمہارے ہوش ٹھکانے آ جائیں، لیکن آپ کا والدہ کو جواب یہ تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت معلوم کرنے سے پہلے کچھ نہیں کھاؤں گا۔ والدہ نے کہا کہ میں تمہارے صاحب کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ آپ نے فرمایا کہ ام جمیل بنت خطاب کے پاس جا کر معلوم کرآؤ۔ آپ کی والدہ وہاں سے اٹھ کر سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں۔ انہوں نے ان کو کچھ نہ بتایا اور خود سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں۔ آپ کی یہ حالت دیکھ کر سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جن لوگوں نے آپ کے ساتھ یہ ظلم کیا ہے، ان کے

فاسق اور فاجر ہونے میں کوئی شک نہیں مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ضرور انتقام لے گا۔
سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے بھی وہی سوال کیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کس حال میں ہیں۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی والدہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''ان کی موجودگی میں؟'' آپ نے فرمایا: ''ان کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں۔'' سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بخیر و عافیت ہیں۔ آپ کی اس جواب سے بھی تسلی نہ ہوئی جب تک اپنی آنکھوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھی اس مخلص رفیق کو دیکھ کر بھر آیا کیونکہ آپ سرتاپا زخمی تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان، مجھے کچھ زیادہ تکلیف نہیں۔ اس فاسق و فاجر نے صرف میرا چہرہ زخمی کر دیا ہے۔ یہ میری ماں ہے جو اپنے والدین کا حق ادا کرتی رہی ہے۔ اس کو آپ اللہ کی طرف سے دعوت دیجیے اور اس کے حق میں دعا فرمائیے کہ اللہ اس کو جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے۔ چنانچہ آپ کی والدہ ام الخیر رضی اللہ عنہا اور آپ کے چچا سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اسی روز ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے۔

(الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ: ۱/ ۴۶، السیرۃ النبویہ لابن کثیر: ۱/ ۴۳۹، البدایہ والنہایہ: ۳/ ۳۰، التمکین للامۃ الاسلامیہ: ص ۲۴۳)

مشرکین کی طرف سے جب بھی آپ کو کوئی ایذا پہنچائی گئی تو آپ نے اس کو بخوشی قبول کر لیا لیکن جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی ایذا پہنچائی جاتی تو آپ فوراً بے تاب ہو جاتے اور ظالموں کا ہاتھ پکڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرتے۔ چنانچہ ایک روز مشرکین نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا گریبان پکڑ لیا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں لوگوں کو دعوت دے رہے تھے۔ مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پل پڑے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر زدوکوب کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش ہو گئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر بے تاب ہو گئے اور ان کے اندر گھس کر فرمایا: ''تمہارا برا ہو تم ایک انسان کو صرف اس لیے قتل کر دینے پر تلے بیٹھے ہو کہ وہ اللہ کو اپنا رب کہتا ہے۔''

(فتح الباری: ۱/ ۱۲۹، التمکین للامۃ الاسلامیۃ: ص ۲۴۴)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مختلف اوقات میں قریش کے ظلم و ستم کا نشانہ بننا پڑا، لیکن آپ کو اپنی چنداں فکر نہ ہوتی بلکہ ہر وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دھیان لگا رہتا کہ کہیں آپ کی ذات اقدس کو گزند نہ پہنچ جائے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ شقی عقبہ بن ابی معیط نے اپنی چادر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن میں ڈال کر اس زور سے اس کو بل

دیا کہ آپ ﷺ کا دم گھٹنے لگا۔ عقبہ بن ابی معیط آپ ﷺ کی ذات اقدس پر یہ ظلم کر رہا تھا کہ اتنے میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ پہنچ گئے۔ انہوں نے عقبہ کو دھکے دے کر پیچھے ہٹایا اور فرمایا: ''ظالمو! تم اس شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب صرف اللہ ہے۔'' (بخاری: ۱/۵۴۴)

تاریخ کے کسی انسان نے کبھی بھی کسی دعوت کو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ جیسے جذبہ سرشاریت سے نہیں اپنایا اور نہ ہی کسی انسان نے اپنے ضمیر کی آواز اور اپنے رب کی پکار کو اس طرح ہمہ تن گوش ہو کر سنا، اور نہ ہی صداقت شعاری کسی انسان میں اس شان کے ساتھ جلوہ نما دیکھی گئی۔ آپ نے جان و مال، والدین اور اولاد غرض کہ ساری دنیا ایک اجل ہادی و صادق کے کلمہ حق پر تج دی جب کہ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ لوگ کسی شے کی صدقت کو تو بڑی بلند آہنگی کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں لیکن جب اس صداقت اور سچائی کی راہ میں قربانی کا سوال آتا ہے تو ایک دن کا رزق اور ایک گھنٹے کی راحت بھی قربان کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ بلاشبہ ان اوصاف کے حامل انسان کے لیے ''صدیق'' ہی کا لقب ہوتا ہے، کوئی دوسرا لفظ اس انسان کامل کی خوبیوں کی عکاسی کا حق ادا نہیں کر سکتا۔

## ہجرت حبشہ کا ارادہ:

رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو قبول کرنے والوں پر جب قریش مکہ نے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے شروع کر دیے تو آپ نے انہیں حبشہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ بہت سے ستم زدہ مسلمان حبشہ کی طرف روانہ بھی ہو گئے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی ذاتی وجاہت اور اعزاز کے باوجود اس دارو گیر سے محفوظ نہ رہ سکے۔ سرکار دو عالم ﷺ کی جدائی اور فرقت سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لیے سوہان روح تھی لیکن چونکہ یہ ہجرت مصائب اور کفار کے ظلم و ستم سے بچنے کے لیے نہ تھی بلکہ آزادی کے ساتھ عبادت الٰہی کرنے کے لیے تھے اور دین حق کی دعوت دوسرے ملکوں میں پھیلانے کے لیے تھی، اس وجہ سے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ فرما لیا، لیکن ابھی آپ برک الغماد جو کہ مکہ مکرمہ سے یمن کی جانب پانچ روز کی مسافت پر ہے، پہنچے تھے کہ بنو قارہ کے سردار ابن الدغنہ سے ملاقات ہو گئی۔ ابن الدغنہ نے پوچھا: ''ابو بکر! کہاں کا ارادہ ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے، اب سوچتا ہوں کہ کسی اور ملک چلا جاؤں اور وہاں

نہایت دل جمعی کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کروں۔'' ابن دغنہ نے کہا: ''تم جیسے شخص کو کیسے شہر بدر کیا جا سکتا ہے؟ تم غریبوں، بے سہاروں اور ناداروں کی دست گیری کرتے ہو، صلہ رحمی کے جذبہ سے سرشار ہو اور قرابت داروں کی پاس داری کرتے ہو، مصیبت زدوں کی اعانت کرتے ہو۔ میں تمہیں ہرگز نہیں جانے دوں گا۔ تم میرے ساتھ واپس چلو اور میری پناہ میں اپنے ہی شہر میں اپنے رب کی عبادت کرو۔'' چنانچہ وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ واپس لے آیا اور قریش مکہ سے کہا: ''کیا غضب ہے کہ تم اوصاف اعلیٰ کے شخص کو شہر میں رہنے نہیں دیتے۔ یہ اب میری امان میں ہیں۔'' قریش نے کہا: ''ابن دغنہ! تم نے جو انہیں پناہ دی ہے وہ ہمیں اس شرط کے ساتھ منظور ہے کہ وہ چھپ کر اور پوشیدہ طور پر اپنے رب کی عبادت کریں۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کچھ دنوں تک تو پوشیدہ طور پر ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے لیکن آخر نہ رہا گیا اور اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنالی۔ یہ اسلام کی سب سے پہلی مسجد تھی۔ آپ اس میں عبادت بھی کرتے اور قرآن حکیم کی بڑے درد انگیز لہجے میں تلاوت فرماتے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ قریش کی عورتیں اور نوجوان قرآن حکیم کی جاذبیت اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی درد انگیزی کے باعث وہاں جمع ہو جاتے اور متاثر ہوتے۔ قریش نے ابن الدغنہ سے اس کی شکایت کی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ معاہدہ کی خلاف ورزی کر رہے ہیں کیونکہ معاہدہ میں یہ تھا کہ وہ پوشیدہ طور پر عبادت اور تلاوت کریں گے۔ اگر وہ راضی نہ ہوں تو وہ تمہاری پناہ سے دست کش ہو جائیں۔ ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے قریش کی شکایت کا تذکرہ کیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھ کو تمہاری پناہ کی ضرورت نہیں، میں اللہ رب العزت کی پناہ میں آتا ہوں۔'' اور اس طرح سے ابن الدغنہ کی پناہ ختم کر دی گئی۔ (بخاری: ۵۵۲/۱، فتح الباری: ۲۷۴/۷)

## غلاموں کی نجات:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے ذی وجاہت انسان قریش مکہ کے ظلم و ستم سے نہ بچ سکے تو ان غلاموں کا کیا حال ہوتا ہوگا جنہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر لبیک کہا تھا۔ تاریخ کے اوراق ان مظالم اور شدائد کو اپنے سینہ میں محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔ جو تکالیف ان کو پہنچائی گئیں ان کو پڑھ کر جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے، لیکن اسلام وہ نشہ نہیں جس کو

مظالم و شدائد اتار سکتے۔ چنانچہ قریش مکہ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ، سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ، سیدنا ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ، سیدہ زنیرہ رضی اللہ عنہا، سیدہ نہدیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام عبیس رضی اللہ عنہا وغیرہ پر ہر قسم کے ظلم وستم روا رکھے۔ ابتداء میں جن لوگوں نے دعوت اسلام کو قبول کیا ان میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا اکثر و بیشتر لوگ مفلوک الحال اور غلام تھے۔ غلاموں کی تعداد اچھی خاصی تھی جن کے پاس اپنی آزادی کے لیے کوئی مال نہ تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان غلاموں اور کنیزوں کو اپنے مال سے خرید کر آزاد کر دیا۔ جن کی تعداد اگرچہ الاصابہ اور الاستیعاب وغیرہ کتابوں میں سات ہے لیکن اصل تعداد اس سے زیادہ ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان غلاموں کو خرید کر لوجہ اللہ آزاد کیا۔ ان میں آپ کی کوئی دنیوی غرض مضمر نہیں تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ کے والد ابوقحافہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا:
''ابوبکر! تم زیادہ تر عورتوں اور ان میں بھی عمر رسیدہ کو خرید کر آزاد کرتے ہو، یہ تمہارے کس کام آئیں گے۔ اگر ان کے بجائے تم تندرست اور توانا مردوں کو خرید کر آزاد کرو تو یہ کبھی تمہارے کام آسکتے ہیں۔'' والد کے منہ سے یہ بات سن کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ابا! میں ان ناتواں اور کمزور انسانوں کو صرف انعام خداوندی حاصل کرنے کے لیے خرید کر آزاد کرتا ہوں۔''
(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو السیرۃ النبویہ لابن ہشام: ۱/ ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۹۳)

## ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال خرچ کرنے کی اہمیت:

اسلام میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال خرچ کرنے کی بڑی اہمیت ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اپنے مال کو اسلام لانے کے بعد اپنا مال سمجھا ہی نہیں تھا بلکہ آپ اس کو اللہ کا مال سمجھتے تھے۔ جب آپ اسلام لائے تو آپ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے جن سے آپ نے غلاموں کو آزاد کر کے اسلام کو تقویت دی اور جہاں بھی اسلام کو مال کی ضرورت پڑی آپ نے وہاں مال کو بے دریغ خرچ کیا یہاں تک کہ ہجرت کے وقت آپ کے پاس صرف پانچ ہزار درہم رہ گئے تھے۔ مدینہ طیبہ میں بھی آپ نے مال کو اسلام کے لیے بے دریغ خرچ کیا۔ آپ کا نام خرچ کرنے والوں میں سرفہرست ہے۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم نے ان لوگوں کی عظمت و برتری کا اظہار کیا ہے۔ قرآن حکیم نے فرمایا ہے:

﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَّنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ م بَعْدُ وَقَاتَلُوا﴾ (الحدید: ۱۰)

''تم میں سے جن لوگوں نے فتح سے پہلے اللہ کے راستہ میں خرچ کیا ہے اور قتال کیا ہے، وہ درجہ میں دوسروں کے برابر نہیں بلکہ یہ لوگ درجہ کے اعتبار سے بہت بڑے ہیں ان لوگوں سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور قتال کیا۔''

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس مال کو بڑی اہمیت دی ہے۔ فرمایا:

((مانفعنی مال احد قط مانفعنی مال ابی بکر)) (ترمذی، رقم:۳۶۶۱)

''مجھے کسی شخص کے مال نے اتنا نفع نہیں پہنچایا جتنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال نے نفع پہنچایا ہے۔''

ایک اور روایت میں فرمایا:

''بے شک اپنی صحبت اور مال کے لحاظ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ اور کسی کا مجھ پر احسان نہیں ہے۔''

جب آپ اپنے مال سے غلاموں کو خرید کر آزاد فرما رہے تھے تو بعض اوقات ان کے آقاؤں نے جان بوجھ کر بھاؤ چڑھائے تاکہ آپ غلاموں کو خریدنے سے قاصر رہیں یا اپنی کم سرمائیگی پر نادم ہوں، لیکن آپ نے اپنے مال و دولت کی کبھی پروا نہ کی اور انہیں منہ مانگی قیمت دی۔ چنانچہ سیدنا بلال بن اباح رضی اللہ عنہ کو پانچ اوقیہ سونے کے عوض خرید کر آزاد کیا۔ بعد میں آپ سے کہا گیا کہ اگر آپ ایک اوقیہ کم بھی دیتے جب بھی ہم اس کو آپ کے ہاتھوں فروخت کر دیتے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر تم اس وقت سو اوقیہ بھی مانگتے تب بھی میں ضرور خریدتا۔ چنانچہ آپ اپنے مال سے مسلسل ان مظلوموں اور بے کسوں کو ان کے سنگ دل اور بے رحم آقاؤں کے پنجے سے نجات دلاتے رہے۔

## دعوتی جدوجہد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت:

طائف سے مکہ تشریف آوری کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دعوت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ذی قعدہ سنہ ۱۰ نبوت میں آپ مطعم بن عدی کی پناہ میں مکہ مکرمہ تشریف لائے اور دن بھی ضائع کیے بغیر آپ اپنے دعوتی کام میں مصروف ہو گئے۔ آپ افراد اور قبائل دونوں سے ملتے اور دونوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دیتے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک قبیلہ

کے پاس جا کر انہیں اسلام کی دعوت دی اور انہیں بتوں کی پرستش سے روکا۔ ان سب دوروں میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ ہوتے تھے۔ (ابوبکر الصدیق، محمد عبدالرحمٰن قاسم: ص۹۲)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ منیٰ میں قبائل کے دورہ پر گئے۔ پھرتے پھرتے ہم ایک بڑی باوقار مجلس میں پہنچے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''تم کون لوگ ہو؟'' انہوں نے کہا: ''ہم بنوشیبان سے تعلق رکھتے ہیں۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان، ان سے زیادہ معزز لوگ کہیں اور نہ ملیں گے۔'' اس مجلس میں ایک شخص مفروق بن عمرو بیٹھا تھا۔ اس نے کہا: ''شاید آپ لوگ قریش میں سے ہیں۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''غالباً آپ لوگوں نے سن لیا ہوگا کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے ایک رسول مبعوث ہوئے ہیں وہ یہی ہیں۔'' مفروق نے کہا: ''ہاں، ہم تک یہ بات پہنچ چکی ہے۔'' پھر وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تمہیں اللہ کی توحید اور اپنی نبوت و رسالت کی دعوت دیتا ہوں اور اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ مجھے اپنے ہاں پناہ دے دو اور میری مدد کرو تاکہ میں وہ فریضہ ادا کر سکوں جو اللہ نے مجھے تفویض کیا ہے کیونکہ قریش نے اللہ کے کام کو روکنے کے لیے ایکا کر لیا ہے۔ مفروق نے جواب دیا: ''قریشی بھائی! آپ اور کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ انعام: آیت نمبر ۱۵۱۔۱۵۲ تلاوت فرمائی۔ مفروق نے کہا: ''خدا کی قسم! یہ اہل زمین کا کلام نہیں، وہ قوم بڑی ہی بے عقل اور احمق ہے جس نے آپ کو جھٹلایا کیونکہ آپ بہترین اخلاقی خوبیوں اور پاکیزہ اعمال کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اس کے بعد ان کے ایک مذہبی راہ نما ہانی بن قبیصہ نے کہا: ''قریشی بھائی! آپ کی بات میں نے سنی اور اس کی تصدیق کی لیکن ہمارا ایک ہی مجلس میں اپنا پرانا دین چھوڑ کر آپ کی پیروی کرنا جلد بازی ہوگا ہم اس بارے میں اپنی قوم سے مشورہ کریں گے، لہٰذا ہم بھی واپس جاتے ہیں اور آپ بھی واپس جائیں۔

(البدایہ والنہایہ: ۱۴۲/۳۔۱۴۵، سبیل الرشاد: ۵۹۶/۲)

## واقعۂ معراج کی تصدیق:

طائف سے واپسی پر ایک طرف تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوتی مشن میں تیزی آ گئی اور دوسری طرف قریش مکہ بھی بے خوف و خطر ظلم و ستم کرنے لگے کیونکہ ابو طالب اور سیدہ

خدیجہ رضی اللہ عنہا جیسی پناہ کی دیواریں منہدم ہو چکی تھیں۔ آپ کا طائف کا سفر بھی ظاہری نگاہ میں ناکام ہی رہا تھا۔ آپ کی دعوت و تبلیغ ابھی کامیابی اور ظلم و ستم کے درمیانی مرحلہ سے گزر رہی تھی، تاہم افق کی دور دراز پہنائیوں اور وسعتوں میں کامیابی و کامرانی کے دھندلے ستاروں کی جھلک دکھائی پڑنا شروع ہو گئی تھی کہ اسراء و معراج کا واقعہ پیش آ گیا جس میں حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی نشانیاں دکھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حکمرانی کے اندرونی نظام کا مشاہدہ کرایا اور ان پر فطرت کے وہ راز اور اسرار منکشف فرمائے جو آج تک کسی پر ظاہر نہیں کیے گئے تھے۔ اس سے ایک مقصد آپ کی ڈھارس بندھانا بھی تھا کیونکہ ظاہری سہاروں کے فقدان اور طائف کے ظلم و ستم اور ابولہب اور ابوجہل کے جور و تعدی نے آپ کے قلب پر حزن و ملال کی پرچھائیاں طاری کر دی تھیں۔ ان پرچھائیوں کو ختم کرنے اور اپنی قدرت کے مشاہدات کروانے کے لیے آپ کو معراج کروائی گئی۔ آپ کے اس واقعہ کے دو حصے ہیں۔ ایک کو اسراء کہا جاتا ہے اور دوسرے کو معراج۔ معراج ''عروج'' سے اسم آلہ ہے جس کے معنی ہیں اوپر کو چڑھنا۔ چونکہ آپ بیت المقدس کی سرزمین سے زمین کی وسعتوں اور بلندیوں سے ورے آسمان کی پہنائیوں کی طرف اٹھائے گئے، اس لیے اسے معراج کہا گیا۔ اس لحاظ سے اس سیر کے دو حصے ہیں: ایک مکہ سے بیت المقدس تک، دوسرا بیت المقدس سے آسمانوں کی وسعتوں اور پہنائیوں تک، پہلی زمینی سیر کو اسراء کہتے ہیں اور دوسری آسمانی سیر کو معراج کے لفظ سے یاد کرتے ہیں۔ اس کو دوسرے لفظوں میں اس طرح بھی کہا جا سکتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ رات کو تھوڑے سے حصے میں مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک اور پھر مسجد اقصیٰ سے ساتویں آسمان یا اس سے آگے جہاں تک اللہ نے چاہا حالت بیداری میں اسی روح اور جسم کے ساتھ سیر کرائی جسے اسراء اور معراج کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ (زرقانی: ۶/۳۳)

معراج کا یہ واقعہ چونکہ عالم بالا سے تعلق رکھتا تھا اور رات کے تھوڑے سے حصے میں یہ واقعہ پیش آیا اس لیے قریش مکہ کے ذہن اس کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ چنانچہ جب صبح کے وقت واقعہ معراج کا چرچا ہوا تو قریش نے اس کو ایک مذاق سمجھا اور انہوں نے اس کو محض ایک خندہ زنی کا سامان بنایا۔ کچھ مشرک سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: ''آپ کے صاحب کہہ رہے ہیں کہ میں نے رات ہی رات میں بیت المقدس اور پھر وہاں سے آسمان پر لے جایا گیا اور پھر واپس بھی آ گیا۔ لوگوں نے پوچھا آپ اس بات میں ان کی تصدیق

کرتے ہیں؟ فرمایا: ہاں، میں اس سے بعید امور میں بھی ان کی تصدیق کرتا رہتا ہوں یعنی آسمانی خبروں کے متعلق جو دن رات ان کے پاس آتی رہتی ہیں۔ حالانکہ صبح وشام کا وقت رات کی مقدار سے بھی کم ہوتا ہے۔ جب سرکار دو عالم ﷺ کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس جواب کا علم ہوا تو آپ نے ان کو ''صدیق'' کا قابل فخر خطاب عطا فرمایا۔

(ابن ہشام: ۱/۳۹۹، اخرجہ الحاکم: ۳/۶۲ وصححہ الذھبی)

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قریش مکہ اور مشرکین عرب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس کیوں آئے۔ اس سوال کا آسان جواب یہ ہے کہ وہ لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سرکار دو عالم ﷺ کا سب سے بڑا حواری سمجھتے تھے۔ اسی لیے ابن ہشام میں ہے کہ بعثت کے ابتدائی دنوں میں کسی عرب قبیلے کا ایک شخص کعبہ کی زیارت کے لیے مکہ آیا۔ جب وہ واپس گیا تو اس کے قبیلہ والوں نے پوچھا: ''مکہ کی کوئی خبر سناؤ؟'' اس نے کہا:

**محمد تنباء وتبعه ابن ابی قحافة.**

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور ابو قحافہ کا بیٹا اس کا ساتھ دے رہا ہے۔''

شاید اسی وجہ سے مشہور مستشرق H.G.Wells نے لکھا ہے:

It was Muhammad who said the thing, but it was Abu Bakar who believed the thing.

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو بات بھی کہتے ہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ اسی وقت اس پر ایمان لے آتے ہیں۔''

گویا اس ایمان لانے کے لحاظ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا پہلا نمبر تھا۔ قریش مکہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان میں کچھ تزلزل آ گیا تو نبوت کے مشن کو کافی نقصان پہنچ سکتا ہے، لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جواب نے ان کے اس خیال کو غلط ثابت کر دیا۔ لہٰذا وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انہیں ایسی بات کہی جسے ایک عام ذہن کسی صورت قبول نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ تسلیم و رضا کے پیکر تھے لہٰذا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی تردد اور جھجک کے جواب دیا کہ ''اگر وہ کہتے ہیں تو درست کہتے ہیں کیونکہ انہوں نے آج تک کبھی کوئی غلط بات نہیں کہی۔''

## مدینہ طیبہ کے لوگوں کو دعوت اسلام:

سنہ ۱۱ نبوی (جولائی ۶۲۰ ھ) کے حج کے زمانہ میں سرکار دو عالم ﷺ اور دستور اور معمول کے مطابق سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معیت میں قبائل عرب کی ملاقات کے لیے اور انہیں دعوت اسلام دینے کے لیے منیٰ کی طرف نکلے اور مختلف قبائل میں پھرتے پھراتے قبیلہ خزرج کے ایک گروہ میں پہنچے۔ اسی رات آپ بنو ذہل اور بنو شیبان کے ڈیروں پر بھی گئے اور ان سے اسلام کے بارے میں بات چیت کی لیکن انہوں نے کوئی امید افزا جواب نہ دیا۔ اس موقع پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بنو ذہل کے ایک شخص سے سلسلہ نسب کے بارے میں ایک مکالمہ بھی ہوا جو بڑا دلچسپ تھا کیونکہ یہ دونوں حضرات ماہر انساب تھے۔ ان سے امید افزا جواب نہ پا کر آپ منیٰ کی گھاٹی کی طرف گزرے تو خزرج کے ایک گروہ سے آپ ﷺ کی اور سیدنا ابوبکر کی ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے آپ کے سوال پر بتایا کہ ہم خزرج کے چند افراد ہیں۔

ان حضرات نے آپ کی دعوت دین کو قبول کر کے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ ہم نے اپنی قوم کو اس حالت میں چھوڑا ہے کہ اس سے زیادہ کسی قوم میں باہمی عداوت نہیں پائی جاتی۔ شاید اللہ تعالیٰ آپ کی وجہ سے ان کو متحد کر دے۔ ہم واپس جاتے ہیں اور آپ کے دین کی، جس کو ہم نے قبول کیا ہے، ان کو دعوت دیتے ہیں۔ اگر اللہ نے ان کو آپ پر جمع کر دیا تو کوئی آپ سے زیادہ طاقتور نہ ہوگا۔ اب ہم آئندہ سال آپ سے حج کے موقع پر ملیں گے۔ یہ کل چھ آدمی تھے۔ یہ لوگ یثرب کے عقلا الرجال تھے اور نہایت سعادت مند روحیں تھیں جنہوں نے آپ کی دعوت دینے کے ساتھ ہی فوری طور پر اسلام کو قبول کر لیا۔ مدینہ پہنچ کر ان لوگوں نے اسلام کی دعوت دینا شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند مہینوں میں کوئی گھر اور کوئی مجلس آپ کے ذکر سے خالی نہ رہی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۴۲۶۔ ۴۳۰، عیون الاثر: ۱/ ۲۱۰، زرقانی: ۱/ ۳۱۰، البدایہ والنہایہ: ۳/ ۱۴۸، فتح الباری: ۷/ ۱۷۱، زاد المعاد: ۲/ ۵۰، التاریخ الاسلامی، حمیدی: ۳/ ۶۹)

## بیعت عقبہ اولیٰ:

جب یہ چھ حضرات واپس مدینہ گئے تو انہوں نے ہر محلہ اور مجلس میں رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ شروع کر دیا۔ پھر اگلے سال حسب وعدہ ۱۲ نبوی میں حج کے موقع پر ۱۲ افراد عقبہ کے

مقام پر آپ ﷺ سے ملے جہاں گزشتہ سال خزرج کے لوگوں سے آپ کی اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہوئی تھی۔ اب بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ہمراہ تھے کیونکہ آپ ﷺ کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہمت وجرأت اور آپ کی ذہنی پختگی پر پورا بھروسہ تھا اور آپ ﷺ کو اپنے خونی رشتہ داروں سے بھی زیادہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اعتماد تھا۔ ان بارہ افراد میں پانچ تو وہی تھے جو گزشتہ سال آپ کو ملے تھے باقی سات آدمیوں میں سے پانچ خزرج اور دو قبیلہ اوس کے تھے۔ ان حضرات سے آپ ﷺ نے مقام عقبہ پر بیعت لی۔ یہ بیعت عقبیٰ اولیٰ کہلاتی ہے۔ جب یہ بارہ افراد مدینہ طیبہ واپس جانے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو تعلیم قرآن حکیم کے لیے ان کے ساتھ بھیج دیا تاکہ وہ انہیں اسلام سے روشناس کرائیں۔

(سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۴۳۶، عیون الاثر: ۱/ ۲۶۸، البدایہ والنہایہ: ۳/۱۵۲، زادالمعاد: ۲/ ۵۱)

## بیعت عقبہ ثانیہ:

آئندہ سال سنہ ۱۳ نبوی میں ۷۳ اور ایک روایت کے مطابق ۷۰ افراد آپ سے ملاقات کے لیے آئے۔ ان میں عقبہ اولیٰ والے افراد کے ساتھ اور بھی کئی مدینہ طیبہ کے اکابرو اعیان شامل تھے۔ یہ حضرات اس رات رسول اللہ ﷺ سے، جس کی صبح حاجی منیٰ سے روانہ ہو جاتے ہیں، ملاقات کے لیے حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ملاقات کے لیے عقبہ کا نشیبی علاقہ مقرر فرمایا اور حکم دیا کہ کسی سوئے کو جگانا نہیں اور کسی غائب کا انتظار نہیں کرنا۔ (الطبقات الکبریٰ: ۱/ ۲۲۱) یہ لوگ رات کی تاریکی میں لوگوں کی نگاہوں سے چھپتے چھپاتے اور دو دو چار چار کر کے طے شدہ مقام پر پہنچے تو سرکار دو عالم ﷺ، سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے۔ وہاں ان لوگوں نے آپ سے بیعت کرنے کے بعد آپ کو مدینہ طیبہ آنے کی دعوت دی جس کو آپ نے قبول فرمالیا۔ اس زمانے کے ایسے مشکل حالات میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا گویا اپنے آپ کو ایک دھندلی صداقت کے حوالے کرنا، اپنا سب کچھ ایک غیر قائم شدہ حق کو سونپ دینا اتنا انوکھا تھا کہ وہ اجتماعی سطح پر تاریخ میں ایک ہی بار پیش آیا ہے۔ نہ اس سے پہلے کبھی پیش آیا اور نہ اس کے بعد۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۴۴۳، عیون الاثر: ۱/ ۲۷۱، بس فتح الباری: ۷/ ۱۵۴، زرقانی: ۱/ ۳۱۷، البدایہ والنہایہ: ۳/ ۱۵۶، مختصر السیر ۃ: ۱۵۵، طبقات ابن سعد: ۱/ ۲۲۱، مسند احمد: ۳/ ۱۲۰)

# ہجرت مدینہ

ذی الحجہ سنہ ۱۳ نبوی میں بیعت عقبہ ثانیہ ہوئی۔قریش کو اس سے بہت گھبراہٹ اور پریشانی لاحق ہوئی اور ان کے جور وستم میں تیزی آ گئی۔اب مکہ میں دعوت حق کی مظلومی انتہاء کو پہنچ گئی اور لبیک کی جگہ ہر طرف تلوار کی جھنکار سنائی دیتی تھی۔اب حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ مظلوم و مقہور مسلمانوں کے لیے اب کوئی جائے پناہ تجویز کی جائے۔آپ فرمان خداوندی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔وحی الٰہی نے آپ کو بتایا کہ اہل ایمان کا دارالہجرت یثرب ہو گا۔اب نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہجرت کی دعوت دے دی بلکہ ایک اصول طے ہو گیا کہ جو شخص دائرہ اسلام میں داخل ہو اس پر لازم ہو کہ وہ مدینہ منورہ کو اپنی قیام گاہ بنائے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہجرت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

**((ان اللہ قد جعل لکم اخواناً و داراً تامنون بھا))**

''بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے بھائی بھی بنا دیے جو تمہاری نصرت کریں اور وطن بھی بنا دیا جس میں تم امن و راحت سے رہو۔''

(البدایہ والنہایہ: ۱۳۹/۳، الروض الانف: ۲۸۴/۱، لائف آف محمد ولیم میور: ۲۴۲/۲)

اذن ہجرت کے بعد مدینہ منورہ کی شاہراہ کھل گئی اور جان نثاران اسلام یکہ وتنہا بھی اور اپنے خاندانوں کے ساتھ بھی قریش مکہ سے چھپ چھپا کر رات کی تاریکی میں مدینہ منورہ جانا شروع ہو گئے،لیکن مشرکین مکہ نے ان کی روانگی میں رکاوٹیں کھڑی کرنا شروع کر دیں کیونکہ مسلمانوں کا ایک مرکز پر جمع ہو جانا ان کے لیے خطرات کا پیش خیمہ تھا۔آہستہ آہستہ قریباً سب مسلمان مدینہ منورہ چلے گئے،چنانچہ بیعت عقبہ ثانیہ کے صرف دو ماہ اور چند روز بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ،سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور چند عورتوں اور مردوں کے سوا مکہ میں کوئی بھی

مسلمان باقی نہ رہا۔ یہ دونوں حضرات بھی رسول اللہ ﷺ کے حکم سے رکے ہوئے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ جب دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ چلے گئے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی مدینہ جانے کی تیاری شروع کردی، مگر رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''ذرا رکے رہو کیونکہ مجھے امید ہے کہ مجھے بھی اجازت دے دی جائے گی۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کیا آپ ﷺ کو اس کی توقع ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''ہاں ضرور۔'' اس لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ رکے رہے تاکہ سرکار دو عالم ﷺ کی معیت میں سفر کریں۔ ان کے پاس دو اونٹنیاں تھیں، انہیں بھی چار ماہ تک ببول کے پتوں کا چارہ خوب کھلایا۔ (بخاری: ۱/۵۵۴) رسول اللہ ﷺ بھی اپنا ساز و سامان تیار کر کے روانگی کے لیے حکم خداوندی کا انتظار فرما رہے تھے۔ آپ کے ارشاد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی رخت سفر باندھے ہوئے تھے۔

قریش نے جب دیکھا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آہستہ آہستہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ چلے گئے ہیں اور انہیں روکنے کے لیے ہماری تمام تدبیریں الٹی ہوگئی ہیں تو دارالندوہ میں قریش کے تمام قبائل کا ایک اجتماع ہوا جس میں رسول اللہ ﷺ کے (معاذ اللہ) قتل کی ایک قرارداد پاس کی گئی۔ اسی مجلس میں قتل کے لیے آدمی بھی متعین کر دیئے گئے اور قتل کا وقت بھی متعین کر دیا گیا۔ اس کارروائی کو سورہ انفال آیت نمبر ۳ میں بیان کیا گیا ہے۔

ادھر قریش دارالندوہ میں رسول اللہ ﷺ کے خلاف یہ قرارداد پاس کر رہے تھے ادھر حق تعالیٰ کی قدرت خندہ زن تھی کہ آج جو لوگ آپ کے قتل کی قرارداد پاس کر رہے ہیں ان میں سے اکثر تو اس کی تیغ براں کا لقمہ بنیں گے اور جو بچ رہیں گے وہ اس کی کفش برداری پر صد ناز و افتخار کریں گے۔ جبرئیل امین نے فوری طور پر قریش کی اس قرارداد اور ان کے اس منصوبہ کے بارے میں آپ ﷺ کو مطلع کر دیا اور یہ حکم خداوندی بھی پہنچا دیا کہ آپ بھی اب ہجرت کر جائیں اور رفیق ہجرت بھی متعین فرما دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے جبرئیل امین سے پوچھا: ''میرا رفیق سفرت ہجرت کون ہوگا؟'' جبرئیل نے کہا: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ'' (مستدرک حاکم: ۳/۵، زرقانی: ۱/۲۶۶)

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے ہجرت کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لاتجعل لعل الله يجعل لك صاحباً))

''ابوبکر رضی اللہ عنہ! جلدی نہ کرو شاید اللہ تعالیٰ تجھے میرا رفیق سفر بنا دے۔''

(تاریخ الدعوۃ الی الاسلام: ص ۱۰۷)

خود ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بھی یہ خواہش تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں سفر ہجرت کریں۔

سفر چونکہ پانچ سو کلومیٹر کا تھا جس کے لیے ایک ایسے خادم اور ساتھی کی ضرورت تھی جو جان نثار ہونے کے ساتھ ساتھ ہم دم اور ہم راز بھی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اعلیٰ درجے کا اخلاق بھی رکھتا ہو۔ شجاعت اور جان بازی کے ساتھ عقیل، دانشور اور مدبر بھی ہو، اس لیے اللہ کے حکم سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رفیق سفر نامزد کیا گیا اور یہ بھی بتایا گیا کہ یہ رات آپ اپنے بستر پر نہ گزاریں۔ یہ ابن ہشام وغیرہ کی روایت ہے۔ (ابن ہشام: ۴۹۲/۱، زاد المعاد: ۵۲/۲)

## ہجرت نبوی ــــــ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معیت میں:

۲۴ صفر ۱۴ نبوی اور سن عیسوی کے حساب سے ۱۲ ستمبر بروز پیر، رات کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں اپنے نوجوان چچا زاد بھائی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ موجود ہیں۔ گھر کا ماحول تاریک ہے، لیکن اس تاریکی میں وہ دونوں حضرات آہستہ آہستہ کچھ باتیں کر رہے ہیں۔ گھر کے اندر کی کیفیت تو یہ تھی لیکن آج کی رات باہر کا ماحول نہایت خوفناک اور ہیبت ناک تھا۔ آج اس گھر کو قریش کے اکابر مجرمین نے گھیرا ہوا تھا۔ اس گھر کو جس کے رہنے والے کو بھی یہ سارے ''الصادق الامین'' کے القاب سے یاد کرتے تھے، جس کو اپنے جھگڑوں اور تنازعات میں نہایت خوشی سے ثالث اور حکم مانتے تھے، جس کے پاس وہ اپنی امانتیں رکھا کرتے تھے، آج اس پاک ہستی کو قتل کرنے اور صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے اس کے گھر کو گھیرا ہوا ہے اور اس بات کے انتظار میں گھات لگائے بیٹھے ہیں کہ کب وہ باہر نکلے اور کب اس پر یک بارگی حملہ کر کے اسے ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے، لیکن ع

وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ جب رات ذرا بھیگ گئی اور اس نے تاریکی اور ظلمت کی چادر اوڑھ لی تو قریش کے اکابر مجرمین گھات لگا کر کاشانہ نبوت کے دروازے پر بیٹھ گئے۔ ابوجہل دوسرے لوگوں سے ہنس ہنس کر کہہ رہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ گمان ہے کہ اگر

تم اس کا اتباع کرو تو عرب وعجم کے بادشاہ ہو گے اور مرنے کے بعد تم کو جنت ملے گی اور اگر اس پر ایمان نہ لاؤ گے تو دنیا میں اس کے پیروؤں کے ہاتھوں قتل کیے جاؤ گے اور مرنے کے بعد جہنم کی آگ میں جلو گے۔ یہ کلمات وہ استہزاء کے طور پر کہہ رہا تھا، کیونکہ وہ سمجھ رہا تھا کہ چند گھنٹوں کے بعد وہ اس ہستی کو ختم کر دیں گے جو تمام دنیا کو روحانی زندگی بخشنے کے لیے آئی تھی۔ یہ لوگ آنکھوں میں رات گزار رہے تھے کہ کب وہ نکلیں اور کب ان پر حملہ کر کے ان کو ابدی نیند سلا دیں۔ اس مرحلہ پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بستر پر میری یہ حضرمی چادر اوڑھ کر سو رہو، تم کو کوئی بھی گزند نہیں پہنچائے گا۔

(ابن ہشام: ۱/۴۸۳، طبری: ۲/۹۹، البدایہ والنہایہ: ۳/۱۷۶)

رات کے آخری پہر میں پورے مکہ پر ایک ہو کا عالم طاری تھا۔ فضا میں ایک سناٹا تھا لیکن نور خدا کفر کی حرکت پہ خندہ زن تھا۔ کاشانہ نبوت کو گھیرنے والے کھڑے کھڑے تھک گئے تھے۔ اب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے دروازے کے سامنے قطار لگا کر بیٹھ گئے تا کہ وہ وہاں سے کسی صورت گزر نہ سکیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی خوف و ہراس کے نہایت اطمینان کے ساتھ باہر تشریف لائے۔ مشرکین مکہ کی صف کو چیرا اور سورۃ یٰسین کی تلاوت کرتے ہوئے محاصرین کے پاس پہنچے اور اس وقت یہ آیت کریمہ زبان پر تھی:

''ہم نے ان کے آگے دیوار اور ان کے پیچھے دیوار کھڑی کر دی پھر اوپر سے ڈھانک دیا سو وہ نہیں دیکھ رہے ہیں۔'' (یٰسین: ۹)

اب یہ نہیں کہا جا سکا کہ ان کو نیند آ گئی یا ان کی آنکھوں کے سامنے دیوار کھڑی کر دی گئی یا ان کی آنکھوں میں مٹی پڑ گئی لیکن معلوم یہی ہوتا ہے کہ ان کے سامنے اللہ تعالیٰ نے واقعی دیوار کھڑی کر دی جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم محسوس کر رہے تھے۔ پھر اطمینان کی بھی انتہا ہو گئی کہ آپ یونہی نہیں گزر گئے بلکہ اپنے دست مبارک میں مٹی لیتے ہیں اور ہر ایک کے سر پر مٹی ڈالتے ہوئے تشریف لے جاتے ہیں۔

یہاں سے آپ سیدھے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے جو وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سراپا انتظار تھے۔ ادھر محاصرین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانہ نبوت سے نکلنے کا انتظار کر رہے تھے لیکن انہیں جلد ہی اپنی نامرادی اور ناکامی کا علم ہو گیا۔ جب ایک غیر متعلقہ شخص نے انہیں آ کر چونکا دینے والی خبر سنائی۔ اس نے پوچھا: ''آپ لوگ یہاں کھڑے ہو کر کس کا انتظار کر

رہے ہو؟'' انہوں نے جواب دیا: ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا۔ اس نے کہا: ''خدا کی قسم! محمد (ﷺ) تو آپ لوگوں کے پاس سے چلے گئے اور تمہاری غفلت کی انتہاء ہے کہ خاک تمہارے سروں پر پڑی ہے اور تمہیں اس کی کوئی خبر نہیں وہ گھبرا کر اٹھے، سروں پر ہاتھ پھیرا تو وہ واقعی خاک آلود تھے۔ انہیں یقین ہو گیا کہ یہ شخص صحیح کہتا ہے۔ دروازہ دیکھا تو وہ بھی کھلا ہوا تھا۔

سرکار دو عالم ﷺ تو ان کے پاس سے چلے گئے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو پیچھے چھوڑ گئے۔ ہو سکتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دینے کا اصل سبب یہ ہو کہ ان کے پاس اہل مکہ کی امانتیں تھیں، لہٰذا اپنا مال ملنے کی وجہ سے مشرکین نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو کچھ نہ کہا اور شرم و ندامت نے بھی انہیں جھنجھوڑا ہوگا کہ جس شخص کو وہ جان سے مارنے کے لیے آئے تھے وہ اتنا بلند اخلاق ہے کہ قتل گاہ سے جاتے وقت بھی اسے اپنے دشمنوں کی امانتیں ادا کرنے کی فکر رہی۔ یہ عمل اس دنیا میں اپنی واحد مثال ہے۔

مشرکین یہاں سے سیدھے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان پر گئے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ آپ اپنے گھر میں نہیں ہیں تو پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر میں ہوں گے۔ وہاں ایک لڑکی (سیدہ اسماء بنت ابی بکر) ملی۔ پوچھا: ''تمہارے ابا کہاں ہیں؟'' لڑکی نے جواب دیا: ''مجھے خبر نہیں۔'' ابوجہل شقی نے اپنی ناکامی کے باعث نہایت غصہ سے سیدہ اسماء کے منہ پر اتنی زور سے تھپڑ مارا کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے کان کی بالی گر گئی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ: ۳/۱۷۶، سیرۃ ابن ہشام: ۱/۴۸۰، عیون الاثر لابن سید الناس: ۱/۲۹۱-۲۹۴، طبقات ابن سعد: ۱/۱۵۳، زرقانی: ۱/۳۲۷، تاریخ الدعوۃ الی الاسلام: ص ۱۰۷، السیرۃ النبویہ لابن کثیر: ۲/۲۳۳-۲۳۴، الھجرۃ النبویہ المبارکہ، عبدالرحمن البر: ص ۱۲۶)

جب ان بدبختوں کو پورا یقین ہو گیا کہ سرکار دو عالم ﷺ ہاتھ سے نکل گئے تو آپ کی تلاش میں دوڑے۔ مکہ کی گلی گلی اور کوچہ کوچہ چھان مارا لیکن آپ کا کہیں پتہ نہ چلا اور وہ خائب و خاسر سر کھجلانے لگے۔

## بخاری کی روایت:

واقعات کی یہ ساری تفصیل ان روایات کی روشنی میں ہے جو تاریخ و سیر کی عام کتابوں میں مرقوم ہے لیکن بخاری جو کتاب اللہ کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب سمجھی جاتی

ہے، اس کی رو سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بستر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر سونا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رات کو مکہ سے نکلنا ایک افسانہ نظر آتا ہے۔ بخاری میں ام المومنین سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا سے جو روایت مروی ہے اس میں صاف مذکور ہے کہ ہجرت کا سفر رات کو نہیں بلکہ دوپہر کو شروع ہوا۔ ویسے حالات اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہجرت کا سفر رات کے بجائے دوپہر کو ہوتا۔ ہجرت نبوی ستمبر کے مہینے میں ہوئی جو کہ عرب میں سخت گرمی کا مہینہ ہوتا ہے۔ گرمیوں کے مہینوں میں عرب لوگ دوپہر کو سفر نہیں کرتے کیونکہ اس وقت سخت گرمی ہوتی ہے، لو چلتی ہے جو کہ بدن کو جھلس کر رکھ دیتی ہے۔ اس وجہ سے دوپہر کو راستے سنسان ہو جاتے ہیں اور رات کے وقت جب گرمی کی شدت اور حدت کم ہو جاتی ہے تو عرب لوگ اپنا سفر شروع کر دیتے ہیں اور راستوں پر مسافروں کی آمد و رفت شروع ہو جاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر سفر کرنا تھا لہٰذا دوپہر کے وقت سفر کرنا آپ کے لیے زیادہ فائدہ مند تھا نہ کہ رات کے وقت سفر کرنا جب کہ راستوں پر عام لوگ سفر کرتے ہیں۔ اور بخاری کی یہ روایت کہ ہجرت کا سفر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوپہر کے وقت کیا عین قرین قیاس بھی ہے اور سند کے لحاظ سے بھی زیادہ جید اور ثقہ ہے۔

چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز ہم سب گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ اس وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے۔ کسی شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے دیکھ کر کہا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سر ڈھانپے ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے قبل اس وقت کبھی تشریف نہ لائے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ اجازت پا کر آپ اندر تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''یہاں اس وقت جتنے لوگ ہیں انہیں یہاں سے ہٹا دو (کیونکہ ایک اہم بات کرنی ہے) سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! یہ تو آپ ہی کے گھر والے ہیں۔'' اس پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مجھے یہاں سے ہجرت کا حکم دیا گیا ہے۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان! مجھے بھی اپنے ساتھ لے لیجیے۔'' فرمایا: ''تم بھی میرے ساتھی ہو۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! ان دو اونٹنیوں میں سے ایک آپ لے لیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مفت نہیں'، ''قیمتاً لوں گا۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے ان کے لیے جلدی جلدی زاد راہ اور سامان سفر تیار کیا۔ کچھ کھانا چمڑے کے ایک تھیلے میں رکھ دیا۔ سیدہ اسماء بنت ابی بکرؓ نے اپنا

آزار بند کاٹا اور اس سے تھیلے کا منہ باندھا۔ اس وجہ سے ان کا نام ''ذات النطاقین'' پڑ گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی سواریوں پر چل پڑے اور غار ثور میں تین روز تک چھپے رہے۔''
(بخاری:۱/۵۵۳)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ

(۱) سفر ہجرت رات کو نہیں بلکہ دوپہر کو شروع ہوا، لہٰذا جن روایات میں رات کے سفر کا ذکر ہے وہ بخاری کی اس حدیث کے مقابلہ میں کمزور اور ضعیف ہیں۔

(۲) ہجرت کا جونہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا آپ اسی وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لائے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم سنایا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رفاقت کی درخواست کی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمائی۔

(۳) اسی وقت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر پر ہی زاد راہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا دونوں بہنوں نے تیار کیا اور سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنے آزار سے اس تھیلے کے منہ کو باندھا۔

(۴) ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر ہی سے اسی وقت (یعنی دوپہر کے وقت) سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے لیے روانہ ہو گئے اور جبل ثور کے ایک غار میں چھپے رہے۔

روایت میں آتا ہے کہ دوپہر کے وقت جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دونوں بیٹیوں نے زاد راہ تیار کر کے باندھ دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ دونوں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان کی پچھلی کھڑکی سے باہر نکلے۔

(سیرۃ ابن ہشام:۱/۱۴۹، البدایہ والنہایہ:۳/۱۷۸، الھجرۃ من فی القرآن الکریم:ص۳۳۴)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر میں جو زر نقد تھا وہ انہوں نے اپنے ساتھ لے لیا۔ مسند احمد اور سیرۃ ابن ہشام میں ہے کہ سیدہ اسماء بنت ابی بکرؓ فرماتی ہیں کہ ہمارے والد گھر سے چلتے وقت اپنا سارا مال جو پانچ چھ ہزار درہم تھا، اپنے ساتھ لے گئے۔ بعد میں ہمارے دادا ابوقحافہ جو نابینا ہو گئے تھے اور اس وقت دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے، نے ہم سے کہا: ''میرا خیال ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی جان کے ساتھ اپنا مال بھی لے گیا ہے۔'' میں نے کہا: ''نہیں دادا ابو! انہوں نے خیر کثیر ہمارے لیے چھوڑی ہے۔'' پھر جس طاق میں ابا اپنا مال رکھتے تھے اس کے اندر میں نے کچھ پتھر رکھ کر اوپر کپڑا ڈال دیا اور دادا ابو سے کہا کہ آپ اپنا ہاتھ لگا کر دیکھ لیں۔

انہوں نے ٹٹولا اور فرمایا: ''تمہارے پاس کافی مال ہے، تمہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جانے کا چنداں غم نہیں ہونا چاہیے۔'' یہ ہم نے دادا ابو کے اطمینان کے لیے ایسا کیا وگرنہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تو سب کچھ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضروریات کے لیے ساتھ لے گئے تھے۔

اہل سیر نے لکھا ہے کہ ۲۷ صفر سنہ ۱۴ نبوی (۱۳ ستمبر سنہ ۶۲۲ء) کی دوپہر کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان کے پچھواڑے کی کھڑکی سے نکل کر جبل ثور کی طرف روانہ ہوئے جو مکہ مکرمہ سے قریباً تین میل کے فاصلے پر ہے اور جس کی چوٹی پر غار ہے جو ''غار ثور'' کے نام سے مشہور ہے۔ جب آپ گھر سے روانہ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ دعا تھی:

((اللھم اخرجتنی من احب البلاد الی فاسکننی فی احب البلاد الیک))

(البدایہ والنہایہ: ۳/ ۲۰۵)

''اے اللہ! تو نے مجھے اس شہر سے نکالا جو مجھے تمام شہروں میں سب سے زیادہ محبوب تھا، اب میری سکونت اس شہر میں فرما جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔''

مسند احمد اور ترمذی وغیرہ ہے کہ مکہ مکرمہ سے نکلتے وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حزورہ کے مقام پر کھڑے ہوئے اور بیت اللہ کی طرف رخ کر کے جب کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے پہلو میں تھے، بڑے دردناک لہجے میں فرمایا:

((واللہ انک لخیر ارض اللہ واحب ارض الیٰ اللہ، ولو لا انی اخرجت منک ماخرجت))

''اے مکہ! خدا کی قسم! تو اللہ تعالیٰ کی سب سے بہترین زمین ہے، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اگر میں یہاں سے نہ نکالا جاتا تو میں تجھے کبھی نہ چھوڑ کر جاتا۔'' (ترمذی: ۵/ ۷۲۲، مستدرک حاکم: ۳/ ۷، زرقانی: ۱/ ۲۲۸)

پھر آپ جبل ثور کی طرف سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معیت میں روانہ ہوئے اور جلد ہی جبل ثور کے دامن میں یہ دونوں حضرات پہنچ گئے۔ یہاں چونکہ پتھر بہت تھے اس سے ایک تو آپ کے پاؤں مبارک زخمی ہو گئے اور دوسرے اپنے نشان قدم مٹانے کے لیے آپ پنجوں کے بل چل رہے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہاڑ کے دامن میں پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھا لیا اور بار نبوت کو اٹھاتے ہوئے اس غار کے منہ پر پہنچ گئے جو غار ثور کے نام سے مشہور ہو گیا۔

بعض روایات میں ہے کہ غار ثور تک جاتے ہوئے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ تھے اور حال یہ تھا کہ کبھی ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے آگے چلتے اور کبھی پیچھے چلتے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو عرض کی: ''یا رسول اللہ! مجھے پیچھا کرنے والوں کا خیال آتا ہے تو پیچھے چلنے لگتا ہوں اور جب یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں آگے سے کوئی خطرہ درپیش نہ ہو تو آگے آ جاتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارا مطلب یہ ہے کہ تمہیں اپنی جان کا کوئی خطرہ نہیں۔'' عرض کی: ''یہ تو قربان ہونے ہی کے لیے ہے۔'' (فتح الباری: ۱۸۶/۲)

غار ثور کا راستہ طے ہوا۔ غار کے پاس پہنچ کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''حضور! ذرا توقف فرمائیں۔ میں پہلے داخل ہو کر دیکھ لیتا ہوں۔ اگر کوئی شے اس میں ایسی ہوئی جو آپ کو گزند پہنچائے تو آپ کے بجائے وہ مجھے گزند پہنچائے۔ چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ غار کے اندر گئے۔ اس کو صاف کیا۔ ایک جانب چند سوراخ تھے، انہیں اپنی چادر پھاڑ کر بند کیا لیکن دو سوراخ باقی بچ گئے۔ ان پر آپ نے اپنے دونوں پاؤں رکھ دیے۔ پھر سرکار دو عالم ﷺ کو اندر تشریف لانے کو کہا۔ آپ ﷺ اندر تشریف لائے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گود میں سر رکھ کر سو گئے۔ ادھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاؤں کو کسی چیز نے ڈس لیا لیکن آپ اس ڈر سے ہلے تک نہیں کہ کہیں نبوت کی نیند میں خلل نہ آ جائے، لیکن درد کی تکلیف کی وجہ سے کچھ گرم گرم آنسو بے اختیار نبوت کے چہرہ اقدس پر ٹپک پڑے اور سرور دو عالم ﷺ کی آنکھ کھل گئی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ! کیا ہوا؟'' عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان! مجھے کسی شے نے ڈس لیا ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعاب دہن وہاں لگایا اور درد فوراً جاتا رہا۔

بعض روایات میں ہے کہ غار ثور میں آپ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اپنے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا فرمائی:

**((اللھم اجعل ابابکر معی فی درجتی یوم لقیامة))**

''اے اللہ! قیامت کے روز ابوبکر رضی اللہ عنہ کو میرے ساتھ میرے درجہ میں رکھنا۔''

اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ آپ کی دعا قبول فرمالی گئی۔

(حلیۃ الاولیاء لابی نعیم: ۳۳/۱، صفۃ الصفوۃ: ۲۴۰/۱)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور جناب رسول اللہ ﷺ نے تین راتیں (جمعہ، ہفتہ اور اتوار کی راتیں) یہاں غار ثور میں گزاریں۔ (فتح الباری: ۳۳۶/۷)

ایک روایت میں ہے کہ جونہی رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ غار ثور میں داخل

ہوئے۔ حکم الٰہی سے فوراً ایک مکڑی نے غار کے منہ پر جالا تن دیا۔ جس کو دیکھ کر کافروں کو یہ وہم بھی نہ ہوا کہ آپ ﷺ اس غار میں داخل ہوئے ہوں گے۔

(مسند امام احمد: ۱/ ۳۴۸، الہجرۃ النبویۃ المبارکہ: ص۷۲)

یہ دونوں حضرات تین روز غار ثور میں چھپے رہے۔ اس دوران تین آدمیوں کے سپرد تین کام تھے۔

① سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ نہایت ہوشیار اور ذہین وفطین نوجوان تھے۔ وہ رات غار ثور میں گزارتے اور صبح کی تاریکی میں چلے جاتے سارے قریش مکہ سے جو کچھ سنتے وہ رات کو ان دونوں حضرات کو بتاتے۔

② سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ تازہ دودھ سرکار دوعالم ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے رہیں۔ اس کا طریقہ انہوں نے یہ اختیار کیا کہ وہ رات کا حصہ گزر جانے کے بعد بکریوں کا ریوڑ لے کر غار کے منہ تک جاتے اور دودھ دھوتے اور اس غار میں بیٹھے دونوں حضرات کی خدمت میں پیش کرتے۔ پھر صبح اندھیرے منہ بکریاں ہانک کر مکہ پہنچ جاتے۔ تینوں رات انہوں نے یہی کیا۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہوتا کہ سیدنا عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ جو اندھیرے منہ غار سے مکہ جاتے، ان کے پاؤں کے نشانات بکریوں کے چلنے سے مٹ جاتے۔

③ تیسری ذمہ داری سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک اور شخص کو تفویض کی تھی جس کا نام عبداللہ بن اریقط تھا۔ اس کا تعلق بنی عبد بن عدی سے تھا اور ابھی تک مشرک تھا۔ یہ کچے راستوں اور خصوصی طور پر پہاڑی راستوں سے بہت واقف تھا۔ اس فن کے ماہر کو ''خریت'' کہتے تھے اور دور دراز کے سفروں میں ''خریت'' کا ہونا ضروری ہوتا تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو کیا اجرت دی کتابوں میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ یہ شخص مشرک ہونے کے ساتھ ساتھ عاص بن وائل سہمی کے خاندان کا حلیف تھا لیکن اسے ابوبکر رضی اللہ عنہ پر پورا پورا یقین اور اطمینان تھا اور اس نے بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے یقین کو ٹھیس نہ لگنے دی اور پوری رازداری سے کام کیا حالانکہ قریش کی طرف سے بہت بڑا انعام مقرر تھا۔ (خاتم النبیین، لابی زہرہ: ۱/ ۶۵۹، ابن کثیر سیرۃ: ۲/ ۲۳۴)

تین رات گزرنے کے بعد وہ چوتھے روز صبح سویرے حسب ہدایت غار ثور کے منہ پر

پہنچ گیا اور یہ دونوں حضرات دو اونٹنیوں پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔

دوسری طرف قریش کا عجیب حال تھا۔ جب انہیں پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاتھوں سے نکل گئے تو ان پر ایک جنون کی کیفیت طاری ہو گئی۔ وہ ایک زخمی سانپ کی طرح پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر غصہ اتارا۔ ان کو وہ گھر سے بیت اللہ تک گھسیٹ کر لائے اور کچھ وقت کے لیے حبس بے جا میں رکھا لیکن ان سے کچھ حاصل نہ ہو۔ پھر وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر پر گئے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ابوبکر اور محمد ﷺ لازم و ملزوم ہیں۔ جہاں آپ ﷺ وہاں ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ لیکن وہاں بھی انہیں کچھ پتہ نہ چلا۔ پھر فیصلہ یہ ہوا کہ ہنگامی حالت کا اعلان کر دیا جائے۔ اور مکہ کے تمام راستوں پر سخت پہرہ بٹھا دیا جائے۔ دوسرا فیصلہ یہ ہوا کہ جو کوئی ان دونوں کو یا دونوں میں سے ایک کو زندہ یا مردہ حاضر کرے اس کو سو اونٹوں کا گراں قدر انعام دیا جائے گا۔ (بخاری: ۱/۵۵۴)

اس انعام کے اعلان نے کئی لوگوں کے دلوں میں طمع اور حرص و آز کے جذبہ کو حرکت دی اور اہل مکہ کی بہت سی ٹولیاں انعام حاصل کرنے کے لیے آپ کی تلاش میں نکلیں۔ گویا ہر ہر فرد حرکت میں آ گیا۔ یہ تلاش پہاڑوں، وادیوں، میدانوں اور نشیب و فراز اور غاروں میں ہونے لگی لیکن ان کی یہ سب کوششیں بے کار ثابت ہوئیں۔

قریش دو کھوجیوں کو لائے تاکہ وہ قدموں کے نشانات سے معلوم کریں کہ آپ کدھر گئے۔ یہ کھوجی کھوج لگاتے ہوئے غار ثور کے منہ تک پہنچ گئے لیکن وہاں انہوں نے دیکھا کہ مکڑی نے جالا تنا ہوا ہے۔ (الہجرۃ النبویہ المبارکہ: ص۷۲)

ان میں سے ایک کھوجی کرز بن علقمہ خزاعی نے کہا کہ یہاں سے آگے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ قریش کے جو لوگ کھوجیوں کے ساتھ آئے تھے، ان میں سے ایک نے کہا کہ غار میں چل کر بھی دیکھ لیا جائے لیکن امیہ بن خلف نے کہا: ''میاں کیا پاؤ گے؟ اس غار پر تو جالا محمد (ﷺ) کی پیدائش سے بھی پہلے کا تنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔'' یہ سن کر سب واپس چلے گئے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو دلائل النبوۃ ابی نعیم: ۲/۱۱۲، فتح الباری: ۷/۱۷۴، طبقات ابن سعد: ۱/۱۵۴، عیون الاثر لابن سید الناس: ۱/۱۸۲، زرقانی: ۱/۳۳۱، البدایہ والنہایہ: ۳/۱۸۹، الروض الانف: ۲/۴ وغیرہ)

## مدینہ کی راہ پر:

تین روز کی تلاش وجستجو اور بے نتیجہ دوڑ دھوپ کے بعد قریش کی تلاش کی تگ و دو رک گئی اور جستجو کی آگ بجھ گئی اور ان پر ان کی سرگرمیاں سرد پڑ گئیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن اریقط کو جو صحرائی اور پہاڑی راستوں سے بخوبی آشنا تھا اور اس فن کا ماہر تھا، اجرت پر رکھ لیا تھا۔ یکم ربیع الاول کی یکم تاریخ کو عبداللہ بن اریقط دونوں سواریاں لے کر آ گیا۔ عین موقع پر سیدہ اسماء بنت ابی بکر بھی زاد راہ ایک تھیلے میں لیے ہوئے وہاں پہنچ گئیں اور توشہ باندھ کر کجاوے کے ساتھ لٹکا دیا۔ (بخاری:۱/۵۵۳، ابن ہشام:۱/۴۸۶)

اس کے بعد جبل ثور سے یہ قافلہ اس طرح روانہ ہوا کہ ایک اونٹنی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسری پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور انہوں نے راستہ میں خدمت کے لیے عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ آگے آگے عبداللہ بن اریقط راستہ بتانے کے لیے پیدل چل رہا تھا۔ اس طرح اس عظیم الشان سفر ہجرت کا آغاز ہوا جس نے دنیا کی تاریخ کو بدل کر رکھ دیا۔

(زرقانی:۱/۳۴۰، فتح الباری:۷/۱۸۶، ابن ہشام:۱/۴۸۷)

عبداللہ بن اریقط راستوں کا بڑا ماہر تھا۔ اس نے اس قافلے کو ایک ایسے راستے پر ڈالا جس پر شاذ و نادر ہی مسافر چلتا تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کاروباری اور تجارتی سلسلہ میں اکثر و بیشتر شام جاتے رہتے تھے، اس لیے مختلف قبائل کے شیوخ سے ان کے تعلقات تھے۔ لوگ ان کو دیکھ کر پہچان لیتے اور پوچھتے کہ یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کو یہ جواب دیتے:

**هذا الرجل يهديني السبيل.**

''یہ وہ صاحب ہیں جو مجھے راستہ دکھاتے ہیں۔''

(بخاری:۱/۵۵۸، طبقات ابن سعد:۱/۱۵۹)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ دوسرے روز دوپہر تک چلتے رہے۔ جب دھوپ تیز ہو گئی تو میں نے نظر دوڑائی کہ کہیں کوئی سایہ کی جگہ ہے یا نہیں۔ ایک لمبی چٹان دکھائی دی جس کے نیچے کچھ سایہ تھا۔ میں نے اس کو غنیمت سمجھا اور ہم اتر پڑے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سایہ کے نیچے لے گیا۔ میرے پاس ایک چمڑے کا بستر تھا۔ میں نے اس کو سایہ میں بچھا دیا اور اپنے آقا اور دو جہاں کے سردار کو اس پر لٹا دیا۔ آپ اطمینان سے سو گئے اور گرد و پیش کی

دیکھ بھال کے لیے نکلا۔ اچانک ایک چرواہا اپنا ریوڑ لیے چٹان کی طرف چلا آ رہا تھا۔ وہ بھی اس چٹان کے سایہ میں آرام کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اسے پوچھا تمہاری کوئی بکری دودھ دیتی ہے۔ اس نے اثبات میں جواب دیا اور ایک بکری پکڑ کر لے آیا۔ میں نے کہا: ''پہلے تم بکری کے تھنوں کو پونچھ کر صاف کرو، پھر اپنے ہاتھ صاف اور پھر دودھ دوہو۔'' اس نے میری ہدایات پر عمل کیا۔ اس نے تھوڑا سا دودھ دوہا اور مجھے دیا۔ میں سرکار دو عالم ﷺ کے پاس آیا۔ آپ ﷺ سوئے ہوئے تھے۔ آپ جب بیدار ہوئے تو میں وہ دودھ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس میں تھوڑا سا ٹھنڈا پانی ملایا جس سے وہ ٹھنڈا ہو گیا۔ پھر آپ نے اس کو نوش فرمایا یہاں تک کہ میں خوش ہو گیا۔ اس کے بعد ہم سفر کے لیے روانہ ہو گئے۔

(بخاری: ۱/۳۳۰، ۵۱۰، ۵۵۶)

اس مختصر سے قافلے نے اپنا سفر جاری رکھا۔ انعام حاصل کرنے کے لالچ نے دور دور تک لوگوں کو مستعد اور متحرک کر دیا تھا اور وہ اس گراں قیمت انعام کو حاصل کرنے کے لیے تگ و دو کر رہے تھے۔ اس تگ و دو کرنے والوں میں ایک شخص سراقہ بن مالک بھی تھا۔ یہ بنی مدلج کا رئیس تھا اور قدید کے قریب اس کا علاقہ واقع تھا۔ اس نے اپنے کسی آدمی کی اطلاع پر ان حضرات کا تعاقب کیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم سخت زمین سے گزر رہے تھے۔ میں نے عرض کیا: ''یہ ہمارا پیچھا کرنے والا بہت قریب آ گیا ہے۔'' آپ نے اس کے لیے بددعا کی اور وہ زمین میں پیٹ تک دھنس گیا۔ سراقہ کا بیان ہے کہ میں اٹھا، میں نے گھوڑے کو اٹھایا اس کو ڈانٹا، اس کے پاؤں زمین سے بڑی مشکل سے نکلے۔ ساتھ ساتھ اس کے پاؤں کی جگہ سے دھوئیں کی طرح غبار نکلا جو آسمان کی طرف چڑھ رہا تھا۔ اب میں نے جو فال نکالی تو اس دفعہ بھی فال میری خواہش کے خلاف ہی نکلی۔ میں نے اب ہمت ہار دی اور میرے دل میں یہ بات جم گئی کہ رسول اللہ ﷺ ضرور کامیاب ہوں گے۔ میں نے وہیں سے انہیں پکارا تو وہ لوگ ٹھہر گئے اور میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے پاس پہنچا۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ کی قوم نے آپ کے بدلے میں سو سو اونٹ انعام رکھا ہے اور ساتھ ہی میں نے لوگوں کے عزائم سے آپ کو آگاہ کیا۔ میں نے آپ کو کئی قسم کی پیش کشیں کیں لیکن آپ نے میری کسی قسم کی پیش کش کو منظور نہ فرمایا۔ (فتح الباری: ۷/۱۹۲) آپ ﷺ نے صرف ایک فرمائش کی کہ کسی کو ہماری اطلاع نہ دینا۔ میں نے وعدہ کیا اور ساتھ ہی یہ بھی درخواست کی کہ میرے لیے اس کا

پروانہ امن تحریر فرما دیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا اور انہوں نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر پروانہ امن لکھ کر سراقہ کو دے دیا۔ پھر یہ حضرات مدینہ طیبہ کی طرف آگے بڑھ گئے۔ سراقہ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ راستہ میں جو شخص بھی ملتا۔ سراقہ اسے کہتا کہ واپس چلے جاؤ۔ میں نے اطمینان کرلیا ہے وہ ادھر نہیں ہیں اور تم لوگ جانتے ہو کہ میں کیسی نظر رکھتا ہوں اور سراغ رسانی میں کتنا ماہر ہوں۔ (بخاری: ۴/۲۵۶، مسند احمد: ۴/۱۷۵)

حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: ''وہ وقت بھی کیا ہوگا جب تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے۔'' چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مدائن کی فتح کے بعد کسریٰ کے کنگن اور اس کا کمر پٹہ اور اس کا تاج لایا گیا تو انہوں نے سراقہ بن مالک کو پہنا دیا۔

(زرقانی: ۱/۳۴۶، الاصابہ ترجمہ سراقہ بن مالک، استیعاب: ۲/۱۲۰)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سراقہ بن مالک کی مختصر روئیداد یہ ہے کہ وہ صبح کے وقت حملہ آور تھا اور شام کے وقت محافظ۔ (بخاری: ۱/۵۵۶)

مختصر یہ کہ یہ قافلہ راستہ میں ام معبد کے خیمے اور دوسری کئی جگہوں پر قیام کرتا ہوا مدینہ طیبہ کی طرف رواں دواں تھا۔ راستہ میں آپ کی بریدہ اسلمی سے ملاقات ہوئی۔ یہ بھی انعام کے لالچ میں ستر آدمی اور ایک روایت کے مطابق اسی آدمیوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختصری بات چیت کے بعد بریدہ نقد دل ہار بیٹھے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ بریدہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''یارسول اللہ! مدینہ میں داخل ہوتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک جھنڈا ہونا چاہیے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عمامہ اتارا اور نیزے سے باندھ کر بریدہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ چنانچہ جب آپ مدینہ میں داخل ہوئے تو بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ جھنڈا لیے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے تھا۔

(زرقانی: ۱/۳۴۹، الاستیعاب: ۱/۱۷۴)

## مدینہ میں داخلہ:

اگرچہ اس زمانہ میں ڈاک وغیرہ کا سلسلہ نہیں تھا لیکن آنے جانے والے لوگوں سے

اہل مدینہ کو پتہ چل گیا تھا کہ سرورِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مکہ سے مدینہ کی راہ نکل چکے ہیں۔ اب مدینہ میں ایک ایک گھڑی گنی جا رہی تھی اور ایک ایک دن کا حساب کیا جا رہا تھا۔ لوگ طلوعِ آفتاب سے بہت پہلے پو پھٹنے کے وقت اٹھتے اور مدینہ منورہ سے حرہ کے مقام پر آ جاتے اور آفتابِ رسالت کے طلوع ہونے کا انتظار کرتے رہتے۔ جب دوپہر کے وقت آفتاب کی تمازت تیز ہو جاتی اور مسافروں کی آمد کا سلسلہ ختم ہو جاتا تو مرجھائے دلوں کو بے تاب سینوں میں دبائے ہوئے واپس چلے جاتے۔ ایک روز جب وہ واپس جا رہے تھے تو ایک یہودی اپنے کسی ٹیلے پر کچھ دیکھنے کے لیے چڑھا۔ اس نے دیکھا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ سفید کپڑوں میں ملبوس تشریف لا رہے ہیں۔ اس نے بے خود ہو کر بلند آواز سے کہا ''اے بنو قیلہ! تمہارا مبارک بخت اور خوش نصیبی کا سامان آ پہنچا۔''

(زرقانی: ۱/ ۳۵۰، فتح الباری: ۷/ ۱۷۹، البدایہ والنہایہ: ۳/ ۱۹۶)

اس ایک آواز نے تمام مردوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو وارفتۂ مسرت بنا دیا۔ اہل قبا بھی پہنچ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ پا اپنی آنکھیں بچھائیں۔ انہوں نے ہتھیار بند ہو کر اپنے ان مہمانوں کا شاندار استقبال کیا۔ (بخاری: ۱/ ۵۵۲)

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بنی عوف میں رونق افروز ہوئے۔ یہ آٹھ ربیع الاول سنہ ۱۴ نبوی مطابق ۲۳ ستمبر سنہ ۶۲۲ھ کی تاریخ اور دوشنبہ کا دن تھا۔ (زرقانی: ۱/ ۳۵۱، وفاء الوفاء: ۱/ ۱۷۶)

اب لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آ کر سلام کرتے اور بیٹھ جاتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش بیٹھے تھے اور رفیقِ سفر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آنے والوں کا استقبال کرنے کے لیے کھڑے تھے۔ جن لوگوں نے آپ کی زیارت نہیں کی تھی وہ سیدھے ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو سلام کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر دھوپ آ گئی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی چادر سے سرِ مبارک پر سایہ کر دیا۔ تب کئی حضرات کو پتہ چلا کہ خادم کون ہے اور مخدوم کون۔''

(بخاری: ۱/ ۵۵۵، ابن ہشام: ۱/ ۴۸۶)

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا میں صرف چار روز قیام فرمایا یعنی پیر، منگل، بدھ اور جمعرات۔ اس دوران میں آپ نے مسجد قبا کی بنیاد رکھی جس کا پہلا پتھر خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے رکھا۔ آپ کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اور ان کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ایک پتھر رکھا۔ پھر دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پتھر رکھنا شروع اور تعمیر کا سلسلہ شروع

ہو گیا۔ (الروض الانف: ۲/۱۱)

قبا سے چل کر آپ مدینہ طیبہ پہنچے۔ آپ اپنی ناقہ ''قصوا'' پر سوار تھے راستہ میں آپ کی زیارت کرنے والوں کا ایک ہجوم تھا۔ لڑکے اور بچے بچیاں خوشی سے نعرے لگا رہے تھے۔ اللہ اکبر! جاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم ...... اللہ اکبر ...... جاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ (البدایہ والنہایہ: ۳/۱۹۷)

ناقہ چلتی رہی۔ بنونجار کے قبیلہ میں ناقہ اس جگہ جا کر بیٹھ گئی جہاں آج مسجد نبوی ہے۔ چنانچہ آپ نے وہاں قیام فرما کر ان کی عزت افزائی فرمائی۔ (البدایہ والنہایہ: ۳/۲۰۰)

## سفر ہجرت اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو سفر ہجرت کیا اس کے ایک ایک لمحے سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے پورے خاندان کی محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیاں ہوتی ہے۔ آپ کے پورے خاندان سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا، سیدنا عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور آپ کے خادم سیدنا عمر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور آپ کی ہجرت کو لوگوں کی نظروں سے مخفی رکھنے کی پوری پوری کوشش کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سفر کے سارے اسباب اور وسائل مہیا کیے اور امت کو یہ بتایا کہ کسی کام کے لیے تمام ضروری اسباب اور وسائل کا مہیا کرنا واجب اور ضروری ہے۔ یہ سب اسباب اور وسائل مہیا کرنے کے بعد ان اسباب پر توکل اور بھروسہ نہ کیا جائے بلکہ مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا واجب اور ضروری ہے۔ (اضواء علی الہجرۃ، توفیق محمد: ص ۳۹۳-۳۹۷)

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسباب و وسائل تو سارے فراہم کیے لیکن بھروسہ اللہ پر رکھا اور ہر مشکل مقام پر اللہ رب العزت سے الحاح و زاری سے دعا کی اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا۔ (من معین السیرۃ: ص ۱۴۸)

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا اثر تھا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی مدینہ طیبہ ہجرت کرنے کا ارادہ فرمایا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: ''ابوبکر! اتنی جلدی نہ کرو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے میرا رفیق سفر بنا دیں گے۔'' ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یقین ہو گیا کہ میں ضرور آپ کا رفیق سفر ہوں۔ چنانچہ انہوں نے دو اونٹنیاں خرید لیں اور انہیں چار ماہ تک ببول کے پتوں کا چارہ

کھلایا۔ یہ اس لیے کہ ہجرت کا لمحہ شاید فوری طور پر آ جائے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بال بچوں کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے تیار کر رکھا۔ چنانچہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اچانک انہیں یہ پیغام سنایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں میرے ساتھ ہجرت کی اجازت دے دی ہے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خوشی کی شدت کے باعث رونے لگے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اللہ کی قسم! اس سے پہلے میں نہیں جانتی تھی کہ کوئی شخص خوشی سے بھی روتا ہے۔ لیکن جب میں نے اس روز اپنے ابا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خوشی سے روتے دیکھا تو مجھے یقین ہو گیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور بھی اس روز سے زیادہ کانٹوں کی سیج سے کم نہیں، لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی جان اپنے قائد اور آقا کے لیے ہتھیلی پر رکھی ہوئی تھی۔ وہ ایک جان کیا ہزار جان بھی آپ پر قربان کرنا چاہتے تھے۔ (التربیۃ القیادۃ: ۱۹۱/۲) اور غار ثور میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خوف نے لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے معنی سمجھا دیے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے سفر میں آپ کا رفیق بننے کی خواہش کی جب کہ آپ کو پتہ تھا کہ یہ اپنی جان کو خطرات میں ڈالنے کے مترادف ہے اور اس جرم کی کم سے کم سزا قتل ہے کیونکہ قریش مکہ کا یہی ارادہ تھا۔ لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی جان کا تو کوئی خوف نہ تھا اگر خوف اور خطرہ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کا اور اسلام کے مستقبل کا کیوں کہ اگر کافروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ لیا تو حالات بڑی خطرناک صورت اختیار کریں گے۔ (السیرۃ النبویہ سباعی: ص ۶۸) راستہ میں بھی جب کسی نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ تمہارے ساتھ کون ہے تو پھر بھی آپ نے اس معاملہ کو مخفی رکھا مبادا کوئی شخص آپ کو گزند نہ پہنچائے۔ چنانچہ راستہ میں جب بھی کسی نے پوچھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ تمہارے ساتھ کون ہے تو آپ نے توریہ کے انداز میں فرمایا: **"ھـذا ھـاد یھدینی السبیل"** یہ میرا ہادی ہے جو مجھے راستہ دکھا رہا ہے۔ سوال کرنے والوں نے سمجھا کہ یہ واقعی راستہ دکھانے والا ہے لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ یہ مجھے روحانیت کا راستہ دکھاتا ہے۔

(السیرۃ النبویہ دروس وعبر للسباعی ص: ۷۱، الہجرۃ النبویہ للسباعی: ص ۶۸)

اس سلسلہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بڑی نفیس بحث کی ہے۔

(ملاحظہ ہو الفتاویٰ لابن تیمیہ: ۲۸۶/۱۱)

# مدینہ طیبہ میں قیام

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مکہ میں پیدا ہوئے۔ وہیں آپ کا بچپن اور لڑکپن گزرا اور وہیں جوانی کی منزلوں کو بھی طے کیا۔ زمانہ کہولت کے بھی کچھ سال وہیں گزار کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ایک نئے وطن مدینہ منورہ میں تشریف لائے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو شرف میزبانی بخشا، لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے نواح میں ''سنخ'' ایک جگہ میں سیدنا خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ کے یہاں قیام فرمایا اور یہیں تجارت وغیرہ شروع کی اور بعد میں سیدنا خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حبیبہ سے نکاح بھی کرلیا اور یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ چند ماہ کے بعد آپ کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ ام رومان رضی اللہ عنہا اور سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو لے کر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے چھ ماہ بعد تک اسی جگہ قیام پذیر رہے۔

## مدینہ طیبہ کی خراب آب وہوا:

مکہ مکرمہ کی آب وہوا گرم خشک تھی اور مدینہ طیبہ کی مرطوب، لہٰذا مدینہ کی آب وہوا مہاجرین کو راس نہ آئی کیونکہ دونوں شہروں کی آب وہوا میں بہت فرق تھا۔ مدینہ میں ایک گندے پانی کی جھیل بھی تھی جہاں متعفن پانی کھڑا رہتا تھا۔ جس کی وجہ سے پورے یثرب کی آب وہوا مرغوب رہتی تھی۔ چنانچہ جب مہاجرین مدینہ میں ہجرت کر کے آئے تو انہیں مختلف قسم کے بخاروں نے آگھیرا۔ یہاں کا بخار پہلے ہی سے پورے عرب میں مشہور تھا۔ چنانچہ مدینہ پہنچ کر کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بخار میں مبتلا ہو گئے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی شدید تپ لرزہ میں مبتلا ہو گئے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ابا کی عیادت کے لیے آئیں تو یہ شعر ان کے ورد زبان تھا

کل امری مصبح فی اہلہ
والموت ادنیٰ من شراك نعلہ

جو شخص اپنے اہل و عیال میں داد عیش دیتا ہے حالانکہ موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔

باپ کی حالت دیکھ کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا گھبرا گئیں اور جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حالت کو بیان کیا۔ پھر کچھ روز گزرے تو خود سیدہ رضی اللہ عنہا کو بخار ہو گیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بیٹی کی بیماری کو دیکھ کر سخت پریشان ہو گئے۔ اسی پریشانی کی حالت میں بیٹی کے پاس آتے اور اس کا حال احوال پوچھتے۔ (بخاری: ۱/ ۵۵۷)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس حالت کو دیکھ کر ایک روز رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت جوش میں آئی اور بارگاہ الوہیت میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور یوں دعا فرمائی:

''اے اللہ! ہمارے لیے مدینہ کو بھی اتنا ہی محبوب بنا دے جتنا کہ مکہ محبوب تھا یا مکہ سے بھی زیادہ ہمیں مدینہ کی محبت عطا فرمایا۔

اے اللہ! مدینہ کے صاع اور مد میں ہمارے لیے برکت عطا فرما۔

اے اللہ! ہمارے لیے مدینہ کی آب و ہوا کو خوش گوار اور صحت بخش بنا دے اور اس کے بخار کو یہاں سے منتقل کر کے حجفہ پہنچا دے۔''

(بخاری: ۱/ ۵۵۹، رقم: ۶۳۷۲)

نبوت کے دعا کے لیے اٹھے ہوئے ہاتھ اللہ تعالیٰ نے خالی واپس نہیں لوٹائے۔ چنانچہ دعا نے شرف قبولیت حاصل کیا اور آج مدینہ طیبہ اپنی آب و ہوا کے لحاظ سے تمام حجاز میں سب سے بہترین مقام ہے۔ (ابن ہشام: ۲/ ۵۸۹ والتربیۃ القیادۃ: ۲/ ۳۱۰)

قیام مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی مہاجرین و انصار کے درمیان اخوت کا رشتہ قائم کیا۔ پھر مسجد نبوی کی تعمیر کی جو مسلمانوں کی سیاسی اور غیر سیاسی کاموں کا مرکز تھی، یہود مدینہ سے معاہدہ کیا جو ایک اسلامی ریاست کا سب سے پہلا معاہدہ تھا، اور اقتصادی، تعلیمی اور معاشرتی اصلاحات کی بنیاد رکھی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان تمام کاموں میں آپ کے ساتھ ایک وزیر کی حیثیت سے کام کیا اور مشورہ، مال اور رائے دینے میں بخل سے کام نہیں لیا۔

(تاریخ الدعوۃ الی الاسلام فی عہد الخلفاء الراشدین: ص ۱۲۱)

## مواخات:

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ پہنچتے ہی اخلاص و ایثار کے پیکر انصار اور غریب الوطن مہاجرین کے مابین بھائی چارہ اور مواخات سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے مکان پر کرائی۔ (عیون الاثر: ۱/۳۲۲)

یہ بھائی چارہ کل نوے (۹۰) آدمیوں میں ہوا۔ ان میں ۴۵ مہاجر اور ۴۵ انصار تھے۔ انصار نے اس بھائی چارے کو اس طریق سے نبھایا کہ چشم فلک نے کبھی ایسا بھائی چارہ نہیں دیکھا۔ مواخات دو مرتبہ ہوئی۔ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں جس میں مہاجرین میں باہمی رشتہ مواخات قائم فرمایا اور دوسری ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مہاجرین اور انصار کے مابین قائم کی گئی۔ مواخات قائم کراتے وقت سرکار دو عالم ﷺ نے طرفین کی حیثیت کا پورا پورا لحاظ رکھا۔ چنانچہ آپ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سیدنا خارجہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ جو ایک تجارت پیشہ آدمی تھے، کا بھائی بنایا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب رضی اللہ عنہ کو سیدنا عتبان بن مالک انصاری جو قبیلہ بنو سالم کے سردار تھے، کا بھائی بنایا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو عیون الاثر: ۱/۳۲۱، فتح الباری: ۷/۲۱۰، مقدمہ فتح الباری: ص ۳۲۱، سیرۃ ابن ہشام: ۱/۵۰۴، تاریخ الخمیس: ۱/۳۵۲، فتح الباری: ۷/۲۱۰، الدرر فی المغازی والسیر: ص ۹۱-۹۲)

## مسجد نبوی کی تعمیر:

نماز اگرچہ مکہ مکرمہ میں فرض ہوئی لیکن مکہ کا ماحول کچھ ایسا تھا کہ آپ کو تسلسل کے ساتھ باجماعت نماز کا موقع نہ مل سکا۔ مکہ میں صرف ایک مسجد تھی جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے مکان کے سامنے والے حصہ میں بنائی تھی۔ (بخاری: ۱/۵۵۲)

مسجد کی تعمیر اسلامی معاشرہ میں ایک مرکز کی حیثیت رکھی ہے۔ اس سے جہاں اخلاق کی تعمیر ہوتی ہے وہاں آداب معاشرت کی تکمیل بھی ہوتی ہے۔ اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں تشریف لانے کے ساتھ ہی مسجد نبوی کی تعمیر کا منصوبہ بنایا۔ قبا کے عارضی قیام میں آپ نے مسجد کی بنیاد ڈال دی تھی۔ قبا سے مدینہ منورہ تشریف آوری پر جس جگہ آپ کی ناقہ بیٹھی تھی وہ جگہ آپ نے مسجد نبوی کے لیے منتخب فرمائی۔ یہ جگہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی۔ وہ یہاں کھجوریں خشک کیا کرتے تھے۔ یہ میدان طول و عرض میں سو گز سے کچھ زائد تھا۔ آپ نے

پہلے اس جگہ کی بابت دریافت فرمایا کہ یہ کس کی ملکیت ہے۔ بتایا گیا کہ یہ رافع بن ابی عمرو کے بیٹوں سہل اور سہیل کی ملکیت ہے۔ آپ نے ان دونو بچوں کو بلایا اور زمین کے بارے میں بات کی۔ ان کو جب پتہ چلا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے لیے یہ جگہ خرید رہے ہیں تو انہوں نے بلا قیمت یہ جگہ آپ کی نذر کرنے کی پیش کش کی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس پیش کش کو قبول نہ فرمایا۔ اور قیمت دے کر وہ جگہ خرید لی۔ اس جگہ کی قیمت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ادا کی جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ایک اہم باب کا اضافہ ہے۔ (بخاری: ۱/۵۵۲، فتح الباری: ۷/۱۹۳)

جگہ خریدنے کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی تعمیر شروع کر دی۔ مسجد کی تعمیر سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ کے لیے دو حجرے تیار کروائے۔ (وفاء الوفا: ۱/۳۲۵)

## سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی:

تعمیر مسجد کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مہر کی رقم ادا کرنے کے لیے رقم نہیں تھی۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ سو درہم سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے قرض لے کر سیدہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھجوا دیے۔ اور پھر نہایت سادگی کے ساتھ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی۔ سیدہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ میری رخصتی میں نہ کوئی اونٹ ذبح کیا گیا اور نہ کوئی بکری، ہاں، ایک کھانے کا پیالہ تھا جس کو سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا۔ رخصتی کے وقت صحیح روایت کے مطابق سیدہ کی عمر ۱۹ یا ۲۰ سال تھی۔

# ابو بکر رضی اللہ عنہ میدان جہاد میں

مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد مسلمانوں نے ایک نئی زندگی کا آغاز کیا۔ یہاں ایک اسلامی ریاست قائم ہوئی۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کی منتشر قوتوں کی شیرازہ بندی کی اور اسلامی ریاست کو مضبوط بنانے کے لیے یہودیوں وغیرہ سے معاہدہ کیا۔ اپنی اجتماعی زندگی کے لیے ایک دستور مرتب کیا۔ نظام صلواۃ قائم کیا۔ ان سب معاملات میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کے وزیر اور دست راست ہونے کی حیثیت سے شرکت کی اور ہر معاملہ میں اپنی دور بینی، دور اندیشی اور دانش وری کو بروئے کار لائے۔

ہجرت مدینہ کے فوراً بعد ہی مسلمانوں کو مختلف مہمات سے سابقہ پڑا۔ قبل ازیں مکی زندگی میں مسلمانوں کو جہاد کی اجازت نہیں تھی، اب اس کی اجازت بھی مرحمت فرما دی گئی۔

فرمان خداوندی نازل ہوا:

﴿اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ﴾ (الحج:۳۹)

یعنی ”جن لوگوں کے خلاف ظالموں نے جنگ کر رکھی ہے اب انہیں بھی (اس کے جواب میں) جنگ کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر سراسر ظلم کیا گیا، اور اللہ ان کی مدد کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔“

اس اجازت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جتنی جنگیں بھی لڑیں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ ان سب میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک تھے۔ جنگ احد میں جب مسلمان قریش مکہ کے اچانک حملہ کے باعث منتشر ہو گئے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اس وقت بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، اور جنگ تبوک میں رسول اللہ ﷺ نے اپنا سیاہ رنگ کا جھنڈا عنایت فرمایا۔

(طبقات ابن سعد: ۱/۱۲۴، صفۃ الصفوۃ: ۱/۲۴۲)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس بارے میں اہل سیر کا کوئی اختلاف نہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں کسی جنگ میں بھی پیچھے نہیں رہے۔

(اسد الغابہ: ۳/ ۳۱۸)

علامہ جار اللہ زمخشری نے لکھا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمیشہ کے لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منسلک رہے۔ چھوٹی عمر میں وہ آپ کی صحبت میں رہے اور آپ پر اپنا بہت مال خرچ کیا، اپنی سواری پر انہیں سفر ہجرت میں مدینہ طیبہ لے کر گئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہمیشہ ان پر اپنا مال خرچ کرتے رہے، اپنی صاحبزادی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے حبالۂ عقد میں دی اور سفر وحضر میں آپ کی خدمت میں رہے اور جب انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین اہلیہ کے حجرہ میں دفن ہوئے۔ (خصائص العشرۃ الکرام البررۃ: ص ۴۱)

اسی سلسلہ میں سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات غزوات کیے۔ جن فوجوں کو آپ نے روانہ کیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کے ساتھ تشریف نہیں لے گئے، ایسی نو فوجوں میں میں گیا۔ کبھی ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمارے امیر ہوتے اور کبھی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ۔ (بخاری، رقم: ۴۲۷۰)

مختصر یہ کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں آپ کے ہر غزوہ میں شرکت فرمائی اور بعض سرایا میں بھی آپ کی شرکت کے بارے میں کتابوں سے پتہ چلتا ہے۔

## غزوہ بدر اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ:

مدینہ میں اسلامی ریاست قائم ہونے کے ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سرپرستی میں چھوٹے چھوٹے لشکر مختلف قبائل کی طرف بھیجے اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ پھر سنہ ۲ ھ میں جنگ بدر ہوئی جس کو قرآن حکیم نے ''یوم الفرقان'' کہا ہے۔ اس میں مسلمانوں کے لشکر کی سب سے زیادہ تعداد تھی یعنی ۳۱۳۔ ان میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے حضرات بھی موجود تھے کیونکہ لشکر کے قائد خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

۱۲ رمضان المبارک سنہ ۲ ھ بروز اتوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور جمعہ کے روز غزوہ بدر کا واقعہ پیش آیا یعنی چار پانچ دن ہی میں آپ نے قریباً ۸۰ میل کی مسافت طے کی تاکہ اس تجارتی قافلے کا مال ضبط کر کے قریش مکہ کو ناقابل تلافی معاشی نقصان

پہنچایا جا سکے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ مدینہ سے جنگ کے لیے نہیں نکلے بلکہ قافلہ کے تعاقب میں اتنی تیز رفتاری سے آئے تھے۔

قریش مکہ کو پتہ چلا کہ ان کے قافلہ پر حملہ کرنے کے لیے مسلمانوں کا لشکر مدینہ سے نکلا ہے تو وہ بھی ایک لشکر لے کر مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ جنگ کے لیے نکلے۔ مسلمانوں کو یہ خبریں آنا شروع ہو گئیں کہ قریش مکہ ایک لشکر جرار لے کر آ رہے ہیں۔ اس خبر نے ایک نازک صورت حال پیدا کر دی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ساتھی قریباً غیر مسلح تھے۔ نہ ان کے پاس گھوڑے تھے اور نہ تلواریں۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! ہم آپ کے ہر حکم کی اطاعت کے لیے دل و جان سے حاضر ہیں۔ (بخاری، رقم: ۳۹۵۲)

اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر اظہار جاں نثاری کیا۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۴۴۷)

بخاری کی روایت میں ہے کہ سیدنا مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

''اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس بات کا حکم فرمایا ہے آپ اس کو پورا کیجیے۔ ہم دل و جان سے آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم وہ نہیں کہیں گے جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا تھا کہ تم اور تمہارا رب دونوں جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں بلکہ ہم اس کے برعکس یہی کہیں گے کہ آپ اور آپ کا پروردگار جہاد و قتال کے لیے کہے تو ہم بھی آپ کی معیت میں جہاد و قتال کریں گے۔ ہم تو آپ کی داہنی جانب بھی لڑیں گے اور بائیں جانب بھی اور آپ کے آگے بھی اور پیچھے بھی۔''

(زرقانی: ۱/۴۱۲، بخاری: ۱/۵۶۴، فتح الباری: ۷/۲۷۳، عیون الاثر: ۱/ ۳۸۵، البدایہ والنہایہ: ۱/۴۱۲، ابن ہشام: ۱/۶۰۳)

سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی اور مسرت سے چمک اٹھا۔ ان کے علاوہ انصار کے رئیس سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے بھی کچھ اسی قسم کے جذبات کا اظہار فرمایا۔ (زرقانی: ۱/۴۱۳، عیون الاثر: ۱/ ۳۸۶، البدایہ والنہایہ: ۳/۳۶۴)

مہاجرین و انصار کے نمائندوں کے بیانات سے جبین نبوت نور مسرت سے چمک اٹھی اور ارشاد فرمایا: ''مجھے بشارت دی گئی ہے کہ دو جماعتوں میں سے ایک کی کامیابی یقینی ہے مجھے یقین ہے کہ وہ جماعت یہی ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ قریش کے بڑے بڑے سردار جو

چڑھ کر آ رہے ہیں، یہیں ڈھیر ہوں گے اور مجھے ان کے پچھاڑے جانے کی جگہیں بھی دکھلا دی گئی ہیں۔ (زرقانی: ۱/ ۴۱۴، عیون الاثر: ۱/ ۳۸۶، البدایہ والنہایہ: ۳/ ۲۶۴)

سرکار دو عالم ﷺ میدان بدر میں پہنچتے ہی اپنے رفیق غار سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر خود دشمن کی معلومات کی فراہمی کے لیے نکل پڑے۔ آپ ابھی دور ہی سے قریش کے کیمپ کا جائزہ لے رہے تھے کہ ایک بوڑھا آپ کو مل گیا۔ آپ ﷺ نے اس سے قریش کے لشکر اور محمد ﷺ اور ان کے رفقاء کے بارے میں دریافت فرمایا۔ دونوں لشکروں کے بارے میں پوچھنے کا مقصد یہ تھا تاکہ آپ کی شخصیت کا اس بوڑھے پر انکشاف نہ ہو۔ بوڑھے نے جواب دیا کہ جب تک آپ یہ نہیں بتائیں گے کہ آپ کا کس قوم سے تعلق ہے، میں آپ کے سوال کا ہرگز جواب نہیں دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم ہمیں ہمارے سوال کا جواب بتا دو گے ہم بھی بتا دیں گے کہ ہمارا کس قوم سے تعلق ہے۔ اس نے کہا: مجھے پتہ چلا ہے کہ محمد ﷺ اور ان کے رفقاء فلاں فلاں روز مدینہ سے نکلے ہیں۔ اگر میری یہ بات درست ہے تو آج وہ فلاں جگہ ہوں گے اور ٹھیک اسی جگہ کی نشان دہی کی جہاں اس وقت مسلمانوں کا لشکر تھا۔ وہ بوڑھا پھر بولا: ''مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ قریش کا لشکر مکہ سے فلاں روز نکلا ہے۔ اگر مجھے خبر دینے والے نے صحیح خبر دی ہے تو وہ آج فلاں جگہ ہوں گے، اور اس نے ٹھیک اسی جگہ کا نام لیا جہاں اس وقت قریش کا لشکر تھا۔ جب بوڑھا اپنی بات ختم کر چکا تو اس نے آپ ﷺ سے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''تم دونوں کس سے ہو؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہم دونوں پانی سے ہیں۔'' (سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۲۲۸)

شروع میں مبارزت ہوئی۔ عتبہ، شیبہ پسران ربیعہ اور عقبہ کا بیٹا ولید سب سے پہلے میدان میں آئے اور دعوت مبارزت دی۔ مسلمان مجاہدین (سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ) نے پہلے ہی حملہ ان تینوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بڑے بیٹے عبدالرحمن اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور اس وجہ سے مکہ ہی میں رہ گئے تھے، بدر میں وہ بھی قریش کے لشکر کے ایک سپاہی کی حیثیت سے آئے تھے، انہوں نے بھی میدان میں بڑھ کر دعوت مبارزت دی۔ اس کے جواب میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خود تلوار لے کر مقابلہ کے لیے نکلے، لیکن سرکار دو عالم ﷺ کو یہ گوارا نہ ہوا۔ چنانچہ آپ نے فوراً سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو روکا اور فرمایا: ''متعنی بنفسك'' تم مجھے اپنی ذات متمتع ہونے دو۔''

(اسد الغابہ: ۳/ ۳۰۵)

یہ ایک عجیب منظر تھا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے سگے بیٹے کے مقابلہ میں نکلے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو عجیب انداز میں بیٹے کے مقابلہ سے روکا۔ اگر آپ یہ کہہ کر روکتے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ بیٹے کے مقابلہ میں نہ جاؤ تو ہوسکتا تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نہ رکتے، اور اگر رکتے بھی تو بددلی کے ساتھ، لہٰذا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت لطیف انداز میں انہیں روکا کہ ابوبکر! تم کہاں جارہے ہو؟ تم میرے پاس رہو اور اپنی ذات سے مجھے فائدہ پہنچاتے رہو۔

مسلمانوں نے ایک چبوترہ آپ کے لیے بنایا جس کو ''العریش'' کہتے تھے۔ وہاں رسول اللہ کے ساتھ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت انصار کے چند نوجوان ان دونوں کی حفاظت کے لیے متعین تھے۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۲/۲۳۳)

لوگوں سے ایک مرتبہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''اے لوگو! بتاؤ سب سے بہادر شخص کون ہے؟ لوگوں نے کہا: ''امیر المومنین! آپ سب سے بہادر ہیں۔'' فرمایا: نہیں میں نہیں بلکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ''العریش'' بنایا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کون وہاں رہے گا تاکہ کوئی مشرک آپ پر حملہ آور نہ ہوسکے۔'' خدا کی قسم! سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کوئی آگے نہ بڑھا، یہ مشرکین سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے تلوار لے کر آپ کے سر پر کھڑے تھے، لہٰذا یہ سب سے بہادر شخص ہیں۔'' (البدایہ والنہایہ: ۳/۲۷۱)

مسند بزار میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس روز سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تلوار نیام سے باہر نکالے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہرہ دے رہے تھے۔ جو کوئی آپ کی طرف بڑھتا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس پر پل پڑتے۔

اس غزوہ میں بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے مطابق آپ دشمن سے بہت زیادہ قریب تھے اور ہم سب کی پناہ بنے ہوئے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے برابر تھے۔ دشمن نرغہ کرتا تو ہم آپ کی پناہ لے لیتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ: ۳/۲۷۹)

روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صف بندی کی اور پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ عریش پر واپس تشریف لے گئے اور سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ عریش کے باہر چند انصاری نوجوانوں کے ساتھ ان دونوں حضرات کی حفاظت کے لیے تلوار سونت کر کھڑے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز ادا فرمائی اور دعا میں مشغول ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت تضرع و ابتہال سے لشکر اسلام کی فتح و نصرت کے لیے دعائیں فرماتے رہے۔ سیدنا

عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میدان بدر میں جب زور کا رن پڑا تو آپ عریش پر تشریف لے گئے اور قبلہ رو ہو کر بارگاہِ الٰہی میں یوں گویا ہوئے:

((اللھم ابخزلی مادعوتنی، اللھم ان تھلك ھذہ العصابة من اھل الاسلام فلا تعبد فی الارض ابداً))

''اے اللہ! تو نے جو وعدہ فرمایا ہے اس کو پورا فرما، اے اللہ! اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر کبھی بھی زمین پر تیری عبادت نہ ہوگی۔''

آپ دیر تک ہاتھ اور دامن پھیلاتے ہوئے یہی دعا فرماتے رہے۔ آپ اتنی محویت کے ساتھ یہ دعا فرما رہے تھے کہ چادر دوش مبارک سے گر گر پڑتی تھی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رداء مبارک دوش مبارک پر ڈالتے ہوئے آپ کی کمر سے لپٹ گئے اور عرض کی:

''اے اللہ کے رسول! بس کافی ہے، آپ نے اللہ کے حضور بہت الحاح وزاری کی۔''

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نہایت بے تابی اور اضطراب سے دامن پھیلا کر اور نمناک آنکھوں کے ساتھ دست بہ دعا تھے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کا جلال آپ کی نظروں میں تھا۔ آپ اس حالت کو دیکھ کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یقین ہو گیا کہ آپ کی دعا مستجاب ہوگئی ہے۔

مسلم کی روایت میں ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! بس اللہ تعالیٰ سے آپ کا یہ سوال کافی ہے۔ وہ آپ سے کیے گئے وعدے کو ضرور پورا کرے گا۔ ادھر اللہ نے فرشتوں سے فرمایا:

''میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم اہل ایمان کے قدم جماؤ، میں کافروں کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دوں گا۔''

پھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی بھیجی:

''اس وقت کو یاد کرو جب تم اللہ سے فریاد کر رہے تھے۔ پس اللہ نے تمہاری دعا قبول کر لی کہ میں تمہاری ایک ہزار فرشتوں سے مدد کروں گا جو پے در پے آنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس امداد کو تمہاری بشارت بنا لیا تاکہ تمہارا دل مطمئن ہو جائے۔ مدد درحقیقت اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔''

(زرقانی: ۴۲۱/۱، فتح الباری: ۲۷۵/۷، مسلم، رقم: ۱۷۶۳، بخاری، رقم: ۳۹۵۳)

ایک روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ پر کچھ غنودگی طاری ہوگئی۔ پھر آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا: ''ابو بکر! خوش ہو جاؤ، یہ جبرئیل امین گرد و غبار میں اٹے ہوئے ہیں۔

اب سیدنا الانبیاء ﷺ کی ہمت بے پناہ تھی کیونکہ آپ کو یقین ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کا رابطہ اپنے رب سے بہت مضبوط ہے۔ پھر آپ عریش سے باہر تشریف لائے اس حالت میں کہ زرہ جسم مبارک پر ڈھلک رہی تھی اور تلوار آپ حمائل کیے ہوئے تھے۔

(سیرۃ حلبیہ: ۲/۱۶۵)

آپ کی زبان مبارک پر وہی آیت جاری تھی جو چند سال قبل مکہ میں نازل ہو چکی تھی۔

﴿سیهزم الجمع ویولون الدبر﴾

''عنقریب کافروں کی یہ جماعت شکست کھائے گی اور پشت پھیر کر بھاگے گی۔''

(زرقانی: ۱/۴۱۹، فتح الباری: ۷/۲۴۲، البدایہ والنہایہ: ۳/ ۴۲۸، ابن ہشام: ۲/ ۴۵۷، تاریخ الدعوۃ الاسلامیہ: ص ۱۲۵)

## اسیران جنگ اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ:

دشمن کو شکست فاش ہوئی اور جنگ میں ستر قیدی مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ مدینہ پہنچ کر آپ نے ان قیدیوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرما دیا اور فرمایا کہ ان قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔ (زرقانی: ۱/۴۳۱)

آپ ﷺ کے اس ارشاد پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس طرح عمل کیا کہ دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ چند روز کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ ان قیدیوں کے بارے میں کیا کرنا چاہیے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا: ''یا رسول اللہ! یہ لوگ اپنے خاندان اور قبیلے کے لوگ ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ آگے چل کر یہ حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں اور پھر یہی لوگ کافروں کے مقابلہ میں ہمارے معین و مددگار ہوں۔ اس لیے میری رائے یہ ہے کہ انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ اس طرح ان کے ساتھ حسن سلوک بھی ہو گا اور ہمیں اپنی اقتصادی حالت کی بہتری کے لیے رقم بھی مل جائے گی۔ (مسند احمد: ۳/۲۴۳، مجمع الزوائد: ۶/ ۸۷)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس رائے کے بعد سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! واللہ! میری وہ رائے نہیں ہے جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ یہ لوگ اساطین کفر ہیں۔ ان کی تمام کوششیں اسلام کے خلاف رہی ہیں لہٰذا ان کو ختم کر دینا چاہیے تا کہ کفر کا زور ٹوٹ جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"یا رسول الله! كذبوك واخرجوك وقاتلوك، فاضرب اعناقهم."

(ترمذی: ۱۳۴/۲، ۲۰۴/۱)

"اے اللہ کے رسول! ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا، آپ کو آپ کے وطن سے نکالا اور آپ سے جنگ کی، پس ان کی گردنیں مارنے کا حکم فرمایئے۔"

یہ بھی عرض کیا کہ ان لوگوں کو قتل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے عزیز کو خود قتل کرے۔ علی رضی اللہ عنہ فرمائیں کہ وہ اپنے بھائی عقیل کو قتل کریں اور مجھے اجازت دیں کہ اپنے عزیزوں کو خود قتل کروں۔ کیونکہ یہ لوگ صنادید کفر ہیں۔ اس سے بھی واضح ہو جائے گا کہ ہمارے دلوں میں جس طرح شرک کے لیے بیزاری کے جذبات ہیں اسی طرح مشرکین کے لیے بھی کوئی نرم گوشہ نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے جذبات کی تحسین فرمائی لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تجویز پسند آئی۔ چنانچہ آپ نے قیدیوں سے فدیہ لینا پسند فرمایا۔ حدیث میں ہے کہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرما ہی رہے تھے کہ جبرئیل امین نازل ہوئے کہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قتل اور فدیہ کا اختیار دے دیں۔

ایک روایت میں ہے کہ جبرئیل امین نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی:

"یا رسول اللہ! بدر کے قیدیوں کے بارے میں آپ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اختیار دیں، چاہے انہیں قتل کر دیں اور چاہے فدیہ لے کر چھوڑ دیں لیکن شرط یہ ہے کہ آئندہ سال تم میں سے اتنے ہی آدمی قتل کیے جائیں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قریش سے فدیہ لیا اور آئندہ سال اپنے قتل ہونے کو اختیار کیا۔ (فتح الباری: ۲۴۹/۷، زرقانی: ۴۴۲/۱، طبقات ابن سعد: ۱۴/۲)

مختصر یہ کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے اور ان کے ہم نوا دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ نے پسند فرماتے ہوئے فدیہ لینے کا فیصلہ تو کر لیا اور حکم بھی صادر فرما دیا، لیکن بارگاہ خداوندی سے عتاب نازل ہوا۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگلے روز میں صبح ہی صبح سرکار

دو عالم ﷺ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ وہ دونوں رو رہے ہیں۔ میں نے آپ ﷺ سے رونے کی وجہ دریافت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فدیہ قبول کرنے کی وجہ سے تمہارے اصحاب پر جو شے پیش کی گئی ہے اس کی وجہ سے رو رہا ہوں۔ اور آپ ﷺ نے ایک قریبی درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''مجھ پر ان کا عذاب اس درخت سے بھی زیادہ قریب پیش کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال کی آیت ۶۷۔۶۸ نازل فرمائی۔

مسلم کی حدیث کے مطابق عذاب صرف دکھلا دیا گیا اتارا نہیں گیا کیونکہ حق تعالیٰ شانہ کا مقصود صرف تنبیہ تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر اس وقت عذاب آتا تو سوائے عمر رضی اللہ عنہ کے اور کوئی نہ بچتا، اور ایک روایت میں سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا نام بھی ہے۔

(زرقانی: ۱/۴۴۱، مسند احمد: ۱/۳۷۳، تفسیر ابن کثیر: ۲/۳۲۵، ابوبکر صدیق، محمد مال اللہ: ص ۳۳۵)

## غزوۂ احد اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ:

غزوہ بدر میں قریش مکہ کو مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کی صورت میں جو صدمہ اٹھانا پڑا غزوہ احد اس کی ایک صدائے بازگشت تھی۔ بدر کے چرکے کا زخم کسی طور پر ان کے دلوں سے محو نہیں ہو رہا تھا۔ ان کے سینے غیظ و غضب سے کھول رہے تھے اور ان کی شدت غم میں کوئی افاقہ نہیں ہوا تھا۔ قریش مکہ نے اب کی بار پوری تیاری کر کے مدینہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس کو اتنی راز داری سے رکھا کہ مدینہ کی ریاست کے خفیہ اطلاعاتی نظام کو بھی اس بارے میں بالکل خبر نہ ہوئی۔ مکہ میں عباس بن عبدالمطلب اس ساری نقل و حرکت پر پوری چابک دستی اور گہرائی سے نظر رکھے ہوئے تھے۔ لہٰذا اس لشکر کے مکہ سے نکلنے کے ساتھ ہی انہوں نے ایک قاصد کے ذریعہ سرکار دو عالم ﷺ کو اطلاع دے دی۔ (طبقات ابن سعد: ۲/۲۵)

۶ شوال سنہ ۳ھ بروز جمعہ آپ نے فوج کی ہائی کمان کی مجلس شوریٰ منعقد فرمائی جس نے یہ فیصلہ کیا کہ مدینہ سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ نماز جمعہ کے بعد سرور کائنات ﷺ اپنے راحت کدہ پر تشریف لے گئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دونوں آپ کے ساتھ تھے۔ ان دونوں نے وہاں آپ کو عمامہ بندھوایا اور پوشاک زیب تن کروائی۔ پھر دو زرہیں پہنیں۔ پشت مبارک کو چمڑے کے پٹکے سے کسا اور لوگوں کے سامنے اس حالت

میں تشریف لائے کہ گردن کے ایک طرف تلوار کا پرتلہ تھا اور دوسری طرف کمان اور دست مبارک میں نیزہ۔ (سیرۃ حلبیہ: ۲/ ۱۴، طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۷)

جنگ احد میں پہلے تو مسلمانوں کی خارا شگاف تلواریں دشمن کے سینے چاٹ رہی تھیں۔ مسلمانوں کی بے پناہ یلغار سے دشمن کی صفوں میں بھگدڑ مچ گئی اور دشمن بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔ اس مرحلہ میں پہاڑی پر متعین تیر اندازوں نے ایک خوفناک غلطی کی جس کی وجہ سے کافروں نے مسلمانوں کے عقب پر حملہ کر دیا جس سے مسلمانوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ اس بھگدڑ میں سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد یمان رضی اللہ عنہ خود مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ اس طرح مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد شہید ہو گئی۔ اسلامی فوج کے بڑے بڑے نبرد آزماؤں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مسلمانوں کی تلواریں بجائے دشمن پر پڑنے کے ایک دوسرے پر پڑ رہی تھیں۔ ایک عجیب افراتفری کا عالم تھا۔ دشمن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا محاصرہ کر کے آپ کو شہید کرنا چاہتے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وقت بھی آپ کے ساتھ تھے۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آنے والے تیروں کو اپنے سینہ پر لے رہے تھے۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جب بھی جنگ احد کا تذکرہ فرماتے تو کہتے یہ جنگ ساری کی ساری طلحہ رضی اللہ عنہ کی تھی۔ (**كان ذالك اليوم كله لطلحة**) (منحۃ المعبود: ۲/ ۱۹، تاریخ الدعوۃ الاسلامیہ: ص ۱۳۰، فتح الباری: ۷/ ۲۷۸)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قریش کے اس ناگہانی حملہ کے باعث مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد سے منتشر ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صفوں کو چیرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے والے سب سے پہلے شخص تھے، اور آن ہی آن میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ، سیدنا ابودجانہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وغیرہ جمع ہو گئے اور قریش کے حملہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنے لگے۔

(مواقف الصدیق مع النبی فی المدینہ، عاطف لماضہ: ۲۷)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص دشمنوں پر اپنی تلوار کے جوہر دکھلا رہا تھا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کھسک رہا تھا۔ میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ گیا تھا لیکن یہ صاحب میرے بعد پہنچے۔ میں نے پہچانا تو وہ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے جو دشمنوں کو آپ کی ذات اقدس سے ہٹا رہے تھے۔ (**رضی الله عنه وارضاء**)

ابن حبان نے اپنی صحیح میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان نقل کیا ہے کہ ان کے والد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ احد کے روز مخالفین کے سوا تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ پر چھوڑ کر اگلی صفوں میں چلے گئے تھے۔ پھر گھراؤ کے حادثہ کے بعد سب سے پہلا شخص میں تھا جو آپ کے پاس پلٹ کر آیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ کے سامنے صرف ایک آدمی تھا جو آپ کی مدافعت میں اپنی جان سے کھیل رہا تھا۔ میں نے کہا: ''تم طلحہ رضی اللہ عنہ ہو، میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں؟'' اتنے میں ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بھی میرے پاس پہنچ گئے۔ وہ اس طرح دوڑ رہے تھے گویا چڑیا، اڑ رہی ہے۔ اب ہم دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑے، دیکھا کہ طلحہ رضی اللہ عنہ آپ کے سامنے سینہ سپر ہیں۔ آپ نے ہمیں دیکھ کر فرمایا: ''اپنے بھائی کو سنبھالو۔ اس نے اپنے لیے جنت واجب کر لی ہے۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم پہنچے تو آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہو چکا تھا اور خود کی دو کڑیاں آنکھ کے نیچے رخسار میں دھنس چکی تھیں جو سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دانتوں سے نکالیں جس سے ان کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ پھر ہم طلحہ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں سنبھالا۔ (زاد المعاد لابن قیم: ۲/ ۹۵)

قریش کے لشکر نے جب واپسی کی تیاری کر لی تو ابوسفیان نے پہاڑ پر چڑھ کر آواز دی: ''کیا تم لوگوں میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) موجود ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی اس آواز کا جواب نہ دے۔'' جب کوئی جواب نہ آیا تو اس نے پھر یہ آواز دی: ''کیا تم میں ابن ابی قحافہ (ابوبکر رضی اللہ عنہ) موجود ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا کہ کوئی اس کا جواب نہ دے۔'' جب کوئی جواب نہ آیا تو اس نے پھر یہ آواز دی: ''کیا تم میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ موجود ہیں؟'' آپ نے اس کا جواب دینے سے بھی روک دیا۔ جب کوئی جواب نہ آیا تو ابوسفیان نے اپنے ساتھیوں سے خوش ہو کر کہا: ''یہ سب قتل ہو گئے ہیں اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔ فکر کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اب دین اسلام اور مسلمان ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ گویا مشرکین کا سردار اور زعیم ابوسفیان بھی یہ سمجھتا تھا کہ دین اسلام کی اساس اور بنیاد یہ تین شخصیات ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بخاری: ۲/ ۵۷۹، فتح الباری: ۶/ ۱۸۸، ۷/ ۴۰۵، زرقانی: ۲/ ۳۷، زاد المعاد: ۲/ ۹۴، سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۹۳، عیون الاثر: ۲/ ۲۹، مواقف الصدیق مع النبی فی المدینہ، عاطف لماضہ: ص ۴۸)

مسلمانوں کو جب پتہ چل گیا کہ سرکار دو عالم ﷺ زندہ ہیں تو ان کی ہمتیں جوان ہو گئیں اور مسلمانوں کا لشکر ایک دفعہ پھر منظم ہونا شروع ہو گیا۔ گویا خالد بن ولید کی عسکری عبقریت رسول اللہ ﷺ کی عسکری عبقریت کے سامنے ناکام ہو گئی۔ (**فشلت عبقرية خالد امام عبقرته رسول الله صلى الله عليه وسلم**) قریش کو جب بھاگتے دیکھا تو سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: "ان کا تعاقب کون کرے گا۔ اس کے لیے ستر (۷۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے نام پیش کیے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ناموں کی تصریح کی ہے۔ (بخاری: ۲ ۵۸۴، مسلم، رقم: ۲۴۱۸)

ایک روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس ہی رکھتے تھے، ان کو مختلف علاقوں میں نہیں بھیجتے تھے۔ جب بعض لوگوں نے آپ سے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں ان دونوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ دین کے کان اور آنکھیں ہیں۔ (مستدرک حاکم: ۳/ ۷۴)

## غزوہ بنی مصطلق:

غزوہ بنو مصطلق کا دوسرا نام غزوہ مریسع ہے۔ بنو مصطلق ایک قبیلہ کا نام ہے جو خزاعہ کی ایک شاخ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ بنو مصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے اپنے قبیلے اور کچھ دوسرے عربوں کی فوج جمع کر رہا ہے۔ آپ ﷺ نے تحقیق حال کے لیے سیدنا بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انہوں نے واپس آ کر خبر کے صحیح ہونے کی تصدیق کی۔ آپ ﷺ نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ایک دوسری روایت کے مطابق سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ شعبان سنہ ۵ ھ کو بنو مصطلق کی طرف روانہ ہو گئے۔

(زرقانی: ۲/ ۹۶، طبقات ابن سعد: ۲/ ۴۵، سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۲۸۹، عیون الاثر: ۲/ ۱۳۴)

بخاری کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیز رفتاری کے ساتھ بنو مصطلق پر اس وقت حملہ کیا جب وہ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے۔ (بخاری: ۱/ ۳۴۵)

اس غزوہ میں مہاجرین کے علم بردار سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ جب کہ انصار کا پرچم سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ آپ نے غنیم پر یک بارگی حملہ کیا۔ غنیم حملہ کی تاب نہ لا سکا اور

میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ غنیم کے دس آدمی مارے گئے اور مسلمانوں کا ایک آدمی شہید ہوا اور وہ بھی غلطی سے مسلمانوں ہی کے ہاتھوں سے۔ آپ ﷺ نے اس کا خون بہا ادا کر دیا۔ اس غزوہ میں قریباً چھ سو قیدی ہاتھ آئے جن میں سو کے قریب عورتیں تھیں۔ دو ہزار اونٹ اور پانچ بکریاں مسلمانوں کو غنیمت کے طور پر ملیں۔ قیدیوں میں بنو مصطلق کے رئیس حارث کی بیٹی جویریہ بھی تھیں جن سے بعد میں آپ نے نکاح فرمالیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب اس نکاح کا پتہ چلا تو انہوں نے تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے جویریہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی عورت کو اپنی قوم کے حق میں بابرکت نہیں دیکھا کہ جس کی وجہ سے ایک روز میں سو گھرانے آزاد ہوئے ہوں۔

(ابوداؤد: ۲/۱۹۲، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیرۃ ابن ہشام: ۲/۲۸۹، عیون الاثر: ۲/۱۳۶، زادالمعاد: ۲/۱۱۲، البدایہ والنہایہ: ۴/۱۵۷)

## غزوہ احزاب اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ:

یہ غزوہ شوال سنہ ۵ھ میں پیش آیا۔ اصحاب السیر کی اکثریت اس پر متفق ہے۔
(زرقانی: ۲/۱۰۳، فتح الباری: ۷/۳۰۲)

مشرکین اور یہود نے مشترکہ طور پر مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کے خلاف ایک پلاننگ کی اور دس ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر جرار تیار کیا اور اس طرح ایک متحدہ محاذ بنا کر مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ لیکن مدینہ منورہ کی بیدار مغز اور چوکس قیادت اس پلاننگ سے غافل نہ تھی۔ اس کی انگلیاں ہمیشہ حالات کی نبض پر رہتی تھیں۔ جب انہیں اس لشکر کی حرکت کے بارے میں اطلاع ملی تو رسول اللہ ﷺ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور مدینہ کی ہائی کمان کی مجلس مشاورت طلب فرمائی فیصلہ مدینہ طیبہ کے اردگرد خندق کھودنے کا ہوا۔ آپ ﷺ نے خندق کی حدود خود قائم فرمائیں اور دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم فرما دی۔ خندق اس قدر گہری کھودی گئی کہ نیچے سے تری نکل آئی، اور اتنی جلدی کھودی گئی کہ چھ روز میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خندق کھود کے فارغ ہو گئے۔ (فتح الباری: ۷/۳۰۵، طبقات ابن سعد: ۲/۴۸)

بعض حضرات نے خندق کھودنے کی مدت بیس روز لکھی ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ بیس رروز مدت محاصرہ ہے۔ (زرقانی: ۲/۱۱۰)

اس طرح خندق کھود کر آپ شہر بند ہو گئے۔ اتحادی فوجوں نے آ کر مدینہ کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ میں دو ہفتے گزر گئے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خندق کی کھدائی میں بھی دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ایک اہم کردار ادا کیا۔ خندق کی اس کھدائی نے مسلمانوں کا بڑا دفاع کیا کیونکہ اتحادی فوجوں کے لیے خندق کا پار کرنا بہت مشکل تھا۔ ایک دو بار انہوں نے کوشش بھی لیکن ناکام رہے۔ خندق کے مختلف مقامات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے مختلف دستے متعین کر رکھے تھے جو مشرکین کو خندق پار کرنے سے روکتے۔ ایسے ہی ایک دستہ کی کمان سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سپرد بھی تھی۔ جس مقام پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے دستے کے ساتھ متعین تھے، اس جگہ اس واقعہ کی یادگار کے طور پر اب ایک مسجد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نام سے تعمیر ہے۔

(ازالۃ الخفاء: ۲: ۱۳، موقف الصدیق مع النبی فی المدینۃ: ص ۳۲)

محاصرہ کی شدت سے مسلمان بھی سخت پریشان تھے۔ آخر ایک روز انہوں نے بارگاہ رسالت میں دعا کی درخواست کی۔ آپ نے انہیں یہ دعا مانگنے کے لیے فرمایا:

((اللھم استر عوراتنا وآمن روعاتنا))

''اے اللہ! ہمارے عیبوں کی پردہ پوشی فرما اور ہمیں خطرات سے محفوظ فرما۔''

(فتح الباری: ۷/ ۳۰۹، زرقانی: ۲/ ۱۲۱)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد احزاب میں زوال کے بعد کھڑے ہو کر خود بھی یہ دعا مانگی:

**((اللھم منزل الکتاب، سریع الحساب، وھازم الاحزاب، اھزمھم وانصر علیھم))**

''اے اللہ! کتاب کے نازل کرنے والے، جلد حساب لینے والے، ان لشکروں کو شکست دینے والے، انہیں شکست دے اور ہمیں ان پر نصرت عطا فرما۔''

(بخاری: ۲/ ۵۹۰، زرقانی: ۲/ ۱۲۰)

اللہ تعالیٰ نے یہ سب دعائیں سن لیں اور ایک تند و تیز ہوا کا طوفان بھیج دیا۔ جس سے ان کے تمام خیمے اکھڑ گئے، رسیاں اور طنابیں ٹوٹ گئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ طوفان دیکھ کر اتحادی فوجیں محاصرہ چھوڑ کر بھاگ گئیں اور مسلمان جب صبح اٹھے تو میدان صاف تھا۔ اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔

اعزہ جندہ و نصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ. (بخاری:۲/۵۹۰)

''اپنے لشکر کو عزت بخشی، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور اکیلے ہی نے سارے لشکروں کو شکست دے دی۔''

اس غزوہ کے بعد آپ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا:

((الآن نغزوھم ولا یغزوننا نحن نسیر الیھم))(بخاری:۲/۵۹۰)

''اب ہم ان پر حملہ آور ہوں گے اور یہ ہم پر حملہ آور نہیں ہوسکیں گے اب ہم ان پر حملہ کے لیے جائیں گے۔''

## معاہدہ حدیبیہ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ:

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو مکہ مکرمہ سے گئے ہوئے چھ سال گزر گئے تھے۔ ان چھ سالوں میں وہ دشمن کی جارحیت کی وجہ سے مسلسل جنگوں میں مصروف رہے۔ ان چھ سالوں میں وہ حج اور عمرہ کے دینی فریضہ کی ادائیگی سے قاصر رہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کو ایک روز یہ خواب دکھلایا گیا کہ آپ ﷺ اور آپ کے ساتھی مسجد حرام میں امن کے ساتھ داخل ہوئے۔ آپ نے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور عمرہ کیا۔ پھر بعض نے سر کے بال منڈائے اور بعض نے کتروائے۔ جونہی سرکار دو عالم ﷺ نے اپنا یہ خواب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سنایا۔ ان کے دل بلیوں اچھلنے لگے اور شوق و محبت کی جو چنگاری صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں دبی ہوئی تھی وہ بھڑک اٹھی اور انہوں نے فوری طور پر سفر کعبہ کی تیاری شروع کر دی کیونکہ اس خواب سے وہ سمجھے کہ مکہ مکرمہ میں داخلہ اسی سال نصیب ہوگا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شوق کو دیکھ کر یکم ذی قعدہ سنہ ۶ ھ اتوار کے روز رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ کا قصد فرمایا۔ اس سفر میں سیدہ ام سلمیٰ آپ کے ہمراہ تھیں۔

(زرقانی:۲/۱۰۸، فتح الباری:۵/۲۴۶، طبقات ابن سعد:۲/۶۹، عیون الاثر:۲/۱۶۰)

جب آپ عسفان کے قریب پہنچے تو آپ کو پتہ چلا کہ قریش آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ یہ اطلاع ملتے ہی آپ ﷺ نے فرمایا:

''قریش پر افسوس، وہ جنگوں میں تباہ ہو چکے ہیں لیکن پھر بھی انہیں عقل نہیں آئی۔''

آپ اس بارے میں کچھ فکر مند تھے کیونکہ آپ جنگ کے لیے نہیں بلکہ عمرہ کے لیے

آئے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''اللہ اور اس کا رسول اس بارے میں بہتر جانتے ہیں، لیکن ہم تو صرف عمرہ ادا کرنے کے لیے آئے ہیں کسی سے جنگ کرنے نہیں آئے، البتہ جو ہمیں بیت اللہ جانے سے روکے گا اس سے ضرور جنگ کریں گے۔'' یہ سن کر آپ نے فرمایا: ''تب چلو، اور آپ نے سفر جاری رکھا اور اپنا راستہ بدل دیا اور حدیبیہ میں قیام فرمایا۔ قریش کی خواہش تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کیے بغیر واپس چلے جائیں۔ اس کے لیے انہوں نے بدیل بن ورقاء خزاعی کو چند آدمیوں کے ساتھ آپ سے بات چیت کرنے کے لیے بھیجا لیکن بات چیت ناکام رہی۔ پھر حلیس بن علقمہ آئے لیکن ان کی بات چیت بھی نتیجہ خیز نہ رہی۔ اب قریش نے عروہ بن مسعود ثقفی کو بھیجا۔ یہ ان کی نگاہ میں نہایت دانشور اور ذہین تھے۔ عروہ نے آپ سے کہا: ''میں دیکھتا ہوں کہ یہ جو مختلف قوموں اور قبائل کے ملے جلے لوگ آپ کے ساتھ ہیں، وہ آپ کو چھوڑ کر فرار ہو جائیں گے۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی رگ حمیت فوراً پھڑکی۔ انہوں نے غصہ میں آ کر کہا حالانکہ آپ بڑے حلیم و بردبار تھے، ''جا! لات کی شرم گاہ چوس، کیا ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر چلے جائیں گے۔'' عروہ نے پوچھا: ''یہ کون صاحب ہیں؟'' لوگوں نے کہا: ''یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔'' اس نے کہا: ''خدا کی قسم! اگر ان کا مجھ پر احسان نہ ہوتا جس کا اب تک میں بدلہ نہیں دے سکا تو ان کی اس بات کا ضرور جواب دیتا۔''

(بخاری: ۱/ ۳۷۸، تاریخ الدعوۃ الی الاسلام: ص ۱۳۶)

عروہ کی اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عظیم احسان تھا اس سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہر ایک پر احسان کرنے والے تھے خواہ وہ غلام ہو یا آقا کیونکہ عروہ ایک معقول اور رئیس آدمی تھا لیکن وہ بھی آپ کا زیر بار احسان تھا۔ عروہ کی گفتگو بھی کامیابی سے ہم کنار نہ ہوئی۔

آخر قریش نے سہیل بن عمرو کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صلح کی تجاویز دے کر بھیجا۔ چنانچہ فریقین میں چند شرائط کے ساتھ صلح ہو گئی۔ صلح نامہ کے کاتب سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے اور مسلمانوں کی طرف سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے دستخط کیے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معاہدہ کی شرائط سے خوش نہ تھے کیونکہ ظاہری طور پر یہ

قریش کے حق میں تھیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس بارے میں سخت پریشان تھے۔ وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے کچھ سوالات کیے لیکن آپ کی پریشانی دور نہ ہوئی۔ پھر وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے بھی یہی گفتگو کی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی وہی جواب دیئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے تھے۔ اس سے پتہ چلا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کی تمام شرائط بالکل درست اور صحیح سمجھتے تھے اور آپ نے پوری زندگی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول اور عمل سے اختلاف نہیں کیا بلکہ اختلاف کا خیال بھی دل میں نہیں لائے۔ چنانچہ وقت کے دھارے اور حالات کی کروٹوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بات کی تصدیق کر دی۔ اس کے بعد آیت فتح اتری تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل کی پریشانی دور ہوگئی۔ (مسلم: ۲/۱۰۰)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بالکل علم نہیں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا جواب دیا ہے لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہی جواب دیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا۔ معلوم ہوا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے موافقت تھی حالانکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ محدث تھے، لیکن صدیق کا مرتبہ محدث کے مرتبہ سے زیادہ ہوتا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کہتا اور کرتا ہے وہ صدیق کو القا ہو جاتا ہے۔ (الفتاویٰ لابن تیمیہ: ۱۱/ ۱۱۷)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی اس گستاخی پر سخت نادم تھا اور اس کے کفارہ میں بہت نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، بہت سے غلام آزاد کیے اور بہت سارا صدقہ وخیرات کیا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری: ۵/ ۲۴۵، زرقانی: ۲/ ۲۱۰، طبقات ابن سعد: ۳/ ۷۰، عیون الاثر: ۲/ ۱۰۰، بخاری: ۱/ ۳۷۸، ۲/ ۵۹۸، مسلم: ۲/ ۱۰۳، زادالمعاد: ۲/ ۱۲۲، سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۳۰۸)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس فتح عظیم کے بعد جو صلح حدیبیہ پر ختم ہوئی، فرمایا کرتے تھے اسلام میں فتح حدیبیہ سے بڑی اور کوئی فتح نہیں لیکن لوگ اس فتح کو سمجھنے سے قاصر تھے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رب کے درمیان طے پائی۔ لوگ ہر معاملہ میں جلدی کرتے ہیں لیکن حق تعالیٰ شانہ بندوں کی طرح جلدی نہیں کرتے جب تک کہ مشیت ایزدی کے مطابق وہ معاملہ نہ ہو جائے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع میں سہیل بن عمرو کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قربان گاہ میں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اونٹ کو ذبح فرما رہے تھے۔ ذبح کے بعد آپ نے ایک حجام کو بلایا اور حلق کروایا۔ میں سہیل بن عمرو کی طرف دیکھ رہا تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کو

چن رہا تھا اور اپنی آنکھوں سے لگا رہا تھا، اور میں چشم تصور سے دیکھ رہا تھا کہ یوم حدیبیہ کے روز یہی سہیل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا انکار اور لفظ ''محمد رسول اللہ'' لکھنے سے انکار کر رہا ہے۔ پس اللہ کا شکر ادا کیا جس نے اس کو اسلام کی ہدایت دی۔

(کنز العمال، رقم: ۳۰۱۳۶، خطبہ ابوبکر الصدیق، محمد احمد عاشور: ص ۱۱۷)

## غزوہ خیبر اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ:

خیبر مدینہ طیبہ کے شمال میں قریباً ایک سو میل کے فاصلہ پر ایک بہت بڑا شہر تھا۔ یہاں قلعے بھی تھے اور کھتیاں بھی۔ یہ یہود کا ایک بہت بڑا مرکز تھا۔ چنانچہ محرم سنہ ۷ ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی اس مہم پر روانہ ہوئے۔ (عیون الاثر: ۲/۱۸۱)

لشکر کو روانگی کا حکم دیتے ہوئے صرف انہی مسلمانوں کو لشکر میں شریک ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی جو حدیبیہ کی مہم میں شریک تھے اور ان کے سوا دوسرے مسلمانوں کی شمولیت سے انکار تو نہ فرمایا لیکن انہیں غنیمت سے مستثنیٰ فرما دیا۔ پھر بھی مزید دو سو حضرات نے اس لشکر میں شرکت فرمائی۔ چنانچہ آپ اخیر محرم الحرام سنہ ۷ھ میں چودہ سو پیادوں اور دو سو سواروں کے ساتھ خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ ازواج مطہرات میں صرف سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا آپ کے ساتھ تھیں کیونکہ صلح حدیبیہ میں یہی آپ کے ہم رکاب تھیں۔

مسلمان فوج نے سب سے پہلے قلعہ ناعم پر حملہ کیا کیونکہ یہ قلعہ جنگی محل وقوع کے لحاظ سے یہود کی پہلی دفاعی لائن کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ قلعہ مشہور شہہ زور اور بہادر یہودی مرحب کا تھا۔ مرحب کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ایک ہزار مردوں کے برابر تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم درد شقیقہ کے باعث میدان میں تشریف نہ لا سکے اس لیے علم دے کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انہوں نے جی توڑ کر مقابلہ کیا لیکن قلعہ فتح نہ ہوا۔ دوسرے روز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو علم دے کر بھیجا لیکن قلعہ فتح نہ ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں کل علم اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہو، اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ سے اس قلعہ کو فتح فرمائے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بڑے اضطراب میں یہ رات گزاری۔ (مسلم: ۲/۲۷۸)

صبح کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''علی رضی اللہ عنہ کہاں ہے؟'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس وقت آشوب چشم میں مبتلا تھے اور جنگ کرنے کے قابل نہ تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے پاس بلایا اور پھر فرمایا: ''علی! یہ جھنڈا لو اور غنیم پر حملہ کر دو۔ غرضیکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک روایت کے مطابق مرحب کو قتل کیا۔ (فتح الباری: ۷/ ۳۶۷) اور دوسری روایت کے مطابق محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے مرحب کو قتل کیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرحب کی تلوار، اس کا نیزہ اور اس کا خود محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ (البدایہ والنہایہ: ۴/ ۱۸۹، ابن اثیر: ۳/ ۲۱۹)

اس قلعہ کی فتح میں بہت سے سربرآوردہ یہودی کام آئے۔ قلعہ بیس روز کے محاصرہ کے بعد فتح ہوا اور بہت سے مال غنیمت کے علاوہ بہت سے قیدی بھی مسلمانوں کے ہاتھ آئے جن میں سیدہ صفیہ بنت حیی اخطب رئیس بنی نضیر بھی تھیں۔ (فتح الباری: ۷/ ۳۶۷، فتوح البلدان: ۱/ ۲۶)

اس قلعہ کے محاصرہ کے دوران بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کھجور کے درخت کاٹنے کا مشورہ دیا تاکہ یہودی باہر نکلیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم درخت کاٹنے پر راضی ہو گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جلدی سے ان کو کاٹنا شروع کر دیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو وہ فوری طور پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ''یا رسول اللہ! درخت کاٹنے سے انہیں روکیں کیونکہ خیبر قوت سے فتح ہو یا صلح سے ان درختوں کا کاٹنا مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشورہ ان درختوں کا کاٹنا روک دیا۔ (المغازی للواقدی: ۲/ ۶۴۴)

## سریہ بنوفزارہ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ:

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دستہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت بنوفزارہ کی گوش مالی کے لیے روانہ فرمایا۔ میں بھی اس دستہ میں شامل تھا۔ ہم جب بنوفزارہ کے چشمہ پر پہنچے تو رات ہو گئی تھی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہمیں وہاں رات گزارنے کی اجازت دی۔ ہم رات بھر سوتے رہے۔ نماز صبح کے بعد آپ نے ہمیں دشمن پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ دشمن کے جو آدمی ہمارے قابو میں آئے ہم نے ان کو قتل کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ بچے اور عورتیں پہاڑ کی طرف تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ میں نے دوڑ کر ان کا تعاقب کیا اور ان کو اپنے حصار میں لے لیا۔ میں ان کو گھیر کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا۔ آپ اس وقت چشمہ پر فروکش تھے۔ ان میں بنوفزارہ کی ایک عورت تھی۔ اس کے ساتھ اس کی ایک نوجوان بیٹی بھی تھی جو بڑی خوش شکل تھی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہ لڑکی مجھے عنایت کر دی۔ میں اس کو مدینہ طیبہ لے آیا لیکن میں نے اس کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ دوسرے روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

مجھے بازار میں ملے اور فرمایا: ''سلمہ! وہ لڑکی مجھے دے دے۔ میں نے معذرت خواہی کی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اصرار نہیں فرمایا۔ دوسرے روز بھی حضور ﷺ سے میری ملاقات بازار ہی میں ہوگئی۔ آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا: ''سلمہ! وہ لڑکی مجھے دے دو۔'' میں نے دوبارہ آپ سے معذرت کی اور تشریف لے گئے۔ تیسرے روز پھر آپ سے ملاقات ہوئی۔ سرور دو عالم ﷺ نے تیسری بار فرمایا: ''وہ لڑکی مجھے دے دو۔'' اب میں انکار نہ کر سکا۔ میں نے عرض کی: ''میں اسے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے مجھ سے وہ لڑکی لے کر مکہ بھیجی اور اسے بطور فدیہ دے کر جو غریب اور کمزور مسلمان مرد اور عورتیں کفار مکہ کے قبضہ میں تھیں، انہیں رہا کرا لیا۔

(مسند احمد: ۴/۴۳۰، طبقات ابن سعد: ۴/۱۶۴، السیرۃ النبویہ لابن کثیر: ۳/۴۱۷، دلائل النبویہ بیہقی ومعرفۃ احوال الشریعہ: ۴/۲۹۰)

## فتح مکہ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ:

فتح مکہ ایک عظیم فتح ہے۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ وہ فتح اعظم ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو، اپنے رسول ﷺ کو، اپنے لشکر کو اور اپنے امانت دار گروہ کو ایک خاص عزت بخشی، اور اپنے شہر مکہ کو اور اپنے گھر بیت اللہ کو جسے دنیا والوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنایا اور کفار اور مشرکین کے ہاتھوں سے چھٹکارا دیا۔ اس فتح سے آسمان والوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس کی عزت کی طنابیں جوزاء کے شانوں پر تن گئیں اور لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگے اور روئے زمین کا چہرہ روشنی سے جگمگا اٹھا۔

(زاد المعاد: ۲/۱۶۰)

حدیبیہ میں قریش اور مسلمانوں کے مابین جو معاہدہ ہوا تھا، قریش نے اس معاہدہ کو توڑ دیا اور قریش کے حلیف بنو بکر نے بنو خزاعہ کے گھروں میں گھس کر انہیں قتل کیا جو مسلمانوں کے حلیف تھے۔ قریش کو اس معاہدہ کے توڑنے کے جرم پر ندامت ہوئی اور انہیں اپنی عہد شکنی کا احساس ہوا۔ دوسری طرف بنو خزاعہ کے سردار عمرو بن سالم خزاعی نے چالیس آدمیوں کے ایک وفد کے ساتھ مدینہ جا کر رسول اللہ ﷺ سے اس بارے شکایت کی اور بتایا کہ ان لوگوں نے چشمہ وتیر پر سوتے ہوئے ہم پر رات کو حملہ کیا اور ہمیں رکوع وسجود کی حالت میں قتل کیا۔ اس فریاد

کے ساتھ وہ آپ سے امداد کا طلب گار ہوا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے عمرو بن سالم خزاعی تیری مدد کی گئی۔ قریش کو اپنی عہد شکنی کا شدید احساس ہوا اور معاملہ کی سنگینی کو مدنظر رکھتے ہوئے باہمی مشورہ میں یہ طے پایا کہ ابوسفیان کو اپنا نمائندہ بنا کر تجدید صلح اور مدت صلح کو بڑھانے کے لیے مدینہ بھیجا جائے۔ (زرقانی: ۲/۲۹۲، فتح الباری: ۸/۴)

ابوسفیان سیدھا مدینہ پہنچا۔ وہ اپنی بیٹی سیدہ ام حبیبہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی معرفت تجدید معاہدہ کی بہت کوشش کی لیکن معاہدہ کی تجدید نہ ہو سکی، اور سرکار دو عالم ﷺ ۱۰ رمضان المبارک سنہ ۸ھ کو بعد از نماز عصر دس ہزار خدا پرست اور خداشناس مجاہدین کے باوقار لشکر کے ساتھ مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ (فتح الباری: ۸/۴۴)

اس لشکر اسلام نے ہجرت کے آٹھ سال بعد مکہ کو فتح کیا۔ فتح کے بعد کچھ لوگوں نے آپ کے پاس آ کر اسلام قبول کیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے عمر رسیدہ والد ماجد ابوقحافہ کو لے کر مسجد حرام میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ابوقحافہ مکہ میں رہتے تھے اور ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ آپ ﷺ نے ابوقحافہ کی عمر کو دیکھ کر فرمایا: ''ابوبکر! تو نے بڑے میاں کو گھر پر ہی کیوں نہ رہنے دیا، میں خود ہی ان کے پاس چلا جاتا، لیکن جان نثار بارگاہ نبوت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''یارسول اللہ! آپ میرے باپ کے پاس چل کر جائیں اس سے یہ بہتر ہے کہ میرا باپ خود اپنے پاؤں پر چل کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو۔''

آپ ﷺ نے سیدنا ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کے سینے پر دست مبارک پھیرا اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مبارک باد دی، لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا، اگر ابوطالب اسلام لے آتے تو مجھے ابوقحافہ سے زیادہ خوشی ہوتی۔'' (سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۱۲)

حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے مکہ میں داخل ہو کر عورتوں کو دیکھا کہ وہ گھوڑوں کے منہ پر طمانچے مار رہی ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کی یہ حرکت دیکھ کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جو آپ کے ساتھ تھے، کی طرف دیکھا اور تبسم فرمایا اور دریافت فرمایا: ابوبکر! تم کو حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے وہ شعر یاد ہیں جن میں انہوں نے اس منظر کا ذکر کیا ہے؟ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو وہ شعر یاد تھے جس

میں انہوں نے اس منظر کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ وہ شعر فوراً سرکار کو سنا دیئے۔

(ازالۃ الخفا: ۲/ ۱۶، تاریخ الدعوۃ الاسلامیہ: ص ۱۴۷)

اس غزوہ نے لوگوں کو اسلام سے بہت قریب کر دیا اور مسلمان جزیرہ عرب کے دینی اور سیاسی منظر پر آفتاب عالم تاب کی طرح چمکنے لگے اور اب ہر قسم کی دنیوی قیادت بھی مسلمانوں کے ہاتھوں میں آ گئی اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ (ویدخلون فی دین الله افواجاً) فتح مکہ کے بعد مکہ اور اس کا حرم از سر نو امن و سلامتی کا گہوارہ بن گئے جہاں سے نور توحید کی درخشندہ اور تابندہ کرنیں فضاؤں سے گزر کر آسمان سے ٹکرانے لگیں۔

## غزوہ حنین اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ:

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ چند روز یہیں مقیم رہے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اذان کہتے تو ٹھٹھ کے ٹھٹھ نہایت مسرت و شادمانی کے ساتھ بیت اللہ میں نماز کے لیے جمع ہو جاتے۔ اسی اثناء میں آپ کو اطلاع ملی کہ قبیلہ ہوازن مکہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ بنو ہوازن اور ثقیف نہایت جنگ جو اور ماہر تیر انداز قبائل میں سے تھے۔ فتح مکہ کے بعد انہیں یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں پیغمبر اسلام ان پر حملہ نہ کر دیں۔ لہٰذا قبائل کے سرداروں نے باہمی یہ مشورہ کیا کہ قبل اس کے کہ مسلمان ہم پر حملہ آور ہوں ہمیں ان پر حملہ کر دینا چاہیے۔ چنانچہ بیس ہزار کا لشکر مالک بن عوف نصری کی زیر قیادت جمع ہو گیا۔

طائف اور مکہ کے درمیانی علاقے کا نام "حنین" ہے۔ قبیلہ ہوازن یہاں آباد تھا۔ ۶ شوال سنہ ۸ ھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی فوج لے کر حنین کی طرف بڑھے۔ یہ فوج شام کے وقت میدان کارزار کے قریب پہنچی۔ جیسے ہی پیشانی مشرق سے صبح صادق کا جھومر نمودار ہوا، سب سے پہلے فریضہ نماز ادا کیا اور ابھی پوری طرح اجالا بھی نہیں ہوا تھا کہ میدان حنین کی طرف پیش قدمی ہونے لگی۔ یہ میدان نشیب میں تھا۔ میدان جنگ کے پیشتر مقامات پر دشمن کی فوجیں قابض اور راستہ کے پہاڑوں پر غنیم کے تیر انداز دستے مسلمانوں کے انتظار میں تھے۔ مسلمانوں کے لشکر کے سب سے آگے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفید خچر پر سوار تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ کے عقب میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بنو سلیم کا دستہ مقدمۃ

الجیش میں تھا۔ان کے ہاتھ میں علم تھا۔ جونہی یہ دستہ حنین کی تنگ گھاٹی سے گزرا غنیم کی فوجوں نے جو درہ کی چوٹی پر گھات لگائے بیٹھی تھیں، اپنے کمانڈر کے حکم سے تیروں کی باڑھ چھوڑ دی۔ مسلمان دشمن کی موجودگی سے بے خبر تھے۔اس اچانک حملے سے قدرتی بات ہے کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور ان میں ایک بھگدڑ سی مچ گئی۔ مسلمانوں کی حالت وہ ہو گئی جس کا نقشہ قرآن حکیم نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:

''تنگ ہوگئی تم پر زمین باوجود اپنی وسعت کے۔''

لیکن فضل خداوندی مسلمانوں پر سایہ فگن تھا۔ اللہ کے فضل و کرم کا محور محمد رسول اللہ ﷺ کا پیکر مقدس تھا جو اپنی جگہ کمال استقلال و استقامت کا پہاڑ بن کر کھڑا تھا۔آپ اپنے سفید خچر پر سوار ہی رہے۔ بھگدڑ کے باوجود آپ کا رخ کفار کی طرف تھا اور آپ بجائے پیچھے آنے کے پیش قدمی کے لیے اپنے خچر کو ایڑ لگا رہے تھے۔اور اونچی آواز کے ساتھ یہ رجزیہ کلمات کہہ رہے تھے

**انا النبی لا کذب**

**انا ابن عبدالمطلب**

''میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''

پھر آپ نے آواز دی:

**((یا انصار الله وانصار رسوله! انا عبدالله ورسوله الی ایها الناس))**

''اے اللہ اور اس کے رسول کے مددگارو! میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ بھاگ کر کدھر جا رہے ہو، میری طرف آؤ۔''

لیکن تیروں کی غیر متوقع اور بے پناہ بوچھاڑ نے لشکر اسلام کے بہت سے مجاہدین کو حواس باختہ کر دیا تھا۔صرف دس آدمی سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ رہ گئے۔ جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوسفیان بن الحارث رضی اللہ عنہ ان کے بیٹے جعفر رضی اللہ عنہ، فضل بن عباس یا قثم عباس رضی اللہ عنہ، ربیعہ بن حارث رضی اللہ عنہ، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور ایمن بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ (تاریخ الخمیس: ۲/۱۰۱)

سیدنا ایمن رسول اللہ ﷺ کے سامنے شہید ہو گئے۔ بعض اصحاب السیر نے سیدنا

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے دو ناموں کا اضافہ کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آواز دی:

**((این ایها الناس! هلوا الی، انا رسول اله! انا محمد بن عبدالله، یا معشر الانصار! انا عبدالله ورسوله))**

''اے لوگو! تم کہاں ہو، میری طرف آؤ، میں اللہ کا رسول ہوں، میں محمد بن عبداللہ ہوں، اے گروہ انصار! میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔''

پھر آپ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے آواز دی۔ وہ بڑے بلند آواز تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو آواز دینے کے لیے کہا۔

**یامعشر الانصار! یا اصحاب السمرة! یا للمهاجرین الذین بایعوا تحت الشجرة، ویا للانصار! الذین آووا رسول الله صلی الله علیه وسلم.**

''اے گروہ انصار! اے بیری کے درخت کے نیچے بیعت کرنے والو! اے مہاجرین جنہوں نے درخت کے نیچے جان دینے کی بیعت کی تھی۔ اے انصار جنہوں نے اللہ کے رسول کو پناہ دی تھی۔''

(مسلم، رقم: ۱۷۷۵، مواقف الصدیق مع النبی فی المدینہ: ص۴۳، السیرۃ النبویہ، محمد بن زینی دحلان: ۲/۳۱۳)

طبری نے لکھا ہے کہ جب اسلامی فوج کے اس اچانک تیر اندازی سے پاؤں اکھڑ گئے اور آپ اپنے چند جان نثاروں کے ساتھ تنہا رہ گئے، ان چند جان نثاروں میں سرفہرست سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ (طبری: ۳/۷۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کا کان میں پڑنا تھا کہ تمام فوج ایک دم پلٹ پڑی۔ جن لوگوں کے گھوڑے اور اونٹ گھمسان کی وجہ سے لڑ نہ سکے وہ اپنی سواریوں سے کود پڑے اور اپنی زرہیں ان کی گردنوں میں ڈال دیں اور اونٹ اور گھوڑے چھوڑ کر شمشیر بکف میدان کی طرف دوڑے اور ایثار وفدائیت کے وہ جوہر دکھائے کہ غنیم تیز رفتاری کے ساتھ میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ سیدنا جبیر بن معطم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہوازن کی پسپائی سے کچھ ہی پہلے میں نے ایک سیاہ چادر آسمان سے اترتی دیکھی۔ وہ چادر ہمارے اور غنیم کے درمیان آ کر اتری۔ دفعتاً اس میں سے سیاہ چیونٹیاں نکلیں اور تمام وادی میں پھیل گئیں۔ مجھے ان کے فرشتے ہونے میں ذرا برابر

شک نہیں۔ ان کا اترنا تھا کہ دشمن کو شکست ہو گئی۔ (عیون الاثر: ۲/ ۲۵۹، ابن ہشام: ۲/ ۴۴۹)

فرشتوں کا یہ نزول رسول اللہ ﷺ کی اس دعا کی وجہ سے تھا، جو آپ ﷺ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ رب العزت کی بارگاہ میں مانگی تھی۔

''اے اللہ! جس نصرت کا تو نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا ہے، میں تجھے اس وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ اے اللہ! یہ تیری شان کے شایاں نہیں کہ مشرک ہم پر غالب آ جائیں۔ اے اللہ! تو ازل سے ابد تک رہے گا۔ تو زندہ جاوید ہے۔ تجھے موت نہیں آ سکتی۔ آنکھیں سو جاتی ہیں، ستارے اپنی چمک کھو دیتے ہیں لیکن تو حی و قیوم ہے۔ تجھے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔ یا حی و یا قیوم! اے اللہ! کیا تیری یہ مرضی ہے کہ آج کے بعد تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے۔ سب تعریفیں تیرے لیے ہیں۔ ہم تیری ہی جناب میں اپنے درد و الم کا شکورہ کرتے ہیں اور تجھی سے مدد کی درخواست کرتے ہیں۔'' (السیرۃ النبویہ، محمد بن زینی دحلان: ۲/ ۳۱۴)

غنیم تو بھاگ گیا لیکن بہت سا مال غنیمت اور مال مویشی مسلمانوں کے ہاتھ آیا جس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

قیدی چھ ہزار، اونٹ چوبیس ہزار، بکریاں چالیس ہزار سے بھی زیادہ، چاندی چار ہزار اوقیہ (یعنی چھ کوئنٹل سے چند کلو کم) یہ سب اکٹھا کر کے سیدنا مسعود بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کی زیر نگرانی جعرانہ بھیج دیا اور تاکید کی کہ جب تک میں طائف سے فارغ ہو کر نہ آ جاؤں، اس کو تقسیم نہ کرنا۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ جب مال غنیمت جمع ہوا تو سرکار دو عالم ﷺ نے اعلان فرمایا: ((من قتل قتیلا فله سلبه)) جو کسی شخص کو قتل کرے گا تو اس کا اسلحہ اسی کو ملے گا۔ سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے ایک کافر کو جو بڑا بہادر اور توانا تھا، قتل کیا تھا۔ اب اس کی شہادت نہیں مل رہی تھی کہ اس شخص کو ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا ہے۔ جب کوئی گواہ اس بارے میں نہ ملا۔ تو انہوں نے خود ہی اصل واقعہ سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں عرض کر دیا۔ وہ سرکار دو عالم ﷺ سے اصل واقعہ بیان کر رہے تھے تو ایک شخص بولا: ''یا رسول اللہ! ابو قتادہ رضی اللہ عنہ درست کہہ رہے ہیں، لیکن جس شخص کو انہوں نے قتل کیا ہے اس کا سلب (متروکہ اسلحہ) میرے پاس ہے۔ آپ یہ سلب مجھ کو مرحمت فرما دیں۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی پاس بیٹھے یہ واقعہ سن رہے تھے،

فوراً بولے: ''بخدا! یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ سرکار دو عالم ﷺ قریش کے ایک بجو کو (یعنی ایسے شخص کو جس نے بزدلی کے باعث جنگ میں حصہ نہیں لیا ہے) مقتول کا سامان دے دیں اور اللہ تعالیٰ کے اس بہادر اور شیر کو نہ دیں جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر جنگ کر کے اس کافر کو قتل کیا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بات سن کر اس کی تائید فرمائی اور فرمایا: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ بالکل درست اور سچ کہتے ہیں۔'' چنانچہ وہ سامان رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرما دیا۔ (بخاری، رقم: ۴۳۲۲)

## غزوہ طائف اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ:

یہ غزوہ دراصل غزوہ حنین ہی کی ایک فرع ہے کیونکہ ثقیف اور ہوازن کے کئی ہزار افراد اپنے سپہ سالار مالک بن عوف کے ساتھ بھاگ کر طائف میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ اس لیے سرکار دو عالم ﷺ نے حنین سے فارغ ہو کر طائف کا ارادہ فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کے طائف پہنچنے سے قبل ہوازن کا سپہ سالار اپنی شکست خوردہ فوج کے ساتھ طائف کے قلعہ میں داخل ہو کر دروازہ بند کر چکا تھا۔ اس نے دروازہ بند کرنے سے پہلے کئی سال کا سامان خورد ونوش قلعہ میں فراہم کر لیا تھا۔ طائف میں قبیلہ ثقیف آباد تھا جو نہ صرف مرفہ حال تھا بلکہ بہادری میں بھی اپنی مثال آپ تھا۔ یہ اپنے آپ کو پورے عرب کی ناک کہتا تھا۔ علاقہ زرخیز ہونے کے باعث یہاں بے پناہ سامان خورد ونوش تھا، لہٰذا محصورین کو سامان خورد ونوش کی کوئی کمی محسوس نہیں ہوسکتی تھی۔

محاصرہ کے دوران سرکار دو عالم ﷺ نے ایک روز سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ کسی نے مجھ کو ایک لبالب بھرا ہوا پیالہ نذر کیا ہے لیکن ایک مرغے نے اس میں ٹھونگ مار دی اور جو کچھ پیالہ میں تھا وہ زمین پر گر پڑا۔ یہ خواب سن کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''اس خواب سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اس محاصرہ میں کامیابی نہیں ہوگی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہاں، میں بھی یہی سمجھتا ہوں۔''

(البدایہ والنہایہ: ۴/۳۵۰، طبری: ۲/۳۵۵)

چنانچہ آپ نے محاصرہ اٹھا لیا۔

اس محاصرہ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ شدید زخمی ہو گئے اور ان کے یہ زخم مندمل نہ ہو سکے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی ایام میں یہ زخم پھر

ہرے ہو گئے اور سیدنا عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی وفات کا سبب بنے۔

(الاصابہ تذکرہ عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ، تاریخ الدعوۃ الاسلامیہ: ص ۱۵۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سال طائف کو فتح تو نہ کر سکے کیونکہ آپ نے بعض مصلحتوں کی وجہ سے محاصرہ اٹھالیا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ثقیف کے لیے ان الفاظ میں دعا فرمائی:

((اللھم اھد ثقیفًا وائت بھم))

''اے اللہ! ثقیف کو ہدایت فرما اور ان کو میرے پاس لے آ۔''

یہ دعا مستجاب ہوئی اور کچھ دنوں کے بعد عبد یالیل کی معیت میں طائف کا ایک وفد مدینہ آیا۔ یہ وفد مدینہ کے قریب پہنچ کر قناۃ کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ وہاں ان کی ملاقات سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ انہوں نے اس وفد کو دیکھتے ہی سمجھ لیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی کمند انہیں بارگاہِ نبوی میں کھینچ لائی ہے۔ وہ وہاں سے دوڑے تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے آنے کی بشارت سنائیں۔ راستہ میں ان کی ملاقات سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہو گئی۔ انہوں نے مغیرہ رضی اللہ عنہ کی منت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش خبری سنانے کا یہ موقع مجھے دیا جائے۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور بنو ثقیف کے وفد کے آنے کی اطلاع۔ پھر سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ بنو ثقیف کے وفد کو لے کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۴/۱۹۳)

ان لوگوں کے مسلمان ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ایک معاہدہ تحریر فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر ایک امیر مقرر کرنا چاہا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو ان پر امیر مقرر کر دیا جائے۔ اگر چہ وہ عمر کے لحاظ سے سب سے چھوٹے تھے لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یا رسول اللہ! میں نے اس بچے کو دیکھا ہے کہ یہ دین کو سمجھنے اور قرآن کو سیکھنے میں بہت زیادہ حریص ہے، کیونکہ جب وفد بنو ثقیف کے لوگ دوپہر کو سو جاتے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر دین کی باتیں پوچھتے اور قرآن سیکھتے یہاں تک کہ ان کو دین کی اچھی خاصی سمجھ آ گئی۔ اور جب کبھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سویا ہوا دیکھتے تو وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر دین کی باتیں سیکھتے۔ (تاریخ الدعوۃ الاسلامیہ: ص ۱۵۲)

## غزوہ تبوک اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ:

مسلمانوں کی اس بڑھتی ہوئی ریاست سے عیسائی دنیا خائف ہونے لگی۔ ان کے

ساتھ اس سے قبل جنگ موتہ میں مسلمانوں کی مڈبھیڑ ہو چکی تھی اور اس میں قیصر روم کو پتہ چل گیا تھا کہ مسلمانوں میں کتنا دم خم ہے۔ مسلمانوں کی صرف تین ہزار فوج دو لاکھ رومیوں کے مقابلہ میں اپنا لوہا منوا چکی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کو اچانک شام کے سوداگروں نے اطلاع دی کہ رومیوں نے شام میں ایک لشکر جرار اکٹھا کیا ہے اور فوج کو سال بھر کی تنخواہیں بھی دے دی گئی ہیں اور اس فوج کا ہراول دستہ بلقاء تک آ گیا ہے۔ (زرقانی: ۳/۷۲، طبقات ابن سعد: ۲/۱۱۹)

ان اطلاعات پر رسول اللہ ﷺ نے فوج کو تیاری کا حکم دیا اور اس بات کا تہیہ کر لیا کہ اب کی بار رومیوں پر ایسی ضرب کاری لگائی جائے جس سے ان کے منہ پھر جائیں اور پھر کبھی انہیں مسلمانوں کے سامنے آنے کی ہمت اور جرأت نہ ہو۔ لیکن کسی بڑی فوج کے اکٹھا کرنے میں بہت سے موانع حائل تھے۔ ایک مانع اس میں موسم کی شدت اور حدت تھی۔ بلا کی حبس اور قدم قدم پر جان کا خطرہ، دوسرا مانع قحط سالی اور تنگی تھی۔ فصلیں اور پھل پکے ہوئے تھے لیکن گھروں میں غلہ نہ تھا۔ ایک عجیب معاشی تنگی کا عالم تھا۔ تیسرا مانع اس لشکر کے لیے مال واسباب کی فراہمی تھی۔ چنانچہ آپ نے مسلمانوں سے چندہ کی اپیل کی۔ آپ کی اس اپیل پر سب سے پہلے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا کل مال آپ کی خدمت میں لاکر پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''ابوبکر! اہل وعیال کے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟'' عرض کی: ''صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو۔''

(سنن ابی داؤد: ۲/۳۱۲، رقم: ۱۶۷۸)

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنا نصف مال پیش کیا۔ (الفتاویٰ لابن تیمیہ: ۱۰/۷۲۔۷۳)

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دو سو اوقیہ (یعنی ساڑھے ۲۹ کلو) چاندی لا کر حاضر خدمت کی۔ سیدنا عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے نوے وسق (ساڑھے تیرہ ہزار کلو) کھجور لا کر پیش کی۔ (زرقانی: ۳/۶۴)

اب نگاہ نبوت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی طرف اٹھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ملک شام کے لیے ایک قافلہ تیار کیا ہوا تھا جس میں پالان اور کجاوہ سمیت دو سو اونٹ تھے اور ساڑھے انتیس کلو چاندی تھی۔ آپ نے یہ سب پیش کر دیا۔ اس کے بعد پھر ایک سو اونٹ مع کجاوے پیش کیے۔ اس کے علاوہ ایک ہزار دینار یعنی ساڑھے پانچ کلو سونا لے آئے اور انہیں آغوش نبوت میں ڈال دیا۔ آپ خوشی سے ان دیناروں کو اچھالتے جاتے اور فرماتے جاتے تھے۔ آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کو کوئی ضرر نہیں ہوگا۔ اس کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر دیا۔ پھر اور پیش کیا، یہاں تک

کہ ان کے چندہ کی مقدار نقدی کے علاوہ نوسو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تک جا پہنچی۔

(فتح الباری: ۷/۴۴)

ان کے علاوہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی بہت سا مال لے کر آئے۔ لیکن پھر بھی اتنے بڑے لشکر کی سواری اور زادراہ کا پورا سامان نہ ہو سکا۔ چنانچہ نادار اور قلاش صحابہ رضی اللہ عنہم سواری نہ ہونے کے باعث روتے روتے واپس جاتے۔

(زرقانی: ۳/۲۲، عیون الاثر لابن سید الناس: ۲/ ۲۹۸، ابن ہشام: ۲/ ۵۱۸)

اگرچہ اس جنگ میں سب سے زیادہ چندہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے دیا، ابن عساکر کا بیان ہے کہ آپ نے پورے لشکر کے ایک تہائی کا تمام خرچ اپنے ذمہ لے لیا، لیکن اس کے باوجود جو شرف اور عظمت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حاصل رہی وہ کسی اور صحابی کو حاصل نہ ہو سکی۔

(ابن عساکر: ۱/۱۱۰)

حکیم الامت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس غزوہ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کچھ خاص خصوصیات تھیں:

① اسلامی فوج کا جائزہ لینے اور اس کی امارت کی خدمت آپ کے سپرد تھی۔

② اسلامی لشکر مدینہ طیبہ سے باہر جمع ہوا۔ جب تک سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے انتظام و انصرام کے باعث تشریف نہ لا سکے، نماز کی امامت کے فرائض سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ادا فرماتے رہے۔ (عیون الاثر: ۲/۲۹۳)

③ دوران سفر میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند لوگوں کے ساتھ ایک جگہ رات گزاری اور لشکر اسلام سے دور ہو گئے۔ اس حالت میں آپ نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا: ''اگر لشکر ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی پیروی کرے گا تو راہ یاب اور کامیاب ہو گا۔

(ازالۃ الخفاء مقصد دوم: ص ۱۶۔۱۷)

④ تبوک کے اس لشکر کا سب سے بڑا جھنڈا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔

(صفۃ الصفوۃ: ۱/۲۴۳)

⑤ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک غزوہ تھا۔ ایک رات میں آدھی رات کو اٹھا۔ میں نے لشکر کے ایک کونے میں آگ جلتی دیکھی۔ میں وہاں گیا۔ دیکھا کہ وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ

اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ موجود ہیں۔ اور عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کی لاش پڑی ہے اور دونوں اس کے لیے قبر کھود رہے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف فرما تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے فرمایا کہ اپنے بھائی کو میرے قریب کرو۔ پھر ان دونوں نے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبر میں دائیں کروٹ لٹایا اور فرمایا: ''اے اللہ! میں آج رات تک اس سے راضی تھا تو بھی اس سے راضی ہو جا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے سن کر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کاش میں آج اس کی جگہ ہوتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے یہ الفاظ استعمال فرماتے۔''

(صحیح السیرۃ النبویہ: ص ۵۹۸ لابراہیم صالح العلی)

سیدنا بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ذوالبجادین کی تجہیز و تکفین کے وقت حاضر تھا۔ مؤذن رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے روشنی کے لیے ایک مشعل اٹھا رکھی تھی اور وہ کھڑے تھے۔ چنانچہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کی قبر میں اترے۔ میں نے دیکھا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کی نعش کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھا رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرما رہے تھے کہ اپنے بھائی کو میرے قریب کرو۔ چنانچہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دائیں پہلو لٹا دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ سے التجا کی:

((اللهم انی قد مسیت عنه راضیاً فارض عنه))

''اے اللہ! میں آج کی شام تک اس تیرے بندے سے راضی تھا تو بھی اس سے راضی ہو جا۔''

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ ایمان افروز منظر دیکھ کر کہہ اٹھے ''کاش! اس قبر میں میں دفن ہوتا۔'' (سبل الہدیٰ: ۵/ ۲۶۱)

اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب بھی کسی میت کو قبر میں داخل کرتے تو فرماتے:

بسم الله وعلیٰ ملة رسول الله، وبالیقن وبالبعث بعد الموت.

(المصنف لعبدالرزاق: ۳/ ۴۹۷)

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم غزوہ تبوک میں گئے اور ہم ایک منزل پر اترے، ہمیں بہت پیاس لگی یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ ہم پیاس کے باعث زندگی

سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ گرمی نہایت شدید تھی اور ایک طویل وعریض صحرا سامنے تھا جس کو عبور کرنا تھا۔ پانی کا ایک قطرہ بھی دستیاب نہ تھا۔ پیاس کی شدت کے باعث مسلمانوں کی حالت نہایت نازک تھی۔ اپنی جان کو بچانے کے لیے وہ اپنے اونٹوں کو جن کی سواری ان کے لیے اشد ضروری تھی، ذبح کرنے پر مجبور ہوئے۔ ان کے معدوں اور آنتوں سے چند گھونٹ پانی مل جاتا تو اس سے وہ اپنے ہونٹوں اور حلق کو تر کر کے وقت گزارتے۔ جب پانی کی نایابی اور پیاس کی شدت کے باعث مجاہدین کی حالت ناگفتہ بہ ہوگئی تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ آپ کی دعاؤں کو ہمیشہ شرف قبولیت سے نوازتا ہے۔ اگر حضور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں بارش کے لیے دست سوال دراز کریں تو حق تعالیٰ شانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مایوس نہیں کرے گا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابوبکر! کیا یہ بات تجھے پسند ہے کہ بارش کے لیے دعا کروں؟'' آپ نے عرض کی: ''بے شک۔'' اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیے۔ وہ اٹھے ہوئے ہاتھ ابھی واپس نہیں آئے تھے کہ کالے بادل سارے آسمان پر چھا گئے اور تھوڑی دیر کے بعد موسلا دھار بارش برسنے لگی۔ مسلمانوں نے اپنے برتن اور مشکیزے بھر لیے۔ خوب سیر ہو خود بھی پانی پیا اور اپنے مویشیوں کو بھی پلایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ جب ہم اپنی قیام گاہ سے باہر نکلے تو وہاں زمین خشک تھی۔ وہاں پانی کا ایک قطرہ بھی نہ ٹپکا تھا۔ بارش صرف اس علاقہ تک محدود رہی جہاں مجاہدین اسلام نے خیمے نصیب کیے ہوئے تھے۔ (ابن حبان، باب غزوہ تبوک، رقم: ۱۷۰۷، سبل الہدیٰ: ۵/ ۶۴۵)

## سب سے پہلے امیر الحج:

ذی قعدہ سنہ ۹ ھ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر فرما کر مکہ مکرمہ روانہ فرمایا۔ اس لحاظ سے آپ اسلام میں پہلے امیر الحج ہیں۔ سنہ ۸ ھ میں مکہ فتح ہوگیا تھا اور اب مکہ کا پورا کنٹرول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھا۔ آپ جاہلیت کی تمام خرافات سے اس گھر کو پاک کرنا چاہتے تھے۔ اب تمام موانع ختم ہو چکے تھے اور پوری آزادی کے ساتھ مسلمان اسلامی احکام پر عمل کر سکتے تھے۔ چنانچہ سنہ ۹ ھ میں آپ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر مکہ روانہ فرمایا۔ آپ کے ساتھ تین سو افراد پر مشتمل ایک کاروان حج تھا جس کے ساتھ بیس اونٹ تھے اور خود سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اپنے پانچ اونٹ بھی قربانی کے لیے تھے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مکہ روانگی کے بعد سورۃ توبہ کا ابتدائی حصہ نازل ہوا جس سے مشرکین کے ساتھ کیے گئے عہد و پیمان کی برابری کی بنیاد پر ختم کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس حکم کے آنے کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے روانہ فرمایا تاکہ وہ آپ کی جانب سے اس کا اعلان کر دیں کیونکہ آپ کے نزدیک مناسب یہ تھا کہ اس کا اعلان اس شخص کی زبانی ہونا چاہیے جو عہد کرنے والے کے خاندان سے ہو۔ چنانچہ آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اپنی ناقہ ''عضبا'' پر سوار کر کے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے روانہ کر دیا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ''عرج'' یا وادی ضجنان یا وجنان کے مقام پر صبح کی نماز پڑھانے کے لیے مصلی پر کھڑے تھے۔ ابھی تکبیر تحریمہ نہیں کہی تھی کہ آپ نے اونٹنی کے بلبلانے کی آواز سنی۔ آپ فوراً رک گئے۔ دیکھا کہ ناقہ پر سوار سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''امیر یا مامور'' (یعنی آپ امیر بن کر آئے ہیں یا مامور بن کر) سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مامور بن کر آیا ہوں۔'' میں تو صرف سورہ توبہ کی آیات سنانے کے لیے آیا ہوں'' پھر یہ دونوں حضرات آگے بڑھے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کروایا۔ جب ۱۰ ذی الحجہ کو قربانی کا دن آیا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جمرہ عقبہ کے قریب کھڑے ہو کر لوگوں میں وہ اعلان کیا جس کے لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بھیجا تھا۔ چنانچہ یوم النحر میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ

① جنت میں کوئی کافر داخل نہیں ہو سکے گا۔
② آئندہ سال کوئی مشرک حج کرنے نہ آئے گا۔
③ اور نہ ہی کوئی برہنہ شخص بیت اللہ کا طواف کر سکے گا۔
④ اور جس کا جو عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے وہ اس کی مدت تک پورا کر دیا جائے گا اور جس سے کوئی عہد نہیں یا عہد بلا معیاد کے ہے تو اس کے لیے چار ماہ کا امن ہے۔

ان باتوں کی منادی کرنے والوں میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جو اس زور سے منادی کر رہے تھے کہ گلا بیٹھ جاتا تھا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو بھیج کر ان باتوں کا اعلان عام کر دیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلان گویا جزیرہ نما عرب میں بت پرستی کے خاتمہ کا

اعلان تھا۔

(بخاری: ۱/۲۲۰، ۴۵۱، ۲/۶۲۶، ۲/۶۷۱، زرقانی: ۳/۸۹، فتح الباری: ۸/۶۵، زادالمعاد: ۲/۲۵، ابن ہشام: ۲/۵۴۳، نسائی: ۲/۴۳)

قرآن حکیم نے اس کو ''حج اکبر'' کہا ہے۔ اس روز سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یوم النحر میں امیر حج کی حیثیت سے خطبہ دیا جس میں مسائل حج بیان فرمائے۔ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تین روز ۸ ذی الحجہ تا ۱۰ ذی الحجہ کو امیر الحج کی حیثیت سے خطبات دیئے۔

(دراسات فی عہد النبوۃ، عماد الدین خلیل: ص ۲۲۲، صحیح السیرۃ النبویہ: ص ۶۲۵، السیرۃ النبویہ لابی شبہ: ۲/۵۳۷، ۵۴۰، قراۃ سیاسۃ للسیرۃ النبویہ قلعجی: ص ۲۸۳)

## حجۃ الوداع میں شرکت:

۲۳ سال کی شبانہ روز دعوت و تبلیغ سے اور غزوات و سرایا کی کامیابی سے لوگ اب جوق در جوق اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور ہو رہے تھے۔ سنہ ۹ھ میں کعبہ کو مراسم جاہلیت سے بالکل پاک کر دیا گیا۔ اب ہاتف غیبی آپ کے قلب و شعور کو یہ احساس دلا رہا تھا کہ دنیا میں اب قیام کا زمانہ اختتام کے قریب ہے۔ چنانچہ آپ نے اب اس تاریخ حج کا ارادہ فرمایا جس کو بعد میں حجۃ الوداع کا نام دیا گیا۔ آپ کے اس عزم کا افشا ہوتے ہی یہ خبر پوری اسلامی مملکت میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ صحرا کے بادیہ نشین، پہاڑوں کی گھاٹیوں میں بسنے والے، دیہات اور شہروں کے باسی دور و نزدیک ہر طرف سے امنڈ کر مدینہ طیبہ میں سمٹ آئے۔ مدینہ کے باہر خیموں کا ایک نیا شہر آباد ہو گیا۔ آپ نے خود بھی مختلف جگہوں پر پیغام بھجوایا کہ میں اس سال حج پر جا رہا ہوں لہٰذا اس میں شمولیت کر کے مجھ سے حج کے مسائل سیکھ لو۔ چنانچہ ڈیڑھ لاکھ کے قریب انسان مدینہ طیبہ اور اس کے باہر جمع ہو گئے۔

۲۸ ذی قعدہ سنہ ۱۰ھ بروز ہفتہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کے درمیان مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئے۔ اپنے میقات ذوالحلیفہ پر نماز عصر دو رکعت پڑھ کر رات بھر قیام فرمایا۔ صبح ہوئی تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا کہ ''رات میرے پروردگار کی جانب سے ایک آنے والے نے آ کر کہا: ''اس مبارک وادی میں نماز پڑھو اور کہو حج میں عمرہ ہے۔''

(بخاری: ۱/۲۰۷)

لہٰذا آپ نے ذوالحلیفہ میں حج اور عمرہ دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھا اور لبیک کی آواز بلند کی۔ تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بھی اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھیں۔ خانہ خدا کی زیارت اور حج بیت اللہ کی خوشی سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل بلیوں اچھل رہے تھے۔ تمام قافلہ یک رنگ اور یک لباس میں ملبوس مساوات کا ایک اور نادر روزگار نمونہ پیش کرتے ہوئے زبان پر تلبیہ کا ورد اور خلوص نیت سے اپنے پروردگار کے گھر کی زیارت کے لیے اپنا سفر جاری کیے ہوئے تھے۔

اس قافلہ میں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یار غار اور رفیق ہجرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ہم رکاب تھے، لیکن آپ کی اس سفر میں خصوصیت یہ تھی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سامان سفر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اونٹنی پر بار تھا۔ سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا اس سفر کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ ہم سب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فریضہ حج ادا کرنے کے لیے جا رہے تھے اور ایک ہی اونٹ تھا جس پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ہم سب کا سامان سفر بار تھا۔ جب ہم ''عرج'' نامی مقام پر پہنچے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے اتر کر بیٹھ گئے۔ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ جس اونٹ پر سامان لدا ہوا تھا وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایک ملازم کی تحویل میں تھا۔ کافی انتظار کے بعد جب وہ ملازم منزل پر بغیر اونٹ کے پہنچا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''اونٹ کیا ہوا؟'' اس نے جواب دیا: ''گزشتہ رات وہ گم ہو گیا تھا اس لیے منزل پر پہنچنے میں دیر ہو گئی۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ایک ہی تو اونٹ تھا وہ بھی تم نے گم کر دیا۔'' اور یہ کہہ کر اسے مارنا شروع کر دیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ کر مسکراتے جاتے اور فرماتے جاتے کہ ذرا اس محرم (حج کا احرام باندھنے والا) کو تو دیکھو کہ کیا کر رہا ہے۔ (مسند احمد: ۶/۳۴۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان عرفات میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا جو دنیا میں انسانی حقوق کا سب سے پہلا اور آخری چارٹر ہے۔ موجودہ اقوام متحدہ کی اسمبلی اربوں ڈالر خرچ کرنے کے بعد بھی اتنا مکمل انسانی حقوق کا چارٹر پیش نہیں کر سکی۔ خطبہ کے بعد آپ اپنی ناقہ قصواء سے اتر کر زمین پر فروکش ہوئے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے ظہر کی اذان دی اور ظہر اور عصر کی نمازیں آپ نے ایک ہی وقت ادا فرمائیں۔ اسی اثناء میں تکمیل دین کی آیت نازل ہوئی۔ مزاج شناس رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جونہی یہ آیت سنی رونے لگے۔ آپ سے رونے کی وجہ دریافت

کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اب پیغمبر اسلام کے انتقال کا وقت قریب ہے کیونکہ جس مقصد کی تکمیل کے لیے آپ تشریف لائے تھے وہ مکمل ہو گیا ہے تو اب اس دنیا میں آپ کا قیام چند روز ہی ہے۔

## جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی:

اس زمانہ کی سپر پاور سلطنت روما اسلامی ریاست کو اپنے لیے برابر خطرہ سمجھ رہی تھی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس حکومت کی ان کارروائیوں سے ہر وقت ایک دغدغہ سا لگا رہتا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ وہ اسلامی ریاست کے خلاف سر اٹھالیں۔ آپ اس خطرہ کی پیش بندی چاہتے تھے۔ چنانچہ حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام پر چڑھائی کرنے کا حکم جاری فرمایا۔ آپ اس کے لیے تجربہ کار مجاہدین جمع کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے سربرآوردہ صحابی بطور سپاہی اس لشکر میں شامل کیے گئے۔ ۲۶ صفر ۱۱ھ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں کے مقابلہ کے لیے مقام ''ابنی'' کی جانب لشکر کشی کا حکم دیا۔ یہ وہ مقام تھا جہاں جنگ موتہ میں سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہم جیسے بہادر جرنیل شہید ہوئے تھے۔ آپ نے اس لشکر کا امیر سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ ان کی عمر اس وقت اٹھارہ سال تھی۔ ان کی ماتحتی میں بڑے بڑے سربرآوردہ مہاجرین و انصار تھے۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کے تقرر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کئی محرکات تھے جن کو نگاہِ نبوت ہی بہتر جانتی تھی۔ کچھ لوگوں نے سپہ سالار کی نوعمری اور ناتجربہ کاری کے بارے میں ایسے تاثرات بیان کیے جن سے تنقید کا پہلو نکلتا تھا۔ اس پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم لوگ اسامہ رضی اللہ عنہ کی سپہ سالاری پر طعنہ زنی اور تنقید کر رہے ہو تو اس سے قبل ان کے والد زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ پر بھی یہی ریمارکس دے چکے ہو حالانکہ وہ سپہ سالاری کے اہل تھے اور میرے نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے تھے اور اسامہ رضی اللہ عنہ ان کے بعد میرے محبوب ترین لوگوں میں سے ہیں۔ (بخاری: ۲/۶۱۲، رقم: ۴۴۶۹)

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی اس لشکر کے سپاہیوں میں سے تھے لیکن انہوں نے اسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت پر کوئی اعتراض نہیں کیا کیونکہ ان کے نزدیک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کے سامنے چون و چرا کا باب بالکل بند تھا۔

لشکر کی روانگی کا آخر حکم دینے سے پہلے بدھ کے روز سے آپ ﷺ کی علالت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جمعرات کے روز علالت کے باوجود آپ ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے علم بنا کر سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کو دیا اور فرمایا کہ فوج کو پیاپے ارض فلسطین اس نقطہ پر لے جائیں جہاں بلقاء اور روم کی حدیں ملتی ہیں۔ وہاں جا کر مورچہ بندی کریں اور اس مقام کے قریب جہاں دشمنوں نے آپ کے والد کو شہید کیا تھا۔ اور یہ کہ خدا کے ان دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو صبح کی تاریکی میں گھیر لیا جائے اور اس انداز سے حملہ کریں جس سے دشمنوں کو کانوں کان خبر نہ ہو اور یہ کہ فتح یاب ہونے کے بعد نصرت اور غنیمت کی خوشی کے ساتھ جلد مدینہ واپس لوٹا جائے۔

سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ علم لے کر باہر نکلے اور اسے بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا اور فوج کو مقام ''جرف'' پر اکٹھا کیا اور جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جلد وہاں آ کر لشکر میں شامل ہو گئے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ تو سرکار دو عالم ﷺ کی تیمارداری کی وجہ سے مدینہ طیبہ واپس آ گئے جب کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر رسول اللہ ﷺ کو دیکھنے آتے تھے۔

یہ سرکار دو عالم ﷺ کا آخری سریہ تھا لیکن اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ تھا کہ یہ لشکر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کی پہلی مہم اور پہلا لشکر ہو۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے انتقال کا سن کر تمام اہل لشکر افتاں وخیزاں مدینہ منورہ واپس آئے۔ سیدنا بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے نشان لا کر حجرۂ مبارک کے دروازہ پر نصب کر دیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو سب سے پہلا کام انہوں نے یہ کیا کہ جیش اسامہ کو روانہ کیا اور مقام ''جرف'' تک خود مشایعت کے لیے تشریف لے گئے۔ چالیس روز کے بعد یہ لشکر مظفر ومنصور واپس لوٹا۔ مقابلہ میں ہر مد مقابل کو لقمۂ تیغ بنایا۔ اپنے باپ کے قاتل کو قتل کیا تا کہ دشمن مرعوب ہو۔ اس لشکر کا واپسی پر استقبال خود ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے باہر جا کر کیا۔

(زرقانی: ۳/ ۱۰۷، طبقات ابن سعد: ۲/ ۱۸۹۔۱۹۲، عیون الاثر: ۲/ ۳۰۹)

# وفات الرسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ

حجۃ الوداع میں تکمیل دین کی جو خوش خبری دی گئی تھی اس کے بعد آپ کے جذبات و احساسات اور احوال وظروف بلکہ گفتار و کردار سے بھی یہی ظاہر ہونا شروع ہو گیا تھا کہ اب آپ اس دنیا کے باسیوں کو الوداع کہنے والے ہیں۔ چنانچہ حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد سفر آخرت کی تیاری شروع ہو گئی اور رفیق اعلیٰ سے جلد ملنے کا جذبہ آپ کے دل میں موجزن ہو گیا۔ آپ کے قول وفعل سے اب یہی ظاہر ہونے لگا کہ آپ جلد اس دنیا کو خیر باد کہنے والے ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کی زیارت کی اور ان کے لیے دعا کی۔ (بخاری، رقم: ۱۳۴۴) یہود ونصاریٰ اور مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکالنے کی وصیت۔ (بخاری، رقم: ۳۰۳۵) اپنی قبر مبارک کو سجدہ گاہ بنانے سے روکنا (صحیح السیرۃ النبویہ: ص۷۱۲، بخاری، رقم: ۴۳۵) اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھنا (مسلم، رقم: ۲۸۸) نماز کی پابندی اور غلاموں سے حسن سلوک (سنن ابن ماجہ، رقم: ۲۶۹۷) یہ بتانا کہ نبوت تو ختم ہو گئی ہے صرف اچھی خوابیں (مبشرات) رہ گئی ہیں۔ (مسلم: ۱/ ۳۴۸) اور انصار کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت (بخاری، رقم: ۳۷۹۹) یہ سب باتیں بتا رہی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب اب اس دنیا میں چند روز کا مہمان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے ہوئے فرمایا تھا: ''معاذ! غالباً تم مجھ سے اس سال کے بعد نہ مل سکو گے بلکہ غالباً میری اس مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو گے۔'' پھر حجۃ الوداع کے خطبہ میں بھی ملت اسلام کے لیے اعلان فرمایا کہ شاید اب اس کے بعد تم سے نہ ملنا ہو اور شاید پھر تمہارے ساتھ حج نہ کر سکوں۔ جبرئیل امین نے اس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو مرتبہ قرآن حکیم کا دور کرایا جب کہ اس سے پیشتر آپ ہر سال ایک ہی مرتبہ دور فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اس سال دو دفعہ دور کرانے سے میں سمجھتا ہوں کہ میری اس دنیا

سے روانگی کا وقت قریب آ گیا ہے۔ ان سب باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ اس عدم ہستی نما سے ہستی عدم نما کو انتقال فرمانے والے ہیں۔

اوائل صفر سنہ ۱۱ھ میں دامن احد میں تشریف لے گئے۔ آٹھ سال کے بعد شہدائے احد پر نماز جنازہ پڑھی۔ پھر جنت البقیع تشریف لے گئے اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی اور دعا اس طرح فرمائی گویا زندوں اور مردوں سے رخصت ہو رہے ہیں۔ پھر واپس آ کر مسجد نبوی میں خطبہ دیا اور فرمایا:

''میں تمہارا امیر کارواں ہوں اور تم سے پہلے جا رہا ہوں۔ میرا تم سے حوض کوثر پر ملنے کا وعدہ ہے اور میں اس وقت حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں، اور بخدا! مجھے اپنے بعد اس بات کا اندیشہ نہیں کہ تم مجموعی طور پر سب کے سب شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے، البتہ یہ اندیشہ ضرور ہے کہ تم دنیا طلبی میں باہم مقابلہ کرو گے اور باہمی تناقض میں مبتلا ہو جاؤ گے اور آپس میں لڑو گے اور ہلاک ہو گے۔'' (بخاری: ۲/ ۵۸۵، زرقانی: ۸/ ۲۵۱)

ایک روز گورستان بقیع کے باسیوں کے لیے دعا کرنے کے بعد گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سر پکڑے درد سے کراہ رہی ہیں۔ بار بار سیدہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے ''ہائے میرا سر، ہائے میرا سر'' نکل رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ کو دیکھ کر فرمایا: ''عائشہ! بلکہ میں کہتا ہوں: ''ہائے میرا سر۔'' پھر فرمایا: ''اگر تو مجھ سے پہلے انتقال کر جائے تو تجھے کیا نقصان ہے؟ میں خود تمہاری تجہیز و تکفین کروں گا اور تجھ پر نماز جنازہ پڑھ کر تجھے دفن کروں گا۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بولیں: ''آپ کی خواہش تو یہی ہے کہ جس طرح ہو سکے مجھے سپرد خاک کر دیں اور دولت کدہ پر تشریف لا کر میری باری کسی سوکن کو مرحمت فرما دیں۔'' سیدہ رضی اللہ عنہا کا جواب سن کر آپ نے تبسم فرمایا اور خاموش ہو گئے۔ بس اسی روز سے آپ کے سر میں درد نے شدت اختیار کر لی۔ کچھ افاقہ ہوا تو سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے۔ یہ غالباً ۲۹ صفر ۱۱ھ کا واقعہ ہے۔ یہ آپ ﷺ کے مرض کا آغاز تھا۔ اس کے بعد آپ ۱۳ یا ۱۴ روز بیمار رہے۔

(زرقانی: ۸/ ۲۵۶، ابن ہشام: ۲/ ۶۴۳، البدایہ والنہایہ: ۵/ ۲۲۴)

شدت مرض کے باعث ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے اجازت لے کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے آئے اور آٹھ روز بعد سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں داعی اجل

کو لبیک کہا۔ تیرہ چودہ دن کی علالت میں آٹھ روز کی تیمارداری کا شرف سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حصہ میں آیا۔ (زرقانی: ۸/۲۵۵)

علالت نے ابتداء ہی میں بلا کی شدت اختیار کر لی جیسے جسم کا رواں رواں حرارت کا سوتا بن گیا ہو۔ تاہم جونہی حرارت میں کمی واقع ہوئی آپ مسجد میں تشریف لائے۔ نماز پڑھائی اور اس طرح ایک سے زیادہ دنوں تک نمازیں پڑھاتے رہے لیکن مسجد میں ہونے والی کسی گفتگو میں شرکت نہ فرمائی۔ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

((ان اللہ خیر عبداً بین الدنیا وبین ما عنداللہ، فاختار ذالك العبد ما عنداللہ))

''لوگو! اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا کہ وہ دنیا اور آخرت اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے کسی ایک کو اختیار کرے لیکن اللہ کے اس بندے نے اللہ کے پاس کی نعمتوں کو اختیار کیا۔''

یہ بات کہہ کر آپ تو خاموش ہو گئے لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بات کی تہ تک پہنچ گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ سب کچھ اپنے ہی بارے میں فرما رہے ہیں۔ آپ تو اب اس دنیا کو چھوڑنے والے ہیں۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! ہماری جانیں اور ہماری اولادیں آپ پر قربان ہوں، آپ ہمیں یہ کیا بات سنا رہے ہیں۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رونے سے ہمیں بہت تعجب ہوا۔ لوگوں نے کہا: ''بڑے میاں کو دیکھو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک بندے کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ اللہ نے اسے اختیار دیا کہ دنیا کی زیب و زینت یا اللہ کے پاس جو کچھ ہے، ان دونوں میں سے ایک کو اختیار کر لے، اور یہ کہہ رہے ہیں کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ لیکن چند روز کے بعد واضح ہو گیا کہ جس بندہ کو اختیار دیا گیا وہ کوئی اور نہ تھا بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے زیادہ صاحب علم تھے۔

(بخاری: ۱/۵۱۶، فتح الباری: ۷/۱۶)

اسی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسجد میں جن لوگوں کے گھروں کے دروازے ہیں وہ سب بند کر دیئے جائیں سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر کے دروازے کے۔

(بخاری، رقم: ۳۶۵۴)

فرمایا: ''میرے راستوں میں سے کسی کا احسان ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برابر نہیں۔ اگر میں خدا کی طرف سے کسی کو اپنا خلیل بنانے کا مجاز ہوتا تو میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیل بناتا لیکن از روئے اسلام باہمی رفاقت اور اخوت ایمانی تک کا اختیار ہے اور اسی حالت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری ہے۔ (بخاری، رقم:۳۶۵۴)

مسلم اور بخاری وغیرہ میں جو الفاظ ہیں ان کا مطلب کچھ یوں ہے کہ اگر میں کسی کو اپنے رب کے سوا خلیل بناتا تو ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا لیکن وہ تو میرا بھائی اور ساتھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس ساتھی کو (مجھے) اپنا خلیل بنالیا ہوا ہے۔'' (بخاری:۱/۵۱۶، مسلم:۲/۲۷۳)

خلت وہ رابطہ ہے جس میں کوئی فاصل اور حائل نہ ہو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی اور درجہ فاصل نہیں۔ آپ بلافصل اللہ کے نمائندے اور ترجمان ہیں۔ خدا کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ رابطہ خلت اوپر قائم ہے اور نیچے خلافت بلافصل ہے اور وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لیے ہے۔

زمانہ علالت میں انصار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہربانیوں کو یاد کر کے روتے تھے۔ ایک دفعہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے انصار کو روتے دیکھا تو ان سے رونے کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے کہا: ''سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتیں اور مجلسیں یاد آتی ہیں۔ ان میں سے ایک صاحب نے جا کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے انصار کا رونا بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو انصار کے بارے میں وصیت فرمائی۔

## واقعۂ قرطاس:

وفات سے چار روز قبل جمعرات کو جب آپ سخت تکلیف میں مبتلا تھے تو جو لوگ حجرۂ نبوی میں موجود تھے، انہیں فرمایا: ''کاغذ اور قلم دوات لے آؤ تاکہ میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔'' یہ سن کر وہاں موجود لوگوں میں اختلاف ہو گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے، اس لیے انہوں نے فرمایا: ''چونکہ آپ بیمار ہیں اور درد اس وقت نہایت شدید ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت بھی بہت گھبرا رہی ہے لہٰذا ایسی حالت میں آپ کو تکلیف دینا مناسب نہیں۔ ہمارے لیے اللہ کی کتاب گمراہی سے بچانے کے لیے کافی ہے۔ (حسبنا کتاب اللہ) بعض حضرات نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تائید کی اور بعض نے کہا کہ قلم دوات

منگوا کر لکھوا لینا چاہیے اور یہ کہا: ''أهجرا استفهموه'' کیا آپ ﷺ نے بیماری کی شدت اور بے ہوشی کی حالت میں (معاذ اللہ) کوئی لغو اور ہذیان کی بات کی ہے۔ خود آپ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کر لو یعنی آپ اللہ کے نبی ہیں، آپ کی زبان اور دل خطا اور غلطی سے معصوم اور مامون ہیں۔ معاذ اللہ آپ اوروں کی طرح نہیں جو بیماری کی حالت میں ادھر ادھر کی باتیں بولنے لگتے ہیں۔ (أهجر کا ترجمہ ہم نے بعض لوگوں کے اعتراض کے پیش نظر ہذیان کیا ہے حالانکہ ہمارے نزدیک اس کا ترجمہ یہ ہے کہ کیا آپ ہمیں چھوڑ کر جا رہے ہیں) جب آپس میں اختلاف کے باعث زیادہ شور و شغب ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔'' (بخاری: ۱/۲۲، ۴۲۹، ۴۴۹، ۲/ ۶۳۸، ۸۴۸، مسلم: ۲/ ۴۲، مسند احمد: ۱/ ۲۲۲)

اس روایت کی وجہ سے بعض حضرات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتے ہیں۔ اس کی بحث ہم ''سیرۃ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ'' میں کریں گے۔

کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کاغذ اور قلم دوات اس لیے منگوائی تھی کہ آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی دستاویز لکھوانی تھی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس میں رکاوٹ بنے۔ یہ بات دلائل کی روشنی میں درست نہیں ہے۔ بخاری میں ہے کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز سیدنا علی رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے۔ لوگوں نے پوچھا: ''اب سرور کائنات ﷺ کا مزاج کیسا ہے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اب حالت اطمینان بخش ہے۔'' سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ''تین روز کے بعد ہم پر کوئی اور حاکم ہوگا۔ بخدا! میں موت کے وقت خاندان عبدالمطلب کے چہرے پہچانتا ہوں۔ آؤ چلو، رسول اللہ ﷺ سے دریافت کر لیں کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا؟ اگر ہم میں سے ہوگا تو معلوم ہو جائے گا ورنہ آپ اس کو ہمارے بارے میں وصیت فرما دیں گے۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں آپ ﷺ سے اس بارے میں کچھ عرض نہیں کروں گا، بخدا! رسول اللہ ﷺ نے اگر انکار کر دیا تو پھر آئندہ کوئی امید باقی نہیں رہے گی۔'' (بخاری: ۲/ ۶۳۹، البدایہ والنہایہ: ۵/ ۲۲۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل غلط ہے کہ آپ ﷺ نے خلافت کے بارے میں کوئی وصیت فرمائی تھی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی بیماری کی حالت میں فرمایا کہ میرا ارادہ ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور اس کے فرزند (عبدالرحمٰن) کو بلانے کے لیے کسی کو بھیج دوں

اور ان کو وصیت کر دوں اور اپنا جانشین بنا دوں تا کہ کہنے والے کچھ نہ کہہ سکیں اور تمنا کرنے والے کچھ تمنا نہ کر سکیں، لیکن میں نے پھر اپنا یہ ارادہ فسخ کر دیا اور یہ کہا کہ وصیت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ انکار کرے گا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بجائے کوئی اور خلیفہ ہو اور اہل ایمان ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور کی خلافت کو قبول نہیں کریں گے۔'' (بخاری: ۲/۲/۱۰۷)

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں:

((معاذ اللہ ان یختلف الناس علی ابی بکر))

''اللہ کی پناہ! کہ لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اختلاف کریں۔''

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے بھی یہی معلو ہوتا ہے کہ اس حدیث سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت لکھوانا مراد ہے۔ اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاحکام میں اس حدیث پر جو ترجمۃ الباب رکھا ہوا ہے وہ ہے ''باب الاستخلاف۔'' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں اشارہ خلافت کی طرف ہے۔ (قسطلانی: ۱۰/ ۲۶۰، فتح الباری: ۱۳/ ۱۱۷، زرقانی: ۸/ ۲۵۷)

معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی دلی خواہش تھی کہ آپ کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں۔ لیکن آپ نے یہ معاملہ قضا و قدر اور اجماع پر چھوڑ دیا اور اس کو لکھوایا نہیں کیونکہ جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کہا: ''حسبنا کتاب اللہ'' (ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے) تو ہوسکتا ہے کہ فراست نبوی نے سمجھ لیا ہو کہ جب یہ کتاب اللہ کو کافی سمجھ رہے ہیں تو کتاب اللہ تو نبی کے بعد صدیق کا درجہ بتاتی ہے لہٰذا نبی کا جانشین اور خلیفہ صدیق رضی اللہ عنہ ہی ہوگا کوئی دوسرا نہیں ہوگا۔ پھر اسی عمر رضی اللہ عنہ نے سقیفہ بنی ساعدہ میں نبی کا جانشین صدیق ہی کو تجویز کیا جس کو سب نے تسلیم کیا۔

## سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور امامت نماز:

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ۱۳ یا ۱۴ روز بیمار رہے۔ مرض کی شدت کے باوجود وفات سے چار روز پہلے تک تمام نمازیں آپ خود ہی مسجد میں جا کر پڑھاتے رہے۔ اس روز بھی مغرب کی نماز آپ ہی نے پڑھائی اور اس میں سورت ''المرسلات'' پڑھی۔

عشاء کے وقت مرض میں شدت پیدا ہوگئی اور مسجد میں جانے کی سکت نہ رہی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟'' عرض کیا گیا: ''نہیں، یا رسول اللہ! لوگ مسجد میں بیٹھے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو تین بار مسجد میں جانے کی کوشش کی لیکن ہر بار آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ بالآخر ارشاد فرمایا: ''ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابوبکر رضی اللہ عنہ نہایت رقیق القلب آدمی ہیں، وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو وہ اپنی رقت قلبی کے باعث لوگوں کو نماز نہیں پڑھا سکیں گے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کے لیے فرمائیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چار بار یہی فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو میری طرف سے کہیں کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں یہی کہا کہ آپ عمر رضی اللہ عنہ سے کہیں کہ وہ نماز پڑھائیں لیکن ہر بار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمایا۔ بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انکن صواحب یوسف'' تم سب وہی عورتیں ہو جنہوں نے یوسف علیہ السلام کو بہلانے پھسلانے کی کوشش کی تھی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ (بخاری: ۱/۹۹)

''انکن صواحب یوسف'' تم سب یوسف والیاں ہو، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں کی طرف اشارہ فرمایا جو عزیز مصر کی بیوی کو سیدنا یوسف علیہ السلام کے عشق میں بری طرح گرفتار ہونے پر ملامت کر رہی تھیں لیکن جب انہوں نے خود یوسف علیہ السلام کا ایک ہی جلوہ دیکھا تو اپنی انگلیاں کاٹ لیں۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ در پردہ وہ خود بھی سیدنا یوسف علیہ السلام پر فریفتہ تھیں یعنی زبان سے کچھ کہہ رہی تھیں لیکن دل کی اتھاہ گہرائیوں میں کچھ اور ہی جذبہ کروٹیں لے رہا تھا۔ یہاں بھی یہی معاملہ تھا۔ بظاہر تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا جا رہا تھا کہ ابوبکر رقیق القلب آدمی ہیں، جب وہ آپ کے مصلی پر کھڑے ہوں گے تو گریہ و بکا کی وجہ سے قراءت نہیں کر سکیں گے لیکن دل میں یہ بات پوشیدہ تھی کہ اگر خدانخواستہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی مرض میں انتقال ہو گیا تو لوگوں کے دلوں میں ہو سکتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بدشگونی کا خیال پیدا ہو۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ گذارش ان کی اپنی نہیں تھی بلکہ دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی ان کے ساتھ شریک تھیں۔ اس لیے آپ نے فرمایا: ''تم یوسف والیاں ہو۔''

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تین دن تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برابر نماز پڑھاتے رہے۔ ہفتہ یا اتوار کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طبیعت میں قدرے افاقہ محسوس کیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سہارے مسجد میں تشریف لائے۔ اس وقت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھا رہے تھے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے

گئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹیں اور لانے والوں سے فرمایا کہ مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بائیں جانب بٹھا دیا جائے۔ چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی۔ اس کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مقتدی اور رسول اللہ ﷺ امام ہو گئے۔ یعنی باقی ماندہ نماز لوگوں کو آپ ﷺ نے پڑھائی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تکبیریں سنا رہے تھے۔

(بخاری: ۱/ ۹۸، ۶۹۳/۲، نووی شرح مسلم: ۱/ ۱۷۹، فتح الباری: ۲/ ۱۲۴)

احادیث میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بائیں جانب جا کر بیٹھ گئے اور آپ ﷺ اب امام ہو گئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ مقتدی، تو آپ ﷺ نے وہیں سے قراءت شروع کی جہاں تک ابوبکر رضی اللہ عنہ قراءت کر چکے تھے۔

(ابن ماجہ: ۸۸، مسند احمد: ۱/ ۲۳۲، طحاوی: ۱/ ۱۹۷، سنن کبریٰ بیہقی: ۳/ ۸۱)

اس سے ثابت ہوا کہ نماز میں سورت فاتحہ کی قراءت واجب نہیں ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیر کے روز بظاہر طبیعت کو کچھ سکون محسوس ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز فجر میں مصروف تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ امامت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مسجد سے ملا ہوا تھا۔ آپ نے حجرہ کا پردہ ہٹا کر مسجد میں دیکھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نماز فجر میں مشغول ہیں، اپنے رب کے سامنے کھڑے اپنے عجز و نیاز کا اظہار کر رہے ہیں۔ آپ دیکھ کر خوش ہوئے کہ ان کی ۲۳ سالہ دعوت و جہاد کا پودا کس طرح ثمر آور ہوا ہے۔ اس منظر کو دیکھ کر آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔ یہ کامیابی اس سے قبل کسی نبی اور رسول کو حاصل نہیں ہوئی تھی۔ آپ ﷺ کو اطمینان ہو گیا کہ یہ امت اللہ کی عبادت میں مصروف ہے۔ اب پیغمبر اس دنیا سے انتقال بھی کر جائے تو ان کی عبادت الٰہی میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا۔ اس تصور سے آپ نہایت خوش ہوئے اور آپ کا رخ انور خوشی سے تمتما اٹھا۔ آپ نے خوشی سے تبسم فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آہٹ پا کر سمجھا کہ آپ باہر مسجد میں تشریف لانا چاہتے ہیں۔ (السیرۃ النبویہ لابی الحسن علی الندوی: ص ۴۰۱)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی ایڑی کے بل پیچھے ہٹنا چاہا لیکن آپ ﷺ نے اشارہ سے روک دیا۔ لوگ فرط مسرت سے بے قابو ہو گئے اور قریب تھا کہ نماز ٹوٹ جائے لیکن سرکار دو عالم ﷺ نے اشارہ سے فرمایا اپنی نماز پوری کرلو۔ پھر آپ ﷺ نے حجرہ میں داخل ہو کر پردہ گرا دیا۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ کی طبیعت میں اس قدر ضعف تھا کہ پردہ بھی اچھی

طرح نہ گرا سکے۔ (مسلم: ۱/ ۱۶۷)

یہ سب سے آخری موقع تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رخ انور کی زیارت کی۔ چہرہ انور کا یہ حال تھا کہ گویا مصحف کا ایک ورق ہے یعنی بالکل سفید ہو گیا تھا۔

(مسلم: ۱/ ۱۶۷، بخاری: ۱/ ۹۴، رقم: ۴۴۴۸، البدایہ والنہایہ: ۵/ ۲۴۴)

بعض حضرات کے نزدیک سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سترہ نمازیں پڑھائیں، لیکن محقق سیرۃ نگاروں کا قول ہے کہ آپ نے لوگوں کو ۲۱ نمازیں پڑھائیں۔ ان اکیس نمازوں میں وہ نماز بھی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بائیں پہلو میں بیٹھ کر تمام لوگوں کو خود نماز پڑھائی۔ ان نمازوں میں وہ نماز بھی ہے جس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں جا کر جماعت میں شامل ہوئے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بدستور امام جماعت رہے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس بیماری میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی۔ (البدایہ والنہایہ: ۵/ ۲۳۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اتنی تاکید فرمانا بڑا معنی خیز اور پر حکمت معاملہ ہے۔ آپ مسلمانوں کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ جس طرح میری موجودگی میں امامت میں خلیفہ اور جانشین ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے اسی طرح میری وفات کے بعد بھی میرا خلیفہ اور جانشین ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ان کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرتے ہوئے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ دونوں نے یہ کہا کہ جس شخص کو خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں امامت کے مصلی پر کھڑا کیا ہے، اس کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بات پر اتفاق کرتے ہوئے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز فجر سے فارغ ہو کر سیدھے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر سیدہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اب قدرے سکون اور افاقہ ہے، اور جو بے چینی طبیعت میں پہلے تھی وہ اب نہیں رہی کیونکہ اس سے قبل آپ کی طبیعت میں بہت کرب اور بے چینی تھی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی بے چینی کو دیکھ کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بے ساختہ پکار اٹھی تھیں: ''ہائے ابا جان کی تکلیف اور بے چینی۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: ''تمہارے ابا کو آج کے بعد کوئی تکلیف اور بے چینی نہیں ہوگی۔'' (بخاری: ۲/ ۶۴۱)

اس افاقہ اور سکون کو دیکھ کر مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ رو بہ صحت ہو رہے ہیں۔ وہ آپ ﷺ کی اس حالت کو دیکھ کر کافی مطمئن ہوئے حتیٰ کہ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے حاضر خدمت ہو کر اپنے لشکر کو شام لے جانے کی اجازت طلب کی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی عرض کی: ''یارسول اللہ! میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ ﷺ کی صحت اللہ کے فضل و کرم سے اچھی ہو رہی ہے۔ میری ایک اہلیہ حبیبہ بنت خارجہ کی باری کا دن ہے، اگر اجازت ہو تو میں اس کے پاس سے ہو آؤں اور میں اسے آپ ﷺ کی صحت کی بھی خوش خبری دے آؤں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اجازت مرحمت فرما دی اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مقام ''سخ'' جو حوالی مدینہ میں تھا، یہ مژدہ جاں فزا سنانے کے لیے تشریف لے گئے۔ دوسرے لوگوں کو بھی یہ پتہ چلا کہ سرکار دو عالم ﷺ کو قدرے سکون اور افاقہ ہے تو وہ بھی ایک ایک کر کے اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بھی حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا سے باہر آ گئے۔ لوگوں نے ان سے آپ کے مزاج کے بارے میں دریافت کیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بحمد اللہ آپ ﷺ اچھے ہیں۔ لوگ آپ کے اس جواب سے مطمئن ہو گئے۔ پھر طبیعت جو یک دم خراب ہوئی تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ اب آخری لمحات ہیں۔ عالم نزع شروع ہو گیا ہے۔ کرب اور بے چینی کا وقت ختم ہونے والا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی اپنے اوپر ٹیک لگوا دی۔ اتنی دیر میں سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی سیدنا عبدالرحمٰن ہاتھ میں مسواک لیے آ گئے۔ آپ ﷺ اس کی طرف دیکھنے لگے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: ''یارسول اللہ! کیا آپ کے لیے مسواک لے لوں؟'' آپ ﷺ نے سر سے اشارہ فرمایا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے مسواک لے کر آپ کو دی۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے اسے اپنے دانتوں سے نرم کیا اور آپ کو دی۔ آپ نے نہایت اچھے طریقے سے مسواک کی۔

اس وجہ سے سیدہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ اللہ کی ایک نعمت مجھ پر یہ ہے کہ میرے گھر میں میری باری کے دن میرے سینہ اور میری ہنسلی کے درمیان ٹیک لگائے رسول اللہ ﷺ نے اپنی جان جان آفرین کے سپرد فرمائی اور آپ ﷺ کی وفات کے وقت اللہ نے میرا لعاب دہن آپ کے لعاب دہن سے اکٹھا کر دیا۔ آپ کے سامنے لگن میں پانی تھا۔ آپ اس پانی میں دونوں ہاتھ ڈال کر چہرہ مبارک پر پھیرتے تھے اور فرماتے جاتے تھے: لا الله الا الله، ان للموت سکرات یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، بے شک موت کی بڑی سختیاں ہیں۔ مسواک سے فارغ ہو کر آپ نے ہاتھ یا انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور چھت کی طرف بلند کی اور دونوں ہونٹ ہلے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کان لگا کر سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: ''ان انبیاء، صدیقین اور صالحین کے ساتھ جن پر تو نے اپنا انعام فرمایا، اے اللہ! مجھے بخش دے۔ مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ میں پہنچا دے۔'' آخری فقرہ آپ نے تین بار دہرایا اور اسی وقت ہاتھ جھک گیا اور آپ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دفعتاً محسوس ہوا کہ میری آغوش بوجھ سے دبی جا رہی ہے میں نے رخ انور پر نظر ڈالی تو آنکھیں پتھرائی جا رہی تھیں یہاں تک کہ آپ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللھم صل وسلم دائماً ابداً
علیٰ حبیبك خیر الخلق کلھم

وہ ہستی دنیا سے رخصت ہوئی جس نے انسانیت کو حیات نو سے مالا مال کیا جس نے ظلم واستبداد میں دبی ہوئی انسانیت کو نہ صرف ظلموں سے چھٹکارا بخشا بلکہ اوج ثریا پر پہنچا دیا۔ جس نے زندگی کے قافلے کو رہزنوں کے نرغے سے نکال کر امن وسلامتی کے صراط مستقیم پر ڈال دیا۔ اس کام کے لیے برگزیدہ ہستی نے سنگین مراحل کاٹے، خوفناک اذیتیں سہیں، مشکلات کے پہاڑ کاٹے لیکن کسی سے کوئی صلہ وصول نہیں کیا۔

## انتقال کے وقت صحابہ رضی اللہ عنہم کی حالت:

اس روح فرسا، جان گداز اور قیامت خیز خبر نے تمام اہل مدینہ کو اس قدر متاثر کیا کہ ان سب کے ہوش اڑ گئے۔ ان پر کوہ غم ٹوٹ پڑا، تمام عالم ان کے لیے تاریک ہو گیا ہر ایک صحابی غم سے نڈھال تھا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا ہو گیا ہے۔ روز روشن میں مدینہ طیبہ میں انہیں اب ہر طرف تاریکی نظر آنے لگی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی حالت کچھ عجیب تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سنتے ہی ان کے ہوش اڑ گئے۔ وہ برہنہ تلوار ہاتھ میں لیے مسجد میں ادھر ادھر پھر رہے تھے، کسی کی مجال نہ تھی کہ ان کے سامنے یہ کہہ سکے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعی انتقال ہو گیا ہے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر سخ تشریف لے گئے تھے۔ ابھی وہ اپنے مکان پر پہنچے ہی تھے کہ یہ جان گداز خبر ان کو مل گئی۔ وہ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ واپس پہنچے۔ مسجد نبوی کے دروازے پر گھوڑے سے اترے اور نہایت ہی غمگین حالت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی طرف بڑھے۔ حجرہ میں داخل ہو کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چہرۂ انور سے چادر

کو بتایا اور آپ کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور یہ کہا: وانبیاہ، واخلیلاہ، واصفیاہ۔ تین مرتبہ یہ الفاظ دہرائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تو کہا تھا کہ رسول اللہ پر جو حالت طاری ہوئی ہے وہ موت نہیں لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی پیشانی کو بوسہ دے کر فرمایا

''میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ موت وحیات دونوں کیفیتوں میں کیسے پاکیزہ تھے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتوں کا ذائقہ کبھی نہیں چکھائے گا۔'' (بخاری:۱/ ۵۱۷، ۲/ ۶۴۰)

پھر فرمایا ''جو موت اللہ نے آپ کے لکھی تھی وہ آپ پر وارد ہوگئی۔'' (بخاری:۱/ ۱۶۶)

## وفات نبوی پر خطبۂ صدیقی:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت حیرت ہو رہی تھی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آتے ہی اس بات کو بھانپ لیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس وارفتگی کی حالت میں دیکھ کر آپ نے فرمایا: ''عمر! بیٹھ جاؤ۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر اس وقت کچھ عجیب کیفیت طاری تھی۔ اس لیے وہ نہیں بیٹھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ منبر نبوی پر بیٹھ گئے اور لوگوں کو خاموش ہو کر بیٹھنے کے لیے کہا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''لوگو! جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں اسے نہایت غور سے سنیں۔ اس وقت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہم پلہ کون ہو سکتا تھا جو سرکار دو عالم ﷺ کے ایسے مصدق تھے کہ اگر آپ کسی کو خلیل بناتے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا اس خلت کا اور کوئی مستحق نہ ہوتا۔ اس لیے تمام لوگ ہمہ تن گوش ہو کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ارشادات سننے کے لیے بیٹھ گئے۔ آپ نے حمد وثنا کے بعد فرمایا:

''لوگو! جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کیا کرتا تھا اسے جان لینا چاہیے کہ محمد ﷺ تو وفات پا گئے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتا تھا وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور اس پر کبھی موت نہ آئے گی، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''محمد (ﷺ) نہیں ہیں مگر اللہ کے ایک رسول، جیسے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں، سو اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا شہید کر دیے جائیں تو کیا پھر جاؤ گے تم الٹے پاؤں (دین

اسلام سے؟) اور جو کوئی الٹے پاؤں پھر جائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا، اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔''

(بخاری: ۲/۶۴۰)

اس کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی آپ نے ارشاد فرمائیں جن کو علامہ زرقانی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ (زرقانی: ۸/۲۸۰، البدایہ والنہایہ: ۵/۲۴۳)

لوگوں کا رخ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اب نہایت خاموشی سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی باتیں سننے لگے۔ جب انہوں نے قرآنی آیات پڑھیں تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاؤں لڑکھڑا گئے۔ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا یقین ہو گیا۔ (تفسیر قرطبی: ۴/۲۲۳)

سیدنا سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''خدا کی قسم! میں نے جونہی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا میں نہایت دہشت زدہ اور متحیر ہو کر رہ گیا یہاں تک کہ میرے پاؤں میرا بوجھ نہیں اٹھا رہے تھے، اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس آیت کی تلاوت کرتے سن کر میں زمین پر گر پڑا کیونکہ مجھے یقین ہو گیا کہ واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی ہے۔

(بخاری: ۲/۶۴۱)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تقریر کے اختتام پر لوگ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے اور مستقبل کا انتظار کرنے لگے۔ (تفسیر قرطبی: ۴/۲۲۲، العواصم من القواصم: ص ۳۸)

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات امت کے لیے ایک بڑا روح فرسا اور جان گداز حادثہ تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خطبہ نے انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ حی لا یموت ہے اور وہ اپنی ذات وصفات میں وحدہ لا شریک ہے اور وہی مستحق عبادت ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد بھی دین اسلام قائم رہے گا جیسا کہ امام بیہقی نے اس بارے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے۔

(دلائل النبوۃ: ۷/۲۱۸، استخلاف ابوبکر الصدیق، جمال عبدالہادی: ص ۱۶۰، ابوبکر رجل الدولۃ، مجدی حمدی: ص ۲۵)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین کے بعد فیصلہ یہ ہوا کہ جہاں آپ کا جسد اطہر پڑا ہوا ہے

وہیں آپ کی قبر مبارک کھودی جائے۔ کفن معمول کے بُنے ہوئے تین کپڑوں میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا۔ اس میں قمیص اور عمامہ نہ تھا۔ چادریں یمن کی بنی ہوئی تھیں۔ ایک چادر دھاری دار تھی۔ تکفین سے فارغ ہوکر جسد اطہر کو زیارت کے لیے رکھ دیا گیا۔ زائرین مسجد سے گزر کر آپ کے آخری دیدار کے لیے آنے لگے اور درود و سلام کا ہدیہ بارگاہ نبوت میں پیش کرتے ہوئے اشک بار آنکھوں سے لوٹتے تھے۔ (بخاری: ۱/ ۱۶۹، مسلم: ۱/ ۳۰۶)

تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد جسد اطہر قبر کے کنارے پر رکھ دیا گیا۔ اب ایک ایک گروہ حجرۂ مبارکہ میں آتا تھا اور تنہا نماز جنازہ پڑھ کر باہر آجاتا تھا۔ ان میں کوئی امامت نہ کراتا۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے خود ہی ایسی نماز جنازہ کا بتایا تھا۔

(ملاحظہ ہو شرح شمائل للمناوی: ۲/ ۲۷۴، زرقانی: ۸/ ۲۹۱، زرقانی شرح الموطا: ۲/ ۱۶)

اس طریقہ سے قریباً چالیس ہزار لوگوں نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی۔

(زرقانی: ۸/ ۲۹۱)

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک گروہ کے ساتھ حجرۂ مبارکہ میں داخل ہوئے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کے سامنے کھڑے ہوکر یہ پڑھا:

''السلام علیك ایها النبی و رحمة، اللهم انا نشهد انه قدبلغ ما انزل الیه ونصح لامته وجاهد فی سبیل الله حتی اعز الله دینه وتمت کلمته، فاجعلنا یا الٰهنا ممن یتبع القول الذی انزل مع واجمع بیننا وبینه حتی یعرفنا معرفة فانه کان بالمومنین رؤفاً رحیماً، لانبتغی بالایمان بدلاً، ولا نشتری به ثمناً'' (البدایہ والنہایہ: ۵/ ۲۶۵)

''اے اللہ کے نبی آپ پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔ ہم اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے وہ سب کچھ ہمیں پہنچا دیا جو آپ پر نازل کیا گیا۔ آپ نے امت کی ہمیشہ خیر خواہی کی اور اللہ کے راستہ میں ہمیشہ جہاد کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو عزت بخشی اور اس کا کلمہ بلند اور تام ہوا۔ اے اللہ! ہمیں ان لوگوں میں سے کردے جنہوں نے آپ کی نازل کردہ وحی کی اطاعت کی، اور ہمیں آپ کے ساتھ جمع فرمادے تاکہ آپ ہم کو اور ہم آپ کو پہچانیں۔ آپ اے اللہ کے رسول! مسلمانوں پر بڑے مہربان تھے۔ ہم نہ تو اپنے ایمان کا کوئی بدل

چاہتے ہیں اور نہ ہی اس کی کوئی قیمت۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جب حجرہ مبارکہ میں کھڑے ہو کر یہ کلمات پڑھ رہے تھے تو آپ کے ہر جملہ پر موجود حضرات صدق زبان سے اس کی تائید کرتے ہوئے آمین کہہ رہے تھے۔

جب سب عورتیں اور بچے آپ کے آخری دیدار سے فارغ ہو گئے تو اب آپ کی تدفین پر توجہ دی گئی۔ جو حضرات غسل میں شریک تھے انہوں نے ہی اپنے ہاتھوں جسد اطہر کو قبر میں رکھا اور اس پر مٹی ڈال دی گئی۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بدھ کے روز آدھی رات کے وقت آپ کی تدفین سے فارغ ہو کر حالات سے خائف اور خون کے آنسو روتے ہوئے گھروں کو واپس لوٹے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کرنے کے بعد ابھی ہاتھ جھاڑے نہیں تھے کہ تمام مدینہ میں ہمیں اندھیرا نظر آنے لگا اور مدینہ کی ہر شے تاریک ہوگئی۔

(جامع الاصول: ۴۰۳/۹، شمائل ترمذی، رقم: ۳۷۴، ترمذی، رقم: ۳۸۲۲)

نفسی الفداء بقبر انت ساکنه

خیر العفاف وفیه الجود والکرم

# سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ کی حیثیت سے

## سقیفہ بنی ساعدہ میں اجتماع:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے ساتھ ہی سقیفہ بنی ساعدہ میں جو انصار کا دار الندوہ تھا، انصار کا اجتماع ہوا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین کی بحث چھڑ گئی۔ ان کا خیال تھا کہ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ رئیس خزرج کو خلیفہ رسول ہونا چاہیے۔ بعض نے یہ بھی کہا کہ دو امیر ہوں، ایک انصار سے اور ایک مہاجرین میں سے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے جانگداز واقعہ کے تھوڑی دیر بعد ایک شخص سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس یہ خبر لایا کہ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کو اکٹھا کیا ہوا ہے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا مسئلہ درپیش ہے۔ خبر دینے والے نے یہ بھی بتایا کہ اگر آپ دونوں حضرات کو امت کی مصلحت پیش نظر ہے تو قبل اس کے کہ انصار اس بارے میں کوئی فیصلہ کریں فوری طور پر وہاں پہنچ جایئے۔ ادھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر تجہیز کے بغیر چارپائی پر رکھا ہوا تھا۔

بعض روایات میں ہے کہ ایک شخص نے دیوار کے پیچھے سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو آواز دی اور ان کو باہر بلا کر انصار کے اس اجتماع کے بارے میں بتایا۔ اس کی یہ بات سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کان میں یہ بات کہی اور وہ دونوں سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ (فتح الباری: ۲۳/۷)

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سقیفہ گئے تھے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ اندیشہ تھا کہ مبادا انصار عجلت میں کسی شخص کے

ہاتھ پر بیعت نہ کر بیٹھیں اور بعد میں وہ فتنہ کا سبب اور مسلمانوں کے لیے مصیبت کا باعث نہ بن جائے۔ لہٰذا یہ دونوں حضرات فوری طور پر وہاں سے سقیفہ روانہ ہو گئے۔ ادھر سے دو نیک فطرت انصار تشریف لا رہے تھے۔ یہ دو حضرات سیدنا عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ تھے۔ انصار نے ان کو اپنی مجلس سے نکال دیا تھا اور کہا تھا کہ جو تمہارا ارادہ ہے اس پر یہاں ہرگز عمل نہیں ہو سکے گا۔ ان دونوں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سقیفہ میں جانے سے روکنے کی کوشش کی۔ مختصر یہ کہ یہ دونوں حضرات اور دوسری روایت کے مطابق تینوں حضرات فوری طور پر سقیفہ بنی ساعدہ تشریف لے گئے وہاں جا کر انہوں نے دیکھا کہ انصار سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں اور بعض انصار یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر مہاجرین میں سے ہو۔ انصار کا گمان یہ تھا کہ خلافت کا استحقاق ان کا ہے اس لیے کہ انصار نے دین کی نصرت کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاں پناہ دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر اللہ کے دشمنوں سے جہاد و قتال کیا۔ یہ تینوں حضرات انصار کی یہ گفتگو سن کر حیرت زدہ ہو گئے اور کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئے۔

(التاریخ الاسلامی: ۹/۲۱، عصر الخلافۃ الراشدۃ للعمری: ص ۴۰)

سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ مریض ہونے کے باوجود کمبل اوڑھے مجلس کے درمیان بیٹھے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''یہ صاحب کون ہیں؟'' لوگوں نے بتایا: ''سعد بن عبادہ ہیں۔'' یہ تینوں حضرات بھی انصار کے درمیان میں بیٹھ گئے۔ اب سب لوگ حیران تھے کہ پتہ نہیں کیا ہونے والا ہے اس اجتماع کا کیا نتیجہ نکلے گا کیونکہ اب مہاجرین کے بھی تین سربرآوردہ حضرات آ گئے تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ایک تقریر کی جس کا خلاصہ یہ ہے:

''ہم انصار اللہ کے دین کی نصرت کرنے والے ہیں، اور اے مہاجرین! تم اقلیت میں ہو اور ہم اکثریت میں ہیں۔ تم لوگ ہمارے ہاں پناہ گزین ہوئے لیکن اب تم ہمارا حق خلافت ہم سے غصب کرنا چاہتے ہو۔ اے گروہ انصار! تمہیں اسلام میں ایسی فضیلت اور سبقت حاصل ہے جو عرب میں سوائے تمہارے اور کسی کو حاصل نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ (۱۳) برس تک اپنی قوم میں دین کی دعوت دیتے رہے لیکن بہت کم لوگ آپ پر ایمان لائے۔ وہ اتنے کمزور تھے کہ نہ وہ اپنی حفاظت کر

سکتے تھے اور نہ ہی دین کو سر بلند کر سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فضیلت دینے کے لیے تمہیں ایمان لانے کی توفیق دی اور نبوت اور اس کے اصحاب کی حفاظت تم سے کروائی۔ تم نے خدا کے دشمنوں سے جہاد کیا یہاں تک کہ تمام عرب حکم خداوندی کے سامنے جھک گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو وفات دی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے انتقال فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں سے راضی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں تم سے ٹھنڈی تھیں۔ پس تم اس منصب خلافت کو حاصل کرو۔ یہ تمہارا ہی حق ہے اوروں کا نہیں۔'' (ابن اثیر: ۲/ ۳۳۶)

اس تقریر کی بعض حاضرین نے بڑی تحسین کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ کچھ بولیں لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر کہ اے عمر! ٹھہرو، خاموش کر دیا۔ (طبری: ۲/ ۴۴۶)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس مجلس میں کہنے کے لیے کچھ باتیں سوچ رکھی تھیں، چنانچہ جب میں اپنی سوچی ہوئی باتیں کہنے کے لیے اٹھا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے بولنے نہیں دیا۔ اب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خود اٹھے اور اپنی تقریر کی ابتداء میں مہاجرین کے فضائل بیان فرمائے۔ دین میں ان کی سبقت کو اجاگر کیا۔ پھر ان پر جو مصائب ڈھائے گئے ان کا تذکرہ فرمایا اور بتایا کہ ان مصائب اور مظالم کے باوجود بھی انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑا۔ پھر فرمایا:

''یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اولیاء اور قرابت دار ہیں اور یہی لوگ آپ کے بعد امر خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ اس امر میں سوائے ظالم کے اور کوئی ان سے نہیں جھگڑ سکتا۔''

پھر آپ نے گروہ انصار کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تمہاری فضیلت اور دین میں تمہاری سبقت کا کسی کو انکار نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پسند فرمایا اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے دین کا معین و مددگار بنایا اور اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہاری طرف ہجرت کروائی، لہٰذا مہاجرین اولین کے بعد ہمارے نزدیک تمہارا مرتبہ ہے۔ پس ہم امیر ہوں گے اور تم ہمارے وزیر ہو گے۔ بغیر تمہارے مشورے کے امور انجام نہیں دیئے جائیں گے۔ (ابن اثیر: ۲/ ۳۲۸۔۳۲۹)

تقریر کے اختتام پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میری رائے یہ ہے کہ خلافت و امامت کے لیے دو آدمی پسندیدہ اور صاحب اہلیت ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ اور ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ۔

ان میں سے جس کے ہاتھ پر بھی بیعت کرلو گے وہ تمہارا قابل وثوق اور قابل اطمینان امیر ہوگا۔''

(کنز العمال: ۳/ ۱۳۹)

اس پر سیدنا حباب بن المنذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

**((الائمة من قریش))**

''یعنی خلفاء اور امراء قریش میں سے ہوں گے۔''

(کنز العمال: ۲/ ۳۱۹، طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۸۲)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا نام بطور خلیفہ کے تجویز کیا تو ان دونوں حضرات نے کہا کہ ہم یہ معاملہ آپ کے سپرد کرتے ہیں:

''اس لیے کہ آپ تمام مہاجرین میں افضل ہیں اور نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں اور نماز مسلمانوں کے دین کا سب سے افضل رکن ہے۔ آپ ہاتھ بڑھایئے ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں'' اور سیدنا بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سے آگے بڑھ کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔''

(ابن اثیر: ۲/ ۲۳۰، طبری: ۲/ ۴۵۸، البدایہ والنہایہ: ۵/ ۲۴۷)

بخاری میں یہ ساری روئیداد سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی زبان سے منقول ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے لیے میرا نام پیش کیا تو مجھے یہ بہت ناگوار گزرا۔ بخدا! بغیر کسی گناہ کے اگر میری گردن اڑا دی جاتی تو یہ بات میرے لیے بہت آسان تھی بہ نسبت اس کے کہ میں ایک ایسی قوم کا خلیفہ اور امیر بنتا جس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود ہوں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دوسرا نام ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا لیا۔ بعض لوگوں نے ان سے بیعت کرنا چاہی تو انہوں نے فرمایا: ''تم لوگ میرے پاس آتے ہو حالانکہ تم میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود ہیں۔''

(بخاری: ۲/ ۱۰۰۹، طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۸۱)

بخاری وغیرہ میں ہے کہ سب سے پہلے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پیش قدمی کر کے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں کیونکہ آپ ہم سب سے افضل ہیں اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی سے زیادہ محبت فرماتے تھے یہ کہہ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور آپ کی بیعت کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بیعت کرنا

تھی کہ تمام مہاجرین وانصار نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ (بخاری: ۱، ۵۱۸، ۲: ۱۰۰۹)

ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ جب انصار نے یہ کہا کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے ہو تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے گروہ انصار! تمہیں پتہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امامت کرنے کا حکم دیا۔ پس تم میں سے کون ہے جو ابوبکر رضی اللہ عنہ پر پیش قدمی کرنا پسند کرے۔ انصار نے کہا ''اللہ کی پناہ کہ ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ پر پیش قدمی کریں۔''

(رواہ النسائی وابویعلی والحاکم وصححہ، شرح الشمائل: ۲: ۲۱۹)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تقریر اگرچہ نہایت پُرتلی اور جامع تھی لیکن ایک انصار نے ذرا جذباتی تقریر کی جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تقریر کے خلاف تھی۔ سیدنا حباب بن المنذر رضی اللہ عنہ نے اس انصار کی تائید میں اور زیادہ جوشیلی تقریر کر دی۔ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ برداشت نہ کر سکے۔ وہ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی تقریر کے جواب میں بھی اٹھنا چاہتے تھے لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں روک دیا تھا۔ اب وہ اٹھے اور یوں گویا ہوئے:

''بھائیو! ایک تلوار میں دو نیامیں نہیں سما سکتیں، لہٰذا دو امیروں والی تجویز تو ناقابل عمل ہے۔ باقی رہی تمہاری امارت کی بات تو عرب تمہاری امارت کو کبھی تسلیم نہیں کریں گے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق تمہارے قبیلے سے نہیں تھا۔ البتہ اگر امارت کی باگ ڈور ان لوگوں کے ہاتھ میں ہو جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تھی تو انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ اور یہ بات ذہن میں رکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کے مسئلہ پر کوئی شخص ہم سے جھگڑا نہیں کرے گا کیونکہ ہم آپ کے معاون و مددگار بھی تھے اور آپ کے رشتے دار بھی۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تو یہ کہہ کر بیٹھ گئے لیکن حباب بن المنذر رضی اللہ عنہ ان باتوں کا جواب دینے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا حباب رضی اللہ عنہ کے مابین کچھ تلخ کلامی ہو گئی۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جو اب تک خاموش تھے، وہ اب اٹھے اور فرمایا:

''اے گروہ انصار! تم ہی وہ لوگ ہو جو اس دین کی حمایت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کے لیے اٹھے اور اپنے آپ کو سب سے پہلے اس کے لیے پیش کیا تھا۔ اب تم ہی سب سے پہلے اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہے ہو۔ یہ بات تمہیں ہرگز زیب نہیں دیتی۔''

سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ انصار کے دلوں میں اتر گئے اور قبیلہ خزرج کے اہم صحابی بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ اٹھے اور انہوں نے بھی نہایت اثر انگیز باتیں کیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی باتیں سن کر انصار کی طرف دیکھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑے ماہر نفسیات تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ قبیلہ اوس کے کچھ لوگ آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کر رہے ہیں۔ قبیلہ خزرج کے لوگوں پر بھی بشیر کی باتوں کا اثر ہوا ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل میں امید کی ایک لہر پیدا ہوئی۔ کچھ عرصہ کی خاموشی کے بعد سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ یا اور کسی انصاری کی بابت خلیفہ بنانے کے بارے میں کوئی بات نہ سنی گئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوہا اب گرم ہے اس لیے اب اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے بلند آواز سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا:

''ابوبکر اپنا ہاتھ بڑھایئے ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ سب سے پہلے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے بیعت کی۔ ان دونوں کے بعد خزرج کے سردار اور سیدنا بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے بیعت کی۔ پھر تمام مہاجرین وانصار نے آپ کے ہاتھ پر برضا ورغبت بیعت کرلی۔ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بیعت نہیں کی لیکن بعض روایات میں ان کا بیعت کرنا بھی آیا ہے۔''

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، بخاری، رقم: ۶۸۳۰، کتاب الحدود، مسند احمد: ۱/ ۵، الخلافۃ والخلفاء الہمذوی: ص ۵۰)

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب انصار کے فضائل بیان فرمائے اور فرمایا خلافت قریش ہی میں ہوگی کیونکہ یہ فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے تو اس پر سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''آپ نے سچ فرمایا، ہم وزراء ہیں اور تم لوگ (قریش) امراء ہو۔''

(مسند احمد: ۱/ ۵)

## بیعت عامہ:

سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار ومہاجرین میں سے جو لوگ موجود تھے ان سب نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلی، لیکن یہ صرف چند لوگ تھے۔ سقیفہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عباس رضی اللہ عنہ،

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود نہ تھے۔ خاندان نبوت سے تعلق رکھنے والے حضرات تو تجہیز وتکفین میں مصروف تھے لہٰذا ضروری تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکفین کے بعد مسجد نبوی میں بیعت عامہ ہو۔ چنانچہ وفات نبوی کے دوسرے روز بروز سہ شنبہ ۱۳ ربیع الاول ۱۱ھ مطابق ۲۸ ستمبر ۶۳۲ھ مسجد نبوی میں بیعت عامہ کا اہتمام کیا گیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے۔ اس وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ سب سے پہلے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اس وقت مسجد نبوی اور باہر کا میدان بھرا ہوا تھا۔ کوئی ۳۳ ہزار کے نزدیک لوگ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس وقت موجود تھے۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لیے کہا، اس وقت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نیچے تشریف فرما تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا کہ منبر پر تشریف لائیے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموش بیٹھے رہے۔ آخر جب کئی مرتبہ کہا تو آپ منبر پر تشریف لائے اور تمام موجود افراد اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (بخاری: ۱۰۷۲/۲)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الانصار فی العصر الراشدین، حامد محمد الخلیفہ: ص ۱۰۸، الخلافۃ راشدہ للعمری: ص ۱۳، تاریخ الخلفاء سیوطی: ص ۹۱، استخلاف ابی بکر، جمال عبدالھادی: ص ۵۰۔ ۵۳، الخلافۃ والخلفاء الراشدین، سالم البھنساوی: ص ۴۸، سیر اعلام النبلاء: ۲۷۷/۱)

## کیا بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی؟

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ بعض بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی۔ یہ درست ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں رئیس خزرج سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس وقت بیعت نہیں کی تھی اور وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنے مکان پر چلے گئے، لیکن بعد میں انہوں نے بھی بیعت کر لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکفین کے دوسرے روز مسجد نبوی میں قریباً ۳۳ ہزار لوگوں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی بیعت کی۔ اس میں تمام بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بنو ہاشم کے حضرات شامل تھے۔

یعقوبی نے لکھا ہے کہ

''مہاجرین وانصار کے بعض افراد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت عامہ میں شریک نہیں

ہوئے۔ ان حضرات کا رجحان سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی جانب تھا۔ ان میں معروف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ تھے: سیدنا عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ، سیدنا قعداد بن عمرو رضی اللہ عنہ، سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ، سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، سیدنا براء بن عاذب رضی اللہ عنہ، اور سیدنا ابی بن کعب وغیرہ۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ، ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے ان حضرات کے بارے میں مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ آپ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیجیے اور خلافت میں ان کا حصہ مقرر کر دیجئے جو بصورت وراثت ان کی اولاد میں منتقل ہوتا رہے۔ اس طرح ان کے اور ان کے بھتیجے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے گا، اور صورت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں آپ کے لیے بہتر ہوگی۔''

چنانچہ اس مشورہ کے مطابق سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔ بات کے دوران میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم ہیں۔ ہم خلافت میں آپ کا حصہ مقرر کرنا چاہتے ہیں جو آپ کے بعد وراثت کی صورت میں آپ کی اولاد میں منتقل ہوتا رہے، لیکن سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس پیش کش کو مسترد کر دیا اور فرمایا کہ خلافت ہمارا حق ہے اس لیے ہم اس قسم کی ادھوری خلافت نہیں لینا چاہتے۔

یعقوبی کی یہ روایت اور اس کا طرز بیان ہی اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ یہ روایت جعلی اور گھڑی ہوئی ہے۔ الامامۃ والسیاسۃ کے نام سے ابن قتیبہ کی طرف سے جو کتاب منسوب کی گئی ہے اس میں بھی اس قسم کی کئی روایات نقل کی گئی ہیں کہ اہل بیت نبوت، خاندان بنو ہاشم اور جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ انہیں بیعت کرنے کے لیے دھمکاتے پھرتے تھے لیکن ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عمر رضی اللہ عنہ کی دھمکیوں کی کوئی پروا نہ کی۔ اس قسم کی تاریخی روایتوں کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ دشمنان صحابہ نے لوگوں کے دلوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف نفرت کی تخم ریزی کے لیے گھڑی ہوئی ہیں، اور مستشرقین اور دشمنان صحابہ انہیں اپنی کتابوں میں نقل کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر غلاظت پھینکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایسی روایات نہ تو روایت کے اعتبار سے قابل تسلیم ہیں اور نہ ہی درایت کے لحاظ سے صحیح ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا

عثمان رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں بھی اپنے لیے کبھی خلافت کا دعویٰ نہیں کیا اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس معاملہ میں الگ نہیں ہوئے۔ چنانچہ ایک دفعہ کسی شخص نے آپ سے پوچھا "یہ کیا بات ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر مسلمانوں میں کبھی اختلاف نہیں ہوا لیکن آپ کی خلافت پر وہ متفق نہیں ہیں۔" سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے جیسے مسلمانوں پر والی تھے اور میں تم جیسے مسلمانوں کا والی ہوں۔" (ابن خلدون: ۱۷۶/۱)

طبری نے لکھا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور خاندان بنو ہاشم نے چھ ماہ تک سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی۔ (طبری: ۴۴۸/۲)

اور ایسا ہی سنن کبریٰ بیہقی: ۳۰۰/۶، مسند ابی عوانہ: ۱۴۶/۴، انساب الاشراف بلاذری: ۵۸۶/۱، بخاری: ۶۰۹/۲ اور مسلم وغیرہ میں بھی ہے۔ لیکن ان سب روایات کی سند میں ایک صاحب آپ کو نظر آئیں گے جن کا نام ابن شہاب زہری ہے۔ انہوں نے احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور واقعات تاریخ میں ادراج کر کے لوگوں کے ذہنوں میں مختلف شکوک و شبہات پیدا کیے ہیں۔ انہی ابن شہاب زہری نے یہ بات چلائی ہے کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ تک یعنی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات تک خلیفۂ رسول کی بیعت نہیں کی حالانکہ یہ بات سراسر غلط ہے اور اس میں صداقت کا شمہ تک نہیں۔

یہ درست ہے کہ سقیفہ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جو بیعت کی گئی اس میں نہ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ شامل تھے اور نہ ہی عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ موجود تھے اور ان کے علاوہ بھی کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود نہ تھے۔ یہ دراصل انصار کا اجتماع تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو بھی لوگ زبردستی لے کر گئے تھے، لیکن دوسرے روز مسجد نبوی میں جو بیعت عامہ ہوئی اس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور خاندان بنو ہاشم کے تمام افراد موجود تھے، اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بلاتوقف سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ پھر مسجد نبوی میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد حاضرین کو دیکھا تو زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نظر نہ آئے۔ آپ نے انہیں بلا بھیجا۔ ان کے آنے کے بعد فرمایا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری ہیں، کیا آپ مسلمانوں کے اتفاق کے لٹھ کو توڑنا چاہتے ہیں۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "اے خلیفۂ رسول! مجھ پر کوئی الزام نہ ہونا چاہیے، اس لیے کہ میں آپ کے ساتھ متفق ہوں۔ پس یہ اٹھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ (قام فبایعہ)

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے داماد تھے۔ ان کے ناراض ہونے کی تو کوئی وجہ ہی نظر نہیں آتی۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلم نہ کریں۔

روایت میں ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر لوگوں کی طرف دیکھا تو وہاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو موجود نہ پایا۔ آپ نے انہیں بلوایا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے آنے پر آپ نے انہیں کہا: ''آپ پیغمبر علیہ السلام کے چچازاد بھائی اور داماد ہیں۔ آپ مسلمانوں کے اتحاد کے لٹھ کو توڑنا چاہتے ہیں؟'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''اے خلیفۂ رسول! مجھ پر کوئی الزام نہیں۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آپ کی بیعت کی۔ (البدایہ والنہایہ: ۵/ ۲۴۹، ۶/ ۳۰۴، سنن کبری بیہقی: ۸/ ۱۴۲)

یہ روایت نقل کر کے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

''یہ اسناد صحیح اور محفوظ ہے۔ اور اس سے بڑی مفید بات جو ثابت ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پہلے روز یا دوسرے روز سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی، اور یہی بات حق ہے۔ (وھذا حق)

(البدایہ والنہایہ: ۵/ ۲۴۹)

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب بیعت عامہ کے بعد خطبہ دیا اور فرمایا کہ اللہ کی قسم! مجھے اس امارت وخلافت کی کبھی حرص نہیں ہوئی اور نہ ہی میں نے پوشیدہ یا اعلانیہ کبھی اس کی طلب کی۔ پس مہاجرین نے آپ کی معذرت کو بجا قرار دیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنا اظہار خیال کرتے ہوئے یہ کہا کہ اگرچہ اول موقع پر مشورہ میں شامل نہیں کیا گیا بے شک ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لیے سب سے زیادہ حق دار سمجھتے ہیں۔ یقیناً وہ صاحب غار ہیں، ثانی اثنین ہیں، ہم ان کی شرافت اور عظمت کے معترف ہیں اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ان کو نماز کا امام مقرر فرمایا تھا۔ اس کی سند عمدہ اور جید ہے۔

(مستدرک حاکم: ۳/ ۶۶، سنن کبری بیہقی: ۸/ ۱۵۲، البدایہ والنہایہ: ۵/ ۲۵۰، ۶/ ۳۰۲)

اس مضمون کی ایک روایت بلاذری نے انساب الاشراف: ۱/ ۵۸۵ پر نقل کی ہے جس میں صاف طور پر مذکور ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے بیعت عامہ کے روز ہی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی۔ ایسا ہی ابن ابی الحدید شیعی نے لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان دونوں حضرات نے کہا کہ ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دوسرے لوگوں سے زیادہ خلافت کا حق دار سمجھتے ہیں کیونکہ وہ صاحب غار بھی ہیں اور ان کی بزرگی کے بھی ہم معترف ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

انہیں اپنی زندگی میں مسلمانوں کی نماز کا امام مقرر فرمایا تھا۔

(ابن ابی الحدید، باب بقیۃ السقیفہ واختلاف اراء الناس بعد النبی ﷺ)

سیدنا سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کے لیے گھر سے نکلے۔ راستہ میں انہوں نے بعض انصار سے بیعت کے بارے میں کوئی بات سنی تو فرمایا ''لوگو! جس شخص کو نبی اکرم ﷺ نے مقدم فرمایا اس کو کون مؤخر کر سکتا ہے۔'' سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایسی وزنی اور پختہ بات کہی کہ کوئی دوسرا شخص ایسی بات نہیں کر سکا۔'' (فضائل ابی بکر الصدیق لابی طالب العشاری ص ۵، کنز العمال ۳: ۲۳۴)

اس مضمون کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بے شمار روایات مذکور ہیں۔ اس سلسلہ میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے پتے کی بات فرمائی ہے۔

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے شایان شان بھی یہی تھا اور اس پر دوسری روایات بھی دلالت کرتی ہیں جیسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نمازوں میں شریک ہونا اور سرکار دو عالم ﷺ کی وفات کے فوراً بعد جو ذوالقصہ کا معرکہ پیش آیا اس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہنا اور ان کو مشورہ دینا اور نصیحت کرنا۔''

(البدایہ والنہایہ: ۶/ ۳۰۲)

ایک اور مقام پر حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بے شک سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کسی وقت بھی جدا نہ ہوئے اور نہ کسی ایک نماز میں ان سے پیچھے رہے۔ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس وقت بھی نکلے جب وہ مرتدین سے قتال کے لیے تیغ برہنہ لے کر ذوالقصہ کے مقام کی طرف گئے۔'' (البدایہ والنہایہ: ۵/ ۲۴۹)

## کیا سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ کے بعد بیعت کی تھی؟

کتابوں کی روایات صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بیعت عامہ کے وقت ہی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ (یہ بیعت عامہ وفات نبوی کے دوسرے روز ہی منعقد ہوئی تھی) اور ان کے ایام خلافت میں ان کے ساتھ پورا پورا تعاون کرتے رہے۔ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر

بیعت کی تھی۔ (بخاری: ۲/ ۶۰۸۔ ۶۰۹، مسلم: ۲/ باب ظلم الغنی)

بخاری اور مسلم کے علاوہ کچھ اور کتابوں میں بھی مرقوم ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد یعنی چھ ماہ بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی۔

(سنن کبریٰ بیہقی: ۶/ ۳۰۰، انساب الاشراف: ۱/ ۵۸۶، مسند ابی عوانہ: ۴/ ۱۴۶، طبری بحث سقیفہ)

ان سب روایات میں ایک راوی زہری کے ادراج نے کئی مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ زہری کا ارسال، ادراج اور تدلیس مشہور ہے۔ ایسی تمام روایات جن سے اہل بیت نبوت اور صحابہ کرام کے مابین ذہنی کشیدگی کے واقعات ہیں، ان میں ابن شہاب زہری ضرور ہوگا۔ اسی طرح یہ روایت کہ ایام فترت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اپنے آپ کو نیچے گرانے کا قصد فرماتے تھے، لیکن غیب سے فرشتہ پکارتا کہ بے شک آپ اللہ کے برحق رسول ہیں۔ اس سے آپ کو تسکین ہو جاتی اور آپ اپنے آپ کو گرانے کا ارادہ ترک فرما دیتے۔ یہ بھی زہری کی روایت ہے۔

(ملاحظہ ہو فتح الباری: ۸/ ۵۷۶، قسطلانی: ۱۰/ ۱۱۷، سیرۃ النبی طبع کلاں: ۱/ ۱۴۹)

علاوہ ازیں فدک اور حواب کے کتوں کا بھونکنا وغیرہ میں بھی آپ کو زہری کا نام ملے گا۔ زہری سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے والد کے سخت خلاف تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے شیعہ محققین نے اسے رجال شیعہ میں سے لکھا ہے (تتمہ روضات الجنات ذکر الزہری) زہری شیعہ ائمہ رجال کے نزدیک بھی شیعہ تھا۔ چنانچہ تتمہ روضات الجنات میں اس کو دلائل کے ساتھ شیعہ ثابت کیا گیا ہے، لیکن اہل سنت کی کتابوں میں زہری کو شیعہ نہیں کہا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زہری تقیہ باز تھا۔ جو اندر سے شیعہ تھا اور ظاہری طور پر اپنے آپ کو اہل سنت کہتا تھا۔ لیکن سنی علمائے رجال نے بھی اسے مرسل، مدلس اور مدرج قرار دیا ہے، اور مرسلات زہری کو ''شر المرسلات'' کہا ہے۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں اگرچہ ہر محدث نے ان کے علم کی تعریف کی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی اکثر روایات مرسل ہیں۔ یہ تدلیس بہت کرتا ہے۔ کیونکہ ابن شہاب زہری ارسال و تدلیس کا امام ہے۔

(ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب: ۱۱/ ۳۲۷، تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۱۰۹، میزان الاعتدال: ۴/ ۴۰)

مرسل حدیث ضعیف ہوتی ہے (التدریب: ص ۵۹) امام شافعی اور جمہور محدثین اور فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک مرسل حجت نہیں۔ (مقدمہ صحیح مسلم: ص ۱۷)

جب مرسل احادیث محدثین کے نزدیک حجت نہیں ہیں تو مدلس تو بدرجہ اولیٰ حجت نہ ہوں گی۔ اس لیے کہ تدلیس ارسال سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ اسی وجہ سے امام شعبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میں تدلیس کا مرتکب ہونے کی نسبت زناکاری کو ترجیح دیتا ہوں۔

(التوضیح: ۱: ۳۶۶)

آپ نے مزید فرمایا: ''تدلیس جھوٹ کا بھائی ہے۔'' (الباعث الحثیث: ۵۸)

اسی وجہ سے محدثین کرام نے محمد بن اسحاق کو اگرچہ وہ تاریخ اور مغازی کا امام ہے، قابل حجت نہیں سمجھا۔

(تہذیب التہذیب: ۹: ۴۱، ۴۵، ۲: ۳۰۶، تذکرۃ الحفاظ: ۱: ۱۶۳، زادالمعاد: ۱: ۱۴۳، فتح المغیث: ص ۱۲۰، کتاب الاسماء والصفات: ص ۲۹۷)

تدلیس اور ارسال کے علاوہ ابن شہاب زہری میں ایک خرابی یہ ہے کہ وہ ادراج بھی کرتا ہے۔ امام ربیعہ بن عبدالرحمن نے زہری کو اس بات سے بہت روکا۔

(تاریخ الاسلام ذہبی: ۵: ۲۴۸)

ابن شہاب زہری کی ان ہی باتوں کی وجہ سے پیر قمرالدین سیالوی مرحوم نے اپنی کتاب میں واضح الفاظ میں لکھا ہے:

''اہل السنّت والجماعت پر اعتراض کرنے سے قبل اہل السنّت کے مذہب کے متعلق واقفیت ضروری ہے۔ ذاکرین اہل تشیع جب اپنے اصول مذہب سے ناواقف ہیں تو اہل السنّت والجماعت کے اصول کیوں کر سمجھ سکتے ہیں۔ میاں! اہل السنّت والجماعت کا اصل الاصول یہ ہے کہ حدیث کی صحت یا ضعف راوی کی صحت یا ضعف پر موقوف ہے۔ اگر حدیث کا راوی صحیح العقیدہ، سچا اور صحیح حافظہ والا ہے تو اس کی روایت کو صحیح مانا جائے گا ورنہ وہ روایت ضعیف مانی جائے گی۔ اب فدک والی روایت میں ایک شخص محمد بن مسلم ہے جس کو ابن شہاب زہری بھی کہتے ہیں۔ صرف یہی راوی یہ روایت کرتا ہے۔ اس کے ساتھ دوسرا کوئی شاہد نہیں، اور یہ ابن شہاب زہری اہل تشیع کی اصول کافی میں بیسیوں جگہ پر روایتیں کرتا نظر آتا ہے۔ اور اہل تشیع کی فروع کافی نے تو اس کی روایتوں کے بل بوتے پر کتاب کی شکل

اختیار کی ہے۔تو بھائیو! اہل تشیع کے اس قدر مشہور اور معروف کثیر الروایت آدمی کی روایت سے اہل السنت پر الزام قائم کرنا اور ائمہ صادقین کو جھٹلانا عجیب نظر وفکر ہے۔ اگر اہل تشیع کے راویوں کی روایات اہل السنت کے لیے قابل توجہ ہوتیں تو پھر بخاری ہو یا کافی کلینی اس میں کیا فرق تھا۔'' (مذہب شیعہ: ص۹۳، لاہور)

اسی ابن شہاب زہری کی چلائی ہوئی یہ بات ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ تک خلیفۂ رسول سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی حالانکہ یہ بات واقعات کے بالکل خلاف ہے اور اس میں صداقت کا کوئی شمہ نہیں۔

زہری کی روایت کے بارے میں ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ابن حبان اور دوسرے محدثین نے سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی حدیث کی تصحیح کی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی روز سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی، اور یہ جو مسلم میں مروی ہے کہ کسی شخص نے ابن شہاب زہری سے پوچھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات تک بیعت نہیں کی تھی اور نہ ہی بنی ہاشم میں سے کسی اور نے بیعت کی تھی۔ زہری کے اس قول کو بیہقی نے ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ زہری کا یہ قول متصل نہیں جب کہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت متصل ہے، لہٰذا وہ زیادہ صحیح ہے۔'' (فتح الباری: ۷/ ۳۹۹، ارشاد الساری: ۸/ ۱۵۸)

مختصر یہ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے میں کسی قسم کی تاخیر سے کام نہیں لیا بلکہ وفات نبوی کے دوسرے ہی روز آپ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔

## سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنا:

اگرچہ بعض روایتوں میں ہے کہ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی۔ لیکن یہ روایت ایک افسانہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے مزاج میں قدرے تشدد تھا۔ سقیفہ کے اجتماع میں انہوں نے انصار کے مناقب اور ان کی تائید میں ایک ولولہ انگیز تقریر کی حالانکہ اس وقت وہ بیمار تھے، لیکن جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہو گئے تو ہوسکتا ہے کہ انہیں کچھ رنج ہوا ہو لیکن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ایسے شخص نہ تھے جو ذاتی اغراض کے لیے امت کی وحدت کو پارہ پارہ کریں۔ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے

پر موقع پر رسول اللہ ﷺ کی موافقت کی اور آپ ﷺ نے بھی ان کو ان بہترین لوگوں میں شمار کیا جن کی نگاہ میں دنیا کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ بیعت عقبہ ثانیہ میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے نقیب مقرر ہوئے۔ قریش کو جب پتہ چلا تو انہوں ان کا تعاقب کیا اور انہیں پکڑ لیا۔ ان کے ہاتھ گردن کے گرد باندھ کر انہیں قیدی بنالیا۔ مشکل سے جبیر بن مطعم کی سفارش پر رہا ہوئے۔ (الاستیعاب: ۵۹۴/۲) اصحاب بدر میں سے ہونے کے باعث اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک ان کا بہت بڑا مقام تھا۔ رسول اللہ ﷺ ان پر اور سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ پر بڑا اعتماد فرماتے تھے اور جنگ خندق میں ان دونوں سے کئی مشورے کیے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ایمان بہت گہرا اور عمیق تھا۔ (الخلافۃ والخلفاء والراشدون: ص ۴۸)

اس قدر پختہ اور گہرے ایمان والا شخص اپنی ذاتی غرض کے لیے جاہلی عصبیت کو کیسے ہوا دے سکتا ہے۔ صحیح روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب سقیفہ بنی ساعدہ میں اپنی تقریر کے دوران انصار کے فضائل کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''تم لوگ جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''اگر تمام لوگ ایک وادی میں چلیں اور انصار دوسری وادی میں چلیں تو میں انصار کی وادی میں چلوں گا۔ (بخاری، رقم: ۳۷۷۴) پھر انہوں نے سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو اپنی تقریر کے دوران یاد دلایا کہ اے سعد! تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہاری موجودگی میں یہ فرمایا تھا: ''کہ قریش حکومت کے والی ہوں گے۔'' اس پر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے کہا تھا۔

صدقت نحن الوزراء وانتم الامراء. (مسند احمد، رقم: ۱۸)

''آپ نے سچ فرمایا: ہم وزراء ہوں گے اور آپ لوگ امیر ہوں گے۔''

پھر جب دوسرے لوگوں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تو سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کر لی۔ (الانصار فی العصر الراشدی: ص ۱۰۲) اس سے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی بیعت ثابت ہوتی ہے، اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت تو تمام انصار نے اجماعی طور پر کی تو یہ رئیس الانصار کیسے الگ رہ سکتے تھے۔ مسند احمد کی اس روایت کو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ: ۵/ ۲۴۷)

باقی یہ جو طبری نے روایت نقل کی ہے کہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ نہ ان کے پیچھے نماز پڑھتے اور نہ جمعہ وغیرہ۔ (طبری: ۴۲/۴)

یہ روایت ایک شیعہ راوی لوط بن یحییٰ ابو مخنف کی روایت کردہ ہے جو محدثین کے نزدیک متروک اور ناقابل اعتبار ہے۔ (میزان الاعتدال: ۲/۲۹۹۲)

اور ذہبی نے کہا ہے کہ اس روایت کی سند نہایت ضعیف ہے اور سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی سیرۃ کے متناقض ہے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱/۲۷۷)

## مفہوم البیعۃ:

یہ جو خلیفہ وقت کی بیعت کی جاتی ہے اسلام میں اس کا کیا مفہوم ہے؟ علماء نے بیعت کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ علامہ ابن خلدون کے نزدیک بیعت کی تعریف یہ ہے:

"العھد علی الطاعة لولی الامر" (المقدمہ: ص ۲۰۹)

اولی الامر کی تابعداری اور اطاعت کا عہد۔ بعض حضرات نے یہ تعریف کی ہے۔

"البیعة علی التاقد علی الاسلام" یعنی بیعت سے مراد ہے اسلام پر پختہ رہنے کا عہد۔

(جامع الاصول فی احادیث الرسول: ۱/۲۵۲)

اس سے یہی پتہ چلتا ہے کہ بیعت سے مراد ہے اس بات کا عہد کرنا کہ جن چیزوں کو قرآن وسنت نے زندہ کیا ہے ان کا احیاء کرنا اور دین کو قائم کرنے کا عہد کرنا۔

(نظام الحکم فی الاسلام، عارف ابوعبد: ص ۲۴۸)

مسلمان جب کسی امیر کی بیعت کرتے ہیں اور اپنے ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیتے ہیں تو وہ اپنے عہد کو موکد کرتے ہیں، انکا یہ فعل بائع اور مشتری کے فعل کے متشابہ ہوتا ہے کیونکہ وہ بھی ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر خرید وفروخت کا عہد کرتے ہیں۔ اس وجہ سے اس فعل کو بیعت کا نام دیا گیا ہے۔ (نظام الحکم فی الاسلام، عارف ابوعبد: ص ۲۵۰)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے ہمیں یہ علم حاصل ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست کا حاکم اعلیٰ جب اہل الحل والعقد کے انتخاب کے ذریعہ سے مقرر ہو جائے تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اجتماعی طور پر اس کی بیعت کریں اور امت کی وحدت کی سالمیت کے لیے اس کے خلاف خروج کرنے والے کے خلاف اس کی نصرت اور اعانت کی جائے اور اسلامی ریاست کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کے خلاف ریاست کی بنیادوں کو مضبوط کیا جائے۔

(نظام الحکم فی الاسلام: ص ۲۵۰)

اسی وجہ سے سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((من مات وليس في عنقه بيعة مات مية جاهلية)) (مسلم، رقم:۱۸۵۱)

''یعنی جو شخص اس حالت میں مرے کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔''

اس حدیث میں بیعت امیر کا وجوب اور اس کے ترک پر وعید ثابت ہوتی ہے۔ پس جو شخص بغیر کسی امیر کی بیعت کیے مرا وہ گمراہ زندہ رہا اور ضلالت پر مرا۔

جن لوگوں پر امام اور امیر کی بیعت واجب ہے، وہ اہل الحل والعقد، جلیل القدر علماء امت، اہل الشوریٰ اور مختلف شہروں کے امراء اور گورنر ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک عام لوگوں کا بیعت کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت عامہ ہوئی تھی اور اس میں تمام لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

(فقہ الشوریٰ، الشاوی: ص ۴۳۹، عصر الخلفاء الراشدین: ص ۳۰)

بیعت اسلامی حکومت کی خصوصیات میں سے ہے۔ دنیا کے کسی نظام حکومت میں بیعت کا تصور نہیں ہے۔ اس بیعت کی رو سے حاکم اور رعایا دونوں اسلامی احکام و شریعت پر عمل کرنے کے مقید ہو جاتے ہیں اور دونوں اسلامی احکام سے خروج نہیں کر سکتے۔ اور نہ ان احکام پر عمل کر سکتے ہیں جو کتاب و سنت کے متصادم ہوں۔ (نظام الحکم فی الاسلام: ص ۱۵۲)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دوسرے خلفاء کے زمانہ میں بیعت کا یہی مفہوم تھا۔

# خلافت کا پہلا خطبہ

خلافت کا بارِ گراں اٹھانے کے بعد اور مسجد نبوی میں بیعت عامہ لینے کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی ہی میں اپنا پہلا خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اسلامی حکومت کے قریباً دس اصول بیان فرمائے۔ گفتگو اور خطابت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔ آپ کی اسی خطابت کے باعث سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کا وہ منصوبہ جس کے لیے وہ جمع ہوئے تھے، یک دم تلپٹ ہو گیا اور پھر خلافت راشدہ کے پورے دور میں انہوں نے کبھی خلافت کی تمنا نہ کی کیونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بات ان کے چھوٹے بڑوں کی سمجھ میں آ گئی۔ چنانچہ خلیفہ منتخب ہونے کے بعد جو خطبہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کے بعد ارشاد فرمایا اس میں حکومت کی ذمہ داریوں کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

**ایھا الناس! فانی قد ولیت علیکم ولست بخیر کم، فان احسنت فاعینونی، وان اسألت فقومونی، الصدق امانة والکذب خیانة، والضعیف فیکم قوی عندی حتی ارجع علیه حقه ان شاء الله، والقوی فیکم ضعیف عندی حتی آفذ الحق منه ان شاء الله، ولا یدع قوم الجهاد فی سبیل الله الا ضربهم الله بالذل، والا تشیع الفاحشة فی قوم الا عمهم الله بالبلاء، اطیعونی ما اطعت الله ورسوله، فاذا عصیت الله ورسوله فلا طاعة بی علیکم، قوموا الیٰ صلاتکم یرحکم الله.**

(البدایہ والنہایہ: ۱/۳۰۵، اسنادہ صحیح، صفۃ الصفوۃ: ۱/۲۶۰، کتاب الاموال لابی عبید: ص۵، طبقات ابن سعد: ۳/۱۸۳، کنز العمال: ۱/۲۶۰)

''لوگو! میں تمہارا امیر بنا دیا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ پس اگر میں

اچھا کام کروں تو میری مدد کرو اور اگر میں غلط راہ پر چلوں تو مجھے سیدھا کر دو۔ راستی اور سچائی ایک امانت ہے اور جھوٹ اور کذب بیانی خیانت ہے۔ تم میں جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے جب تک کہ میں اس کا حق نہ دلوا دوں اور اس کا شکوہ دور نہ کر دوں، اور تم میں سے جو قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے جب تک کہ میں اس سے کمزور کا حق وصول کر کے اسے نہ دلوا دوں۔ تم لوگ جہاد کو ترک نہ کرنا کیونکہ جو قوم جہاد ترک کر دیتی ہے اللہ تعالیٰ اس پر ذلت مسلط کر دیتا ہے، اور جس قوم میں بری باتیں اور فواحش عام ہو جاتی ہیں اللہ اس پر مصائب مسلط کر دیتا ہے، اور جب تک میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا رہوں تم بھی میری اطاعت کرو، اور جب میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرنے لگوں تو تم پر میری اطاعت ضروری اور فرض نہیں ہے۔ اچھا اب جاؤ نماز پڑھو، اللہ تم پر رحم فرمائے۔''

یہ خطبہ اگرچہ مختصر ہے لیکن اپنے اندر معانی کا بحر بیکراں لیے ہوئے ہے۔ اس میں حاکم اور محکوم کے مابین عدل و انصاف کے اصول بیان کیے گئے ہیں اور یہ بتایا گیا ہے کہ حاکم وقت اطاعت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت پر مرتکز ہے اور اس امت کے اعزاز کے لیے جہاد کو ضروری بتایا گیا ہے، اور معاشرہ میں بے حیائی اور فواحش سے اجتناب کی اہمیت بتائی گئی ہے۔ (التاریخ الاسلامی: ۹، ۲۸)

اس خطبہ میں جو مفید اور امت مسلمہ کے لیے حکمرانی کے جو اصول بیان کیے گئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

① پہلی بات آپ نے یہ بیان فرمائی کہ میں تم پر حاکم بنایا گیا ہوں یعنی میں خود حاکم نہیں بنا۔ اس سے پتہ چلا کہ اسلامی حکومت کا سربراہ عوام کے انتخاب سے بنتا ہے بلکہ خود طاقت سے قوم کی گردنوں پر مسلط ہوتا ہے۔ اسلام کا مزاج حکومت یہ ہے کہ جو شخص کسی عہدے کا طالب اور خواہش مند ہو اسے وہ عہدہ ہرگز نہ دیا جائے بلکہ جس کو امت مسلمہ اپنے لیے بہتر سمجھ کر منتخب کرے وہ عوام کا سربراہ ہونے کے قابل ہے۔

② دوسری بات آپ نے اس خطبہ میں یہ فرمائی کہ ''میں تم سب سے بہتر نہیں ہوں۔'' یہ بات آپ نے انکساری کے طور پر فرمائی کیونکہ قرآن و حدیث کی رو سے آپ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل و اعلیٰ تھے۔ قرآن حکیم نے ان کو ''ثانی اثنین'' کا لقب دیا۔ نبوت نے

ان کو اپنی زندگی میں امامت کے مصلّٰی پر کھڑا کیا جو آپ کی علمی برتری اور فضیلت کی کھلی دلیل ہے۔ پھر ان کو تمام امت پر ''ارحم امتی'' کہا گیا۔ یہ سب کمالات وفضائل آپ میں موجود تھے جو کسی اور صحابی میں نہ تھے، لیکن اس جملہ میں انکساری کے علاوہ آپ نے ایک بڑی دور رس بات فرمائی، وہ یہ کہ اگر کسی شخص میں ذاتی کمالات ہوں، مثلاً وہ متقی اور پرہیزگار ہو، نمازی ہو، محدث ہو، مفسر قرآن ہو تو ضروری نہیں کہ وہ فوج کی کمان بھی کر سکے یا وہ مملکت کا سربراہ ہونے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کتنے متقی اور پرہیزگار تھے۔ علم میں یہ حال تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جو خود علم وعمل کے مجمع البحرین تھے۔ فرماتے ہیں کہ ابوذر رضی اللہ عنہ نے اتنا علم محفوظ کر لیا ہے کہ لوگ اس کے حاصل کرنے سے عاجز تھے اور اس تھیلی کو اس طرح بند کر دیا کہ اس میں کچھ بھی کم نہ ہوا۔ (استیعاب: ۲/ ۶۶۵، تذکرۃ الحفاظ ترجمہ ابوذر رضی اللہ عنہ)

اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے نقادان کو علم میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے برابر سمجھتے تھے جو اپنی وسعت علم کے باعث ''جرالامۃ'' کہلاتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۱۵)

لیکن ایک مرتبہ انہی سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امارت کی خواہش کا اظہار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابوذر! تم ناتواں اور کمزور ہو اور امارت ایسا بار امانت ہے کہ اگر اس کے حقوق کی پوری طرح نگہداشت نہ کی جائے تو آخرت میں اس کے لیے رسوائی اور ندامت کے سوا کچھ نہیں ہے۔'' اس فرمان نبوی کو سننے کے بعد انہوں نے کبھی امارت کی خواہش نہیں کی۔ (طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۷۰)

ایک اور روایت ہے کہ آپ نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اگر دو آدمیوں پر بھی تمہیں امیر مقرر کیا جائے تو اسے قبول نہ کرنا اور کسی یتیم کے مال کا متولی بھی نہ بننا۔

(تاریخ الاسلام ذہبی: ۳/ ۱۱۱)

چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے کمالات ذاتیہ کو ایک طرف رکھتے ہوئے اعلان فرمایا: ''میں تم میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔'' گویا بتایا کہ حکومت کسی کو اس کے ذاتی کمالات پر نہ دی جائے جو اپنے کو دوسروں سے بہتر سمجھے۔ یہ ایک خدمت ہے کوئی ثمرہ نہیں۔ ہر شخص اس ذمہ داری کا اہل نہیں ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں امارت کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ کسی شخص کو ایسے اختیارات تفویض کر دیئے جائیں جن کے سہارے وہ بندگانِ خدا کے لیے فلاحی کاموں کو عملی جامہ پہنا سکے اور لوگوں کی ذمہ داری یہ ہو کہ ان فلاحی کاموں کی تکمیل میں وہ اس کی مدد

کریں اور اس کی اطاعت کریں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے امارت کے اس مفہوم کی وضاحت ایک سطحی ذہن رکھنے والی خاتون سے ایک مثال دے کر کی تھی۔ اس عورت نے آپ سے پوچھا تھا: ''ائمہ (حکام) کون ہوتے ہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''تمہاری قوم میں سردار اور شرفا نہیں ہوئے جن کی تم سب اطاعت کرتے ہو اور ان کے احکامات بھی تسلیم کرتے ہو؟'' عورت نے جواب دیا: ''کیوں نہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''ائمہ بھی انہی لوگوں کی طرح لوگوں پر سردار ہوں گے۔''

(کنز العمال: ۵/ ۵۸۹)

(۳) ایک بات آپ نے اس خطبہ میں یہ بھی فرمائی کہ ایک اسلامی حکومت کے نظام حکومت کی بنیاد قرآن وسنت ہونی چاہیے۔ اسی وجہ سے انہوں نے اپنے اس خطبے میں فرمایا کہ قرآن نازل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنتیں قائم کیں، اور یہ قرآن وسنت اساس ہیں اسلامی حکومت کے نظام کی۔ اسی جملہ سے اس بات کا بھی پتہ چلا کہ قرآن حکیم اس وقت تک مکمل اور محفوظ موجود تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن بھی محفوظ اور موجود تھیں، اور وہ سنن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نزدیک حجت تھیں، اسی لیے آپ نے ان کا حوالہ دیا اور ''فعلمنا'' سے یہ بھی پتہ چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے عام کیا ہوا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ اپنے چند اعزاء واقرباء کو الگ تعلیم دیتے جس سے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محروم رہتے تھے بلکہ فیضان نبوت عام تھا۔

(۴) چوتھی چیز اس خطبہ میں جو بیان فرمائی گئی وہ ''تقویٰ'' ہے۔ بتایا کہ اگرچہ شریعت اور قانون کا مدار ظاہر پر ہے لیکن دین کی روح تقویٰ اور اللہ کے خوف پر ہے۔ جب تک دل مانجھے نہ جائیں اور ان کی غلاظت اور گندگی دور نہ ہو اس وقت تک قرآن وسنت کا نظام بھی صحیح طریقے سے نافذ نہیں ہوسکتا۔ اسلامی نظام حکومت کے ساتھ ساتھ ناظم حکومت کی اصلاح بھی چاہتا ہے اور اس کی اصلاح تقویٰ کے ذریعے ہی ہوسکتی ہے جس کو قرآن حکیم نے ''تزکیہ'' کے لفظ سے بھی تعبیر کیا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ درباروں کی فضا ایسی ہوتی ہے کہ صاحبانِ اقتدار کے دماغ پھر جاتے ہیں۔ کبھی خوشامدیوں کے جھرمٹ، کبھی آداب بجالانے والوں کے گروہ، اقتدار کے نشہ کو صرف اللہ والوں کی صحبت کی ترشی ہی اتار سکتی ہے کیونکہ وہ دلوں کو مانجھتے ہیں اور قلب کی اندرونی غلاظتوں کو دور کر کے اس میں تقویٰ کا نور بھرتے ہیں۔ چنانچہ بڑے بڑے شہنشاہ دلوں کی صفائی اور تقویٰ کے نور کو حاصل کرنے کے لیے بڑے بڑے بزرگوں کے پاس جاتے تھے،

بزرگوں کو اپنے درباروں میں نہیں بلاتے تھے۔ آج کل کے جمہوری دور کے صدور اور وزرائے اعظم صاحب تقویٰ بادشاہوں کی گرد پا کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ ان کے دور حکومت میں لوگ خود انہی کے ہاتھوں ظلم وستم کی چکی میں پس رہے ہوتے ہیں کیونکہ دل تقویٰ کے نور سے خالی ہیں۔ یہ اپنے آپ کو عوام کا نمائندہ کہتے ہیں لیکن عوام سے سوائے ووٹ لینے کے انہیں کوئی سروکار نہیں۔ بعد میں یہ عوام سے کوسوں دور بھاگتے ہیں اور کبھی انہیں دکھائی نہیں دیتے۔ اس سے پتہ چلا کہ عوام وخواص اور خصوصی طور پر حکمرانوں کے لیے تقویٰ ضروری ہے کیونکہ یہ دین کی روح ہے، اور اگر نظام حکومت میں تقویٰ کی روح نہ ہوتو صرف نفاذ شریعت سے کام نہیں چلتا۔

⑤ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پانچویں چیز اپنے خطبہ میں یہ ارشاد فرمائی کہ "اگر میں کوئی اچھا کام کروں تو میری اعانت اور مدد کرو اور اگر کوئی برا کام کرنے لگوں تو مجھے سیدھا کر دو۔" سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خطبے کا یہ جملہ بھی حکومت کا ایک سنہری اصول ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ سلطان وقت اگر اچھے کام کرے تو اس کی مدد کرو، اس کے ہاتھوں کو مضبوط کرو، اس کے خلاف کوئی تحریک نہ چلاؤ، اس کی اہانت کرو کیونکہ اس کی تعظیم وتکریم دراصل اسلام اور دین کی تعظیم و تکریم ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ اللہ کے اجلال واحترام میں سے ہے کہ سلطان عادل کی عزت وتکریم کی جائے۔ (سنن ابی داؤد، رقم: ۴۸۴۳)

اور امت پر یہ بھی واجب اور ضروری قرار دیا گیا کہ وہ صاحبان اقتدار کی خیر خواہی کرے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ فرمایا: "دین خیر خواہی کا نام ہے۔" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: "یا رسول اللہ! کس کی خیر خواہی؟ فرمایا: "اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی، مسلمانوں کے صاحبان اقتدار کی اور عوام الناس کی۔" (مسلم، رقم: ۵۵)

موجودہ زمانہ میں مسلمان ملکوں میں اسی چیز کا فقدان ہے اور بیشتر مسلمان حکومتیں اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ نظام اسلام سے روگردانی اور اعراض کر رہی ہیں۔ اور رعایا پر ٹیکسوں اور دوسری کئی ایک صورتوں میں ظلم ڈھا رہی ہیں۔ اس وجہ سے امت میں بھی خیر خواہی اور شجاعت کی روح ختم ہوگئی ہے اور بزدلی اور خوف ان میں جڑ پکڑ گیا ہے سوائے چند لوگوں کے جن پر اللہ کا خاص فضل ہے۔ (تاریخ الدعوۃ الی الاسلام: ص ۲۴۹)

⑥ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں جو ایک اور اہم بات فرمائی وہ یہ تھی کہ تم میں سے کمزور ترین شخص میرے نزدیک قوی اور طاقتور ہے جب تک کہ میں اس کا حق نہ دلوا دوں اور تمہارا

قوی ترین شخص میرے نزدیک کمزور اور ضعیف ہے جب تک کہ میں اس سے کمزور کا حق وصول کر کے اسے نہ دلوا دوں۔'' اس فقرہ سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حکومت کی بنیاد اس قوت کو قرار دیا جو ظالم سے مظلوم کا حق دلوا سکے۔ طاقتور سے طاقتور انسان حکومت کی قوت کے آگے کمزور ہو، اور اگر کوئی حکومت جاگیرداروں، سرمایہ داروں، غنڈوں، بدمعاشوں، ڈاکوؤں اور بڑے بڑے سمگلروں سے ڈرے، نہ قاتلوں کو پکڑے اور نہ قاتلوں کی کھوج لگا سکے تو وہ حکومت، حکومت کہلانے کے لائق نہیں ہے بلکہ وہ ایک ایسی حکومت ہے جو اپنے جوہر ذات سے محروم ہے۔ پھر یہ کہ سربراہ حکومت کو یہ بھی پتہ ہو کہ رعیت کا کمزور ترین شخص کون ہے؟ اور اگر اس کی دادرسی نہ کی گئی اور اس کی کمزوری کو دور نہ کیا گیا تو وہ کل قیامت کو حکمرانوں کے گلے کا پھندا ہوگا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس جملہ میں یہ بتایا کہ سربراہ حکومت کی نظر میں ہر قوی کمزور ہو اور ہر کمزور قوی ہو تاکہ عدل وانصاف کی میزان میں سے ہر شخص اپنا حق حاصل کر سکے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کے بارے میں جو ایک قبیلہ کے سردار کی بیٹی تھی اور اس پر چوری کا الزام تھا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سفارش کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ بات سن کر فرمایا:

''تم سے پہلے لوگ صرف اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ ان میں جب کوئی کمزور آدمی جرم کرتا تو وہ اس پر حد جاری کرتے اور جب کہ معاشرہ ہی کا قوی شخص جرم کرتا تو ان کا قانون حرکت میں نہ آتا اور وہ اس کو چھوڑ دیتے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی چوری کرے گی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا۔'' (بخاری: ۲ ۱۰۰۳، مسلم: ۲ ۶۴)

خطبہ کے اس جملہ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے معاشرہ میں عدل وانصاف کی اہمیت پر زور دیا ہے کیونکہ اسلامی حکومت کے اہداف میں سے سب سے اہم ہدف عدل وانصاف کا قیام ہے۔ اس بات کا اظہار انہوں نے مسجد نبوی میں تمام لوگوں کے سامنے کیا کیونکہ جس معاشرہ میں ظلم وجور اور عدل وانصاف نہ ہو اس کو ہم اسلامی معاشرہ نہیں کہہ سکتے اور نہ ہی اس معاشرہ میں اسلام کا کوئی وجود ہوتا ہے۔ افراد اور معاشرہ میں قیام عدل حکومت کی اہم ذمہ داری ہے بلکہ لوگوں کے درمیان عدل کا قیام دین اسلام کے بڑے مقدس اور اہم واجبات میں سے ہے۔ اور عدل کے وجوب پر تمام امت کا اجماع بھی ہے۔ (فقہ التمکین فی القرآن الکریم: ص ۴۵۵)

اور امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ تمام امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص حاکم ہو "وجب علیہ ان یحکم بالعدل" اس کے لیے واجب ہے کہ وہ عدل و انصاف سے فیصلے کرے۔ (تفسیر کبیر: ۱۰/۱۴۱)

قرآن وسنت سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ ایک اسلامی حکومت کے لیے ضروری ہے کہ معاشرہ میں عدل ومساوات قائم کرے اور ظلم و جور کو ختم کرے۔ اسی وجہ سے اسلام نے حکام پر یہ واجب قرار دیا ہے کہ لوگوں کے رنگ ونسل اور وطن و مذہب کے برعکس ان میں عدل قائم کرے اور حق و انصاف سے دو دشمنوں کے درمیان فیصلہ کرے۔ اس بات کا ہرگز کوئی خیال نہ کرے کہ جس کا وہ فیصلہ کر رہا ہے وہ اس کے دوستوں میں سے ہے یا دشمنوں میں سے، غریب ہے یا امیر، کمزور ہے یا طاقتور، ارباب حکومت میں سے ہے یا رعایا میں سے، صاحب اختیار ہے یا غیر صاحب اختیار۔ (فقہ التمکین فی القرآن الکریم: ص ۴۵۹)

اس سلسلہ میں قرآن حکیم میں ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ؗ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (المائدہ: ۸)

"اے ایمان والو! اللہ کے لیے (حق پر) مضبوطی سے قائم رہنے والے ہو جاؤ، درآں حالیکہ تم انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے ہو، کسی قوم کی عداوت تمہیں بے انصافی پر نہ ابھارے، تم عدل کرتے رہو وہ تقوی (خوف خدا) کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تمہارے کاموں کی بہت خبر رکھنے والا ہے۔"

آیت میں بتایا گیا کہ کسی قوم کی عداوت تمہیں بے انصافی پر نہ ابھارے۔ اس آیت کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک تفسیر تو عام ہے کہ کسی قوم کے ساتھ بغض تمہیں اس کے ساتھ بے انصافی کرنے پر نہ ابھارے بایں طور کہ تم حد سے تجاوز کرو بلکہ تم ان کے ساتھ انصاف کرو خواہ انہوں نے تمہارے ساتھ برائی کی ہو اور ان کے ساتھ نیکی اور اچھائی کے ساتھ پیش آؤ خواہ انہوں نے تمہارے ساتھ بدی اور برائی کی ہو۔ اور مخلوق میں سے ہر ایک کے ساتھ عدل و انصاف کرو اور کسی کے ساتھ ظلم اور زیادتی نہ کرو۔ اور اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت

کفار کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کو چھ ہجری میں مسجد حرام میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے سے روک دیا تھا اور حدیبیہ سے آگے نہیں جانے دیا تھا۔ سو اس وجہ سے تم ان پر ظلم اور زیادتی نہ کرنا۔

○ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۞

''عدل کرو کیونکہ عدل تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔''

اس کی بھی دو تفسیریں ہیں۔ تقویٰ کے معنی ہیں خوف خدا کی وجہ سے گناہوں سے اجتناب کرنا، اور جو شخص عدل کرتا ہے وہ گناہوں سے اجتناب کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ جو شخص عدل کرتا ہے وہ عذاب اخروی سے بچنے کے زیادہ قریب ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے ساتھ بھی عدل کرنے کا حکم دیا حالانکہ وہ اللہ کے دشمن ہیں، اور جب اللہ کے دشمنوں کے ساتھ عدل کرنا واجب ہے تو اللہ کے دوستوں کے ساتھ عدل کرنا کس قدر واجب ہوگا۔

کسی نااہل کو کسی منصب پر متعین کرنا یہ بھی عدل و انصاف کے خلاف ہے۔ چنانچہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے سرکار دو عالم ﷺ سے پوچھا: ''قیامت کب آئے گی؟'' آپ ﷺ نے فرمایا جب امانت ضائع کر دی جائے گی۔ اس نے پوچھا امانت کیسے ضائع ہوگی؟ فرمایا: جب کوئی منصب کسی نااہل کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ (بخاری، رقم: ۵۹، مسند احمد، رقم: ۸۷۱۴، الجامع الکبیر، رقم: ۱۸۹۵)

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو کسی ایسے شخص کو قومی، صوبائی یا ضلعی اسمبلی کے لیے ووٹ ڈالتا ہے جو دینی اور دنیوی علوم سے بے بہرہ ہو اور اس کا بدچلن اور بدکردار ہونا بھی واضح ہو تو وہ اس نمائندگی کے لیے ایک نااہل شخص کو منتخب کر رہا ہے، اور نااہل کو منصب کے لیے منتخب کرنا قیامت آ جانے کے مترادف ہے۔

سیدنا ابوایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب کوئی اہل شخص دین کا والی ہو تو دین پر نہ رونا اور جب نااہل والی ہو تو پھر دین پر رونا۔
(مسند احمد، رقم: ۲۳۴۷۶، اسنادہ صحیح، امام حاکم اور امام ذہبی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، مستدرک: ۴: ۵۱۵، معجم کبیر، رقم: ۳۹۹۹)

معلوم ہوا کہ جو شخص پیسوں کے لالچ، برادری کے تعلق یا کسی بااثر آدمی کے دباؤ کی

وجہ سے ووٹ ڈالتا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول اور تمام مسلمانوں سے خیانت کرتا ہے۔ نیز اہل شخص کے ہوتے ہوئے نا اہل ووٹ دینا ظلم ہے اور ظالموں پر اللہ نے لعنت فرمائی ہے اور ظلم گناہ کبیرہ ہے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ عدل و انصاف کو بڑی اہمیت دیتے تھے اور ان کی نگاہ میں عدل اسلام کی عملی دعوت کے مترادف تھا جس سے لوگوں کے دل ایمان کے لیے کھلتے ہیں۔ آپ نے عطا اور بخشش میں بھی عدل و مساوات سے کام لیا اور لوگوں سے عدل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا، اور اگر کبھی زیادتی بھی ہوگئی تو فوری طور پر دوسرے سے قصاص لینے کے لیے کہہ دیا تاکہ قیامت کے روز عذاب الٰہی سے چھٹکارا حاصل ہو جائے۔

(تاریخ الدعوۃ الی الاسلام فی عہد الخلفاء: ص ۴۱۰)

چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک جمعہ کو اعلان فرمایا کہ کل صبح لوگ آئیں تاکہ ان میں صدقات کے اونٹ تقسیم کیے جائیں، لیکن کوئی شخص بلا اجازت نہ آئے۔ ایک عورت نے اپنے خاوند سے کہا کہ یہ رسی لو اور جاؤ ہوسکتا ہے کہ ہمیں بھی کوئی اونٹ مل جائے۔ وہ شخص آیا اس نے دیکھا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اونٹوں کے باڑے میں داخل ہوئے یہ بھی بغیر اجازت ان کے ساتھ باڑے میں داخل ہوگیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو دیکھ کر فرمایا: ''تم کیوں اندر آئے؟'' پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہ رسی اس کے ہاتھ سے لے کر اس کو ماری۔ جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اونٹوں کی تقسیم سے فارغ ہوئے تو اس شخص کو بلایا اور اس کے ہاتھ میں وہ رسی دی اور فرمایا کہ مجھے سے قصاص لے لو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''امیر المومنین! بخدا! قصاص لینے کی سنت کو قائم نہ کریں، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے حضور کیا جواب دوں گا؟'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''آپ اس شخص کو کسی طریقہ سے راضی کریں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام سے فرمایا کہ اس شخص کو ایک سواری اور چند چادریں اور پانچ دینار دے کر اس کو راضی کرلو۔

(تاریخ الدعوۃ الی الاسلام فی عہد الخلفاء: ص ۴۱۱)

موجودہ زمانے میں ناجائز سفارشات کے خلاف اس جہاد اور غیر مسلموں کے ساتھ اسلام کی اس رواداری ہی سے متاثر ہو کر جینوا کے لاء کالج کے صدر مسٹر اسپیرل نے ایک مرتبہ کہا تھا:

Humanity has to be proud of Muhammad(PBUH). The Prophet of Islam has left such legislation for it which we will be happy if we can come up to it within two thousand years.

''انسانیت کو اسلام کے پیغمبر محمد ﷺ پر فخر ہے جنہوں نے اس کے لیے وہ قانون چھوڑا جسے اگر ہم دو ہزار سال میں بھی اپنالیں تو وہ ہماری خوش قسمتی ہوگی۔''

(۷) سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں یہ بھی فرمایا: ''الصدق امانة والکذب خیانة'' سچائی امانت ہے اور کذب اور جھوٹ خیانت۔ اس جملہ سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی حکومت کی ایک بنیادی چیز کا اعلان فرمایا۔ قرآن حکیم میں ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ (التوبہ:۱۱۹)

اور اسی سلسلہ میں سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''تین آدمی ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نہ تو کلام کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر (رحمت) کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے (۱) بوڑھا زانی (۲) جھوٹ بولنے والا بادشاہ اور سربراہ مملکت اور (۳) متکبر فقیر۔ (مسلم، رقم:۱۷۲)

ایک کذاب حاکم اس خائن وکیل کی طرح ہے جو روٹی تو رعایا سے لے کر کھاتا ہے اور پھر ان سے دھوکہ کرتا ہے۔ (ابوبکر اجل الدولة، مجدی حمدی: ص ۳۶)

مختصر یہ کہ اپنے اس پہلے خطبہ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی حکومت کی بنیادی خصوصیات کا ذکر کیا جن کے ساتھ حقوق الٰہیہ اور حقوق انسانیہ کے گرد پہرہ دیا جاسکے۔ ایک سربراہ مملکت کی نظر میں ہر کمزور قوی اور ہر قوی کمزور ہے یہاں تک کہ عدل وانصاف کی میزان میں ہر شخص اپنا حق لے سکے اور عدل وانصاف کے حصول میں کسی کو کوئی تاخیر اور دشواری نہ ہو۔

(۸) ساتویں بات آپ نے اپنے اس خطبہ میں یہ ارشاد فرمائی کہ میں مطلق العنان فرمانروا نہیں ہوں بلکہ سنت یعنی رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چلوں گا اور نئی راہیں (یعنی بدعات) نہیں بناؤں گا۔ اس سے یہ بتانا مقصود تھا کہ اسلامی فرماں رواؤں کو متبع سنت ہونا چاہیے نہ کہ مبتدع یعنی نئی راہیں نکالنے والا۔

(۹) نویں بات آپ نے یہ ارشاد فرمائی کہ میں حدود واحسان میں رہوں اور صراط مستقیم کو اختیار کروں، سنت رسول کو اپناؤں تو تم لوگ میری اعانت وامداد کرنا اور اگر میں راہِ حق سے ہٹ

جاؤں تو پھر تم لوگ مجھے سیدھا کر دو۔ بتایا یہ کہ اسلام میں حکمران کی اطاعت اپنی حدود میں ہے۔ وہ اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں رہے تو اس کی اطاعت کی جائے گی، اور اگر وہ راہِ ہدایت اور جادۂ حق سے ہٹ جائے تو پھر اس کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔ اس سے دوسری اس بات کا بھی پتہ چلا کہ اسلامی حکومت میں اسلام کا سربراہ معصوم نہیں۔ اس میں صرف یہ دیکھا جائے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کر رہا ہے کہ نہیں۔ معصوم ہونا صرف انبیاء علیہم السلام کی شان ہے۔ ان کے علاوہ اور کوئی معصوم نہیں۔

(۱۰) دسویں چیز اس خطبہ میں یہ تھی کہ آپ نے خطبہ کا آغاز "ایھا الناس" یعنی اے لوگو! سے کیا، جس سے یہ بتانا مقصود تھا کہ اگرچہ مدینہ کی اسلامی ریاست کی اکثر آبادی مسلمانوں پر مشتمل تھی لیکن ایک اسلامی حکومت کا سربراہ صرف مسلمانوں کا نگران ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کی مملکت میں بسنے والے تمام انسان خواہ ان کا تعلق کسی بھی دین اور مذہب سے ہو ان کی نگرانی اور حفاظت بھی اس کے ذمہ ضروری ہے۔ وہ کسی ایک فرقے یا ایک جماعت کا سربراہ نہیں ہوتا بلکہ مملکت اسلامیہ میں ہر بسنے والے شہری کا سربراہ ہوتا ہے، لہٰذا ان سب کی ضروریات کو پورا کرنا اور ان پر قانون نافذ کرنا اور ان کے حقوق کی نگہداشت کرنا اس کے ذمہ ضروری ہے۔

یہ تھا وہ خطبہ جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ہونے کے ساتھ مسجد نبوی میں مہاجرین و انصاف اور دوسرے مسلمانوں کے سامنے دیا۔ اس میں آپ نے عادلانہ نظام خلافت کا نقشہ پیش کیا اور اپنی حکومت کا منشور لوگوں کے سامنے واضح فرمایا۔ یہ خطبہ آپ کی علمی پختگی کا بھی پتہ دیتا ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے سب سے پہلے خلیفہ تھے۔ اس سے قبل مسلمانوں کو حکومت کا کوئی تجربہ نہیں تھا لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی علمی پختگی کے باعث اسلامی حکومت کے منشور اور آئین کو چند جملوں میں ایسا بیان کیا کہ دنیا اتنی ترقی کرنے کے باوجود بھی ایسا عظیم الشان منشور پیش نہیں کر سکی۔ اسی وجہ سے سید امیر علی نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔

He (Abu Bakr) was recognised as a man of wisdom and moderation. and his election was accepted with their usual devetion to the Faith. by Ali and the chief members of muhammad.s family.

(A short Histroy of the Saracens by Syed Amir Ali P21)

# میراث نبوی کا مطالبہ

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جونہی مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو ازواج مطہرات نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو سفیر اور اپنا نمائندہ بنا کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا اور متروکات نبوی میں اپنے حصے کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے یہ ارادہ کیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجیں اور ان کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکات میں سے اپنی میراث مانگیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ ''ہماری وراثت نہیں ہوتی ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔'' (بخاری: ۲/ ۹۹۶، رقم: ۶۷۳۰، مسلم، رقم: ۱۷۵۸، بخاری: ۶۷۲۹)

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ دونوں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کا مطالبہ کیا۔ اس وقت ان کا مطالبہ ارض فدک اور خیبر کی زمینوں میں جو ان کا حصہ بنتا تھا، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے:

**((لانورث، ماترکنا صدقة، انما یاکل آل محمد من هذا المال))**

''ہماری (انبیاء علیہم السلام) کی وراثت نہیں ہوتی، ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے، آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس مال سے ضرور کھائے گی۔'' (بخاری، رقم: ۶۷۲۶)

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مال سے کرتے تھے میں بھی وہی کچھ کروں گا کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو

میں راہِ مستقیم سے بھٹک جاؤں گا۔'' (مسلم، رقم:۱۷۵۹)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہی نے ایک اور مقام پر اس روایت کو یوں نقل کیا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

''ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اس مال فئے میں سے اپنا حصہ طلب کرنے کے لیے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دیا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اشارہ سے ان کے اس ارادہ کی تردید کی اور کہا کہ کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتیں؟ اور کیا تمہیں علم نہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے اموال میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میں نے ان کو یہ بتایا تو وہ اپنے مطالبہ سے رک گئیں۔ (بخاری:۲/۵۷۶)

## سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور مطالبہ وراثت:

ازواج مطہرات کے علاوہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بھی کتابوں میں ہے کہ انہوں نے اپنی میراث کا مطالبہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کیا۔ چنانچہ بخاری میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس صدقات مدینہ، فدک اور خمس خیبر کا مطالبہ میراث کے طور پر کیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

**((لانورث ماترکنا صدقة))**

''ہم انبیاء کی وراثت جاری نہیں ہوتی ہم جو کچھ چھوڑ کر جاتے ہیں وہ اللہ کی راہ میں صدقہ ہوتا ہے۔''

آپ نے مزید فرمایا: ''آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس مال میں سے کھا سکتی ہے اور جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانے میں اپنی آل کے لیے اس مال میں سے خرچ کرتے تھے ہم بھی اسی طرح اس پر عمل کریں گے اور اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں کریں گے۔ پھر سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ انہوں نے توحید و رسالت کی شہادت کے بعد کہا: ''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! ہم آپ کی فضیلت اور شرافت کا اعتراف کرتے ہیں، اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس قرابت کا بھی

ذکر کیا جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھی اور ان کے حقوق کا بھی ذکر کیا۔''

اس کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، رسول اللہ ﷺ کی قرابت اور رشتہ داری مجھے اپنی قرابت اور رشتہ داری سے زیادہ عزیز اور محبوب ہے۔ (بخاری: ۱/ ۵۲۶)

بخاری: ۲/ ۵۷۶ پر ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس قسم کا مطالبہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے بھی کیا۔ امام طحاوی نے بھی یہ روایت اپنی کتاب کے ۱/ ۲۸۹ پر نقل کی ہے۔

بعض حضرات کی طرف سے زیادہ تر فدک کو زیر بحث لایا جاتا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو میراث نبوی خصوصی طور پر ''فدک'' سے محروم کر دیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض سراسر زیادتی اور تعصب کا نتیجہ ہے کیونکہ میراث متروکات میں جاری ہوتی ہے، لہٰذا دیکھنا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس دنیا سے انتقال فرماتے وقت کیا چھوڑا تھا۔ ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے اپنے انتقال کے وقت نہ کوئی درہم چھوڑا اور نہ کوئی دینار، اور نہ کوئی غلام اور نہ کوئی باندی اور نہ کوئی اور شے سوائے ایک سفید خچر کے اور اپنے ہتھیار اور کچھ زمین جو آپ اپنی زندگی میں صدقہ کر گئے۔ (بخاری: ۱/ ۳۸۲)

وہ زمین جس کا ذکر حدیث میں آتا ہے، کون سی تھی؟ علمائے اسلام نے لکھا ہے کہ اس سے تین جائدادیں مراد ہیں۔

① مدینہ منورہ کی بنونضیر کی جائداد جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بطور فئے عطا فرمائی تھی اس کا ذکر قرآن حکیم میں بھی ہے۔ آپ اس سے اہل بیت (ازواج مطہرات) کا سالانہ نان ونفقہ خرید فرماتے تھے اور اس سے جو رقم بچتی اس سے آپ اسلحہ اور دیگر سامان جہاد خرید فرماتے۔

② خیبر کی زمین جو آپ کو سہم میں ملی۔

③ فدک کی نصف زمین جو فتح خیبر کے بعد اہل خیبر سے صلح کے طور پر حاصل ہوئی۔ اور فدک کی زمینوں سے جو آمدنی آپ کو حاصل ہوتی آپ اس کو وقتی اور ناگہانی ضروریات میں صرف فرماتے۔

یہی بات علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھی ہے۔ (سیرۃ النبی: ۲/ ۱۸۲)

# فدک ہے کیا؟

بعض حضرات کے نزدیک فدک ایک بہت بڑا مسئلہ ہے اس لیے وہ اس بارے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بہت مطعون کرتے ہیں کہ انہوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اس حق کو غصب کر لیا تھا۔ لہٰذا ''فدک'' پر بحث کرنے سے قبل یہ معلوم کرنا چاہیے کہ ''فدک'' ہے کیا چیز؟ علماء نے لکھا ہے کہ فدک مدینہ منورہ سے دو تین روز کے فاصلہ پر واقع ایک باغ تھا۔ اس میں چشمے اور کھجور کے درخت تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی کے بغیر اس کو فتح کیا تھا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری: ۲/ ۱۴۰، مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنۃ والبقاع: ۶/ ۳۳۷، مجالس المومنین: ۱/ ۴۸، معجم البلدان وغیرہ)

لیکن جو حضرات سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اس بارے میں اعتراض کرتے ہیں انہوں نے اس باغ کا جو حدود اربعہ بیان کیا ہے اس میں نصف کرۂ ارض آ جاتا ہے۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی نے مناقب ابن شہر آشوب سے بڑی ثقاہت کے ساتھ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ہارون الرشید نے سیدنا موسیٰ کاظم سے کہا کہ میں آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ آپ وہ ''فدک'' لے لیجیے جس کے لیے آپ اور آپ کے باپ دادا کہتے آئے ہیں کہ وہ ہم سے غصب کر لیا گیا۔ سیدنا موسیٰ کاظم نے ہارون الرشید کی اس استدعا کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ ہارون الرشید نے کئی دفعہ موسیٰ کاظم سے اس بارے میں کہا لیکن آپ نے مثبت اور منفی اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ آخر جب خلیفہ نے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے کہا کہ میں اسے ہرگز لینے کے تیار نہیں ہوں جب تک کہ وہ مجھے صحیح حدود کے ساتھ نہ دیا جائے۔ ہارون الرشید نے کہا کہ آپ مجھے اس کا حدود اربعہ بتایئے؟ سیدنا موسیٰ کاظم نے کہا کہ اگر میں نے اس کے حدود بتائے تو پھر آپ وہ مجھے ہرگز دینے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔ ہارون الرشید نے حلفاً کہا کہ میں آپ کو وہ ضرور دوں گا۔ ہارون الرشید کے اس اقرار پر سیدنا موسیٰ کاظم نے اس کے حدود بیان کیے کہ اس کی ایک حد عدن ہے۔ یہ سن کر ہارون الرشید کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ پھر دوسری حد بتلائی کہ وہ سمرقند ہے۔ یہ سن کر ہارون الرشید کا چہرہ تمتمانے لگا۔ پھر موسیٰ کاظم نے کہا کہ اس کی تیسری حد افریقہ ہے۔ موسیٰ کاظم کے منہ سے یہ الفاظ سن کر ہارون الرشید کا چہرہ سیاہ ہو گیا۔ پھر موسیٰ کاظم نے کہا کہ اس کی چوتھی حد سمندر کا وہ کنارہ ہے جو آرمینیا سے ملا ہوا ہے۔ تب ہارون الرشید نے کہا کہ حضرت!

آپ نے ہمارے لیے تو کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ سیدنا موسیٰ کاظم نے کہا: ''میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ اگر میں تمہیں فدک کی حدود بتاؤں گا تو تم وہ مجھے ہرگز نہیں دو گے۔ اس پر ہارون الرشید نے موسیٰ کاظم کے قتل کا ارادہ کر لیا۔

علامہ مجلسی نے ابن ساباط کے حوالے سے لکھا ہے کہ فدک کی پہلی حد عریش مصر، دوسری دومۃ الجندل، تیسری احد اور چوتھی سمندر تھی۔ (بحار الانوار: ۶/ ۱۰۱، اصول کافی: ۱/ ۵۴۳)

ان حضرات کی یہ روایت نہایت مضحکہ خیز ہے کیونکہ سرکار دو عالم ﷺ کے مبارک زمانہ میں اتنا علاقہ تو فتح ہی نہیں ہوا تھا کہ اس کو مال فئے شمار کر کے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا جاتا۔ یہ سارا علاقہ تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانوں میں فتح ہوا۔ اس سارے علاقے کا مطالبہ کرنا دوسرے معنوں میں یہی تھا کہ سیدنا موسیٰ کاظم ہارون الرشید سے اس کی پوری سلطنت کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

یہ باغ فدک دراصل مال فیئے میں سے تھا اور مال فئے اس غنیمت اور خراج کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کو کفار سے جنگ اور جہاد کے بغیر حاصل ہو۔ فئے کے حقیقی معنی رجوع کے ہیں۔ گویا دراصل یہ مال مسلمانوں ہی کا تھا اور انہی کی طرف لوٹ آیا۔ اسی وجہ سے فئے اس سایے کو بھی کہتے ہیں جو زوال کے بعد ہوتا ہے کیونکہ وہ بھی مغرب کی طرف سے مشرق کی طرف لوٹتا ہے۔''

(لسان العرب زیر لفظ فئے)

امام راغب نے المفردات میں لکھا ہے:

''فئے کا معنی ہے حالت محمودہ کی طرف رجوع کرنا، اور اس مال غنیمت کو فئے کہتے ہیں جس میں مسلمانوں کو کوئی مشقت نہ ہو۔'' (المفردات: ۲/ ۵۰۱)

یہی کچھ امام جصاص رازی نے لکھا ہے۔ (احکام القرآن: ۳/ ۴۲۹)

فئے کے یہی معنی فقہائے اسلام نے بھی ذکر کیے ہیں۔

(ملاحظہ ہو کتاب الاموال لابی عبید: ص ۵۸، کتاب الخراج، یحییٰ بن آدم: ص ۲۷، کتاب الخراج، امام ابو یوسف: ص ۱۸)

قرآن حکیم میں بھی مال فئے کا ذکر آیا ہے اور یہ ذکر بھی کیا گیا ہے کہ اس مال کا مصرف کیا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا

رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًم بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ﴾ (الحشر:۶۔۷)

''اور جو مال کہ لوٹا دیا اللہ نے اپنے رسول پر، سو تم نے ان پر گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے لیکن اللہ تعالیٰ غلبہ دیتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہے، اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ اور جو مال لوٹایا اللہ نے اپنے رسول پر بستیوں والوں سے، سو وہ اللہ کے لیے اور رسول کے لیے اور قرابت والوں کے لیے اور یتیموں کے لیے اور مساکین (محتاجوں) کے لیے اور مسافر کے لیے۔''

اس آیت کی تفسیر میں امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں بہت کچھ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استدعا کی کہ آپ نے جس طرح مال غنیمت ہم لوگوں میں تقسیم کر دیا ہے اسی طرح فئے بھی ہم سے تقسیم فرما دیجئے۔ اس درخواست کے جواب میں اللہ جل شانہ نے مال غنیمت اور مال فئے میں فرق بیان فرما دیا کہ مال غنیمت تو وہ ہے جس کے حصول کے لیے تم لوگوں نے محنت اور جدوجہد کی اور گھوڑوں اور اونٹوں سے حملہ کر کے اس کو حاصل کیا، اور فئے کا مال اس کے برعکس ہے۔ اس کے حصول میں تمہیں کوئی جدوجہد نہیں کرنا پڑی اور نہ تمہیں اونٹوں اور گھوڑوں سے چڑھائی کرنا پڑی، لہٰذا یہ مال جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سپردگی اور تولیت میں رہے گا یعنی اس مال کے مختار ہیں، آپ جہاں چاہیں اسے خرچ کریں۔

اس آیت میں ''للہ والرسول'' کے جو الفاظ آئے ہیں اس سے مراد یہ نہیں کہ نصف مال اللہ تعالیٰ کا ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کا امین اور تقسیم کرنے والا ہے، اور یہ رسول کی ذاتی ملکیت نہیں ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ آگے اس کا مصرف بیان فرمایا کہ وہ مال القربیٰ، یتامیٰ، مساکین اور مسافروں کی ضروریات پورا کرنے کے لیے ہے۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تصرف اس میں متولیانہ ہے نہ کہ مالکانہ۔

یہاں خاص طور پر یہ بات ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ اس آیت میں ''رسول''

کا لفظ استعمال کیا گیا ہے نہ کہ ''محمد'' یا ''محمد بن عبداللہ'' کا لفظ، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک رسول اللہ ﷺ کی اور دوسری ''محمد بن عبداللہ'' ﷺ کی۔ اب یہ محمد عبداللہ کا نہیں بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ آپ کی اہل بیت اور بیٹی وغیرہ ''محمد بن عبداللہ'' کی ہیں اور یہ مال محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ لہٰذا اس میں وراثت جاری نہیں ہو سکتی۔ اس مال پر تصرف کا حق متولیانہ ہے نہ کہ آپ کو مالکانہ حق ہے۔ یہ حق آپ کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اور آپ اس کو اللہ کے حکم سے استعمال فرماتے ہیں۔ آپ کے انتقال کے بعد جو شخص آپ کا جانشین بنتا، شرعی طور پر اس کے ذمہ لازم تھا کہ وہ اموال فئے کو وہیں صرف کرے جہاں اللہ کے رسول ﷺ صرف کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سیدنا جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت منقول ہے کہ

''انفال میں ہر وہ مال داخل ہے جو بغیر لڑائی کے دارالحرب سے حاصل ہو، اور ہر وہ زمین جس کے رہنے والے جلا وطن کر دیئے گئے ہوں اور بغیر جنگ و قتال کے ہاتھ آئی ہو، اور زمین اور جنگل اور بادشاہوں کی جاگیریں اور لاوارث مال، یہ سب فئے میں داخل ہیں اور خدا اور اس کے رسول کے ہیں، اور رسول کے انتقال کے بعد جو اس کا قائم مقام ہو۔'' (تفسیر صافی: ۶/ ۳۷۷)

اسی طرح کے اور بہت سے اقوال تفاسیر کی کتابوں میں منقول ہیں۔ چنانچہ تفسیر منہج الصادقین میں ہے:

''تیسرا مال فئے ہے اور وہ مال ہے جو کافروں سے مسلمانوں کے بغیر جنگ و قتال کے اور اونٹ اور گھوڑے دوڑائے حاصل ہو، اور وہ مال صرف رسول کا ہوتا ہے اور اس کی اس حیات دنیوی میں اور اس کے انتقال کے بعد ائمہ دین میں جو اس کا قائم مقام ہو، اس کو اس کے متصرفانہ حقوق حاصل ہوتے ہیں، اور جس کو وہ چاہے دے اور جس جگہ بہتر سمجھے اسے صرف کرے، اور یہ قول امیر المومنین علی بن ابی طالب کا ہے۔''

(منہج الصادقین: ۹/ ۶۸۳)

یہی وجہ ہے کہ آیت میں جہاں مال فئے کا مصرف بیان کیا گیا ہے وہاں کسی نسبی تعلق کا ذکر نہیں کیا گیا بجز ذوالقربیٰ، یتامیٰ، مساکین اور مسافروں کا ذکر کیا تا کہ واضح ہو جائے کہ یہ محمد بن عبداللہ ﷺ کی ملکیت نہیں کہ اس میں وراثت جاری ہو بلکہ اس کے خرچ کی تمام مدات خود ہی بیان فرما دی ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر رسول کی کوئی ذاتی ملکیت ہو بھی تو کیا اس

میں وراثت جاری ہوسکتی ہے؟ اس کا صاف جواب یہ ہے کہ نہیں ہوسکتی۔

(ملاحظہ ہو اصول کافی: ۱/۳۲، ۳۴، من لا یحضر و الفقیہ: ۲، ۳۴۶ وغیرہ)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو علم نہیں تھا کہ رسول اللہ کی میراث میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ اس کا جواب یہی ہے کہ جب حضرات نے بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کا مطالبہ کیا وہ اس مسئلہ سے واقف نہیں تھے۔ لیکن جب انہیں پتہ چل گیا کہ رسول کی وراثت جاری نہیں ہوتی تو وہ خاموش ہو گئے اور پھر انہوں نے کبھی بھی وراثت کا مطالبہ نہیں کیا۔ چنانچہ ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پیغمبر کی میراث کا مطالبہ کرنا کوئی عجیب بات نہیں ہے کیونکہ

**لانهالم تعلم ماقاله رسول الله صلى الله عليه وسلم وظنت انها ترثه كما ترث الاولاد آباء هم، فلما اخبرها بقوله كفت.**

(تاویل مشکل الاحادیث: ص ۱۸۹)

''وہ نہیں جانتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بارے میں کیا فرمان ہے ان کا گمان یہی تھا کہ جس طرح ہر اولاد کو اپنے باپ کے ترکہ سے حصہ ملتا ہے اسی طرح مجھے بھی ملے گا۔ لیکن جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم سنا دیا تو وہ خاموش ہو گئیں۔''

یہی حال ازواج مطہرات کا تھا۔ انہیں بھی اس بارے میں علم نہیں تھا۔ اسی وجہ سے انہوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ بنا کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تو وہ بھی فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم سن کر خاموش ہو گئیں اور پھر کبھی بھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی اولاد کی طرح کبھی وراثت حاصل کرنے کا مطالبہ نہیں کیا۔ چنانچہ جس جس نے بھی پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی وراثت کا مطالبہ کیا انہیں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ قول رسول سن کر ''**لا نورث ماتركنا صدقة**'' یعنی ہماری وراثت جاری نہیں ہوتی بلکہ ہم (انبیاء) جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے، خاموشی اختیار کرنا پڑی۔ اگر یہ قولِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتا تو وراثت کے جاری کرنے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دونوں کو بھی فائدہ ہوتا کیونکہ ان دونوں کی صاحبزادیوں سیدہ عائشہ اور سیدہ حفصہ سلام اللہ علیہما کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت سے حصہ ملتا لیکن ان لوگوں نے پیغمبر کے قول کو ترجیح دی اور اپنی صاحبزادی کو وراثت طلب کرنے سے روک دیا۔ اگر پیغمبر کی وراثت جاری ہوتی تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دونوں کے لیے بھی

قابل فخر بات ہوتی کہ ان کی صاحبزادیوں کو بھی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وراثت سے حصہ ملا ہے۔
(البدایہ والنہایہ: ۲۵۲/۵۔۲۵۳ وقال اسنادہ جید قوی)

## سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناراضگی کی حقیقت:

بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا باغ فدک نہ ملنے کی وجہ سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوگئیں۔ ناراضی! یہ کہانی کسی کتاب میں ان الفاظ میں نہیں ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ فرمایا ہو کہ میرا حق وراثت غصب ہوا لہٰذا میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوں کیونکہ انہوں نے مجھ پر زیادتی کی ہے، اس وجہ سے میں ان سے کبھی بات نہیں کروں گی۔ البتہ روایت میں یہ ہے کہ

فغضبت فاطمة فهجرة (ابابكر) فكلم تكلم. (السنن الکبریٰ بیہقی: ۳۰۰/۶)

''سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا غصے ہوگئیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے گفتگو ترک کر دی۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مطالبہ میراث کی روایت کتابوں میں ۳۶ جگہ پر ہے۔ ان میں گیارہ روایات کی سند میں ابن شہاب زہری نہیں۔ ان روایات میں سے کسی میں بھی سیدہ رضی اللہ عنہا کی رنجیدگی کا کوئی لفظ موجود نہیں۔ ان گیارہ روایات کے علاوہ ۲۵ روایات میں ابن شہاب زہری موجود ہے۔ ان میں اگرچہ بعض روایات میں زہری موجود ہے لیکن رنجیدگی اور ناراضگی کے کوئی الفاظ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں منقول نہیں۔ ان روایات کی تعداد ۹ ہے۔ ان کے علاوہ سولہ (۱۶) روایات ایسی ہیں جن میں عدم تکلم وغیرہ کے الفاظ موجود ہیں، اور ان روایات کی سند میں ابن شہاب زہری ضرور موجود ہے۔ ان روایات میں عدم تکلم اور رنجیدگی وغیرہ کے الفاظ ابن شہاب زہری نے اپنی طرف سے بڑھا دیئے ہیں جو کہ ان کا ادراج ہے جو کہ زہری کی فطرت ہے۔

لیکن اگر اس ناراضگی کی بات کو صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا غصے ہونا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے مضر نہیں ہے کیونکہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ناراض نہیں کیا بلکہ ارشاد نبوی سنایا تھا، اور یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ اپنے ابا کا ارشاد سن کر سیدہ رضی اللہ عنہا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو جائیں اور وفات تک ان سے بات نہ کریں۔ پھر اسی بیہقی کی روایت میں سیدہ رضی اللہ عنہا کا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بات کرنا اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سیدہ رضی اللہ عنہا کی عیادت کرنا

بھی آیا ہے۔ چنانچہ بیہقی نے امام شعبی کے طریق سے روایت کی ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جب بیمار ہوئیں تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''آپ چاہتے ہیں کہ ان کو اجازت دی جائے۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہاں'' چنانچہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے اجازت دے دی۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اندر تشریف لائے اور سیدہ رضی اللہ عنہا کو راضی کیا اور وہ راضی ہوگئیں۔''

(طبقات ابن سعد: ۸/ ۱۷، سنن کبریٰ: ۶/ ۳۰۱، اباطیل یجب ان تمحی من التاریخ: ص ۱۰۹)

اس روایت سے یہ اشکال زائل ہو جاتا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناراض اس دنیا سے رخصت ہوئیں اور یہ ہو بھی کیسے سکتا تھا جب کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

''خدا کی قسم! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار اپنے رشتہ داروں سے زیادہ محبوب اور عزیز ہیں۔'' (بخاری، رقم: ۴۰۳۶)

اور پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ بھی کیا وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اتباع اور تعمیل میں کیا۔ **(العقیدۃ فی اھل البیت بین الافراط والتفریط، سالم السحیمی: ص ۲۹۱)**

اصل بات یہ ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کو اپنے ابا جان اکرم الخلق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کا نہایت صدمہ تھا۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو سیدہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے اس وقت جو کلمات نکلے وہ آپ کے شدت غم کی عکاسی کر رہے ہیں۔

**یا ابتاہ! اجاب ربا دعاہ**

اے میرے پیارے ابا جان! آپ نے اپنے رب کی دعوت کو قبول کر لیا۔

**یا ابتاہ! الیٰ جنۃ الفردوس ماواہ**

اے ابا جان! آپ جنت الفردوس میں تشریف فرما ہو گئے۔

**یا ابتاہ! الیٰ جبریل ننعاہ**

اے ابا جان! آپ کی وفات کی خبر جبرئیل کو کون پہنچائے گا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات آپ کے لیے ایک بہت بڑی مصیبت اور دکھ کی بات تھی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سیدہ رضی اللہ عنہا خود صاحب فراش ہوگئیں اور چلنے پھرنے سے معذور ہوگئیں، لہٰذا وہ خلیفۃ المسلمین سے ملنے سے قاصر تھیں اور خود سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی

حکومت سے مختلف کاموں میں مصروف ہو گئے جن کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ پھر سیدہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتانے سے یہ بھی علم تھا کہ سب سے پہلے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے والی ہیں۔ جس عورت کے دل و دماغ پر اس قدر مصائب چھائے ہوئے ہوں اس کے لیے دنیاوی امور سے کیا تعلق رہ جاتا ہے۔ امام مہلب نے اس بارے میں کیا اچھی بات فرمائی ہے جس کو علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ ''سیدہ انہی امور کی وجہ سے گھر میں بیٹھ گئیں اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے نہ ملیں جس کی وجہ سے راوی نے یہ سمجھ لیا کہ وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گئیں۔ یہ راوی کے فہم کی غلطی ہے۔ (اباطيل يجب أن تمحى من التاريخ:ص۱۰۸)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ناراضی کے بارے روایات میں جو الفاظ آئے ہیں وہ مختلف ہیں۔ بعض روایات میں "**فغضبت فاطمة**" آیا ہے اور بعض میں "**فوجدت فاطمة**" آیا ہے۔

(بخاری:۲/۶۰۹)

اور لفظ ''وجدت'' جس طرح ''غضبت'' کے معنوں میں آتا ہے جو غصہ پر دلالت کرتا ہے، اسی طرح ''حزنت'' کے معنوں میں بھی آتا ہے جو حزن و ملال پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے یہ معنی ہوئے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب میراث کا مطالبہ کیا تو اس کے جواب میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ارشاد نبوی سنایا تو سیدہ رضی اللہ عنہا کو ایک گونہ ندامت اور رنج و ملال ہوا کہ میں نے میراث کا مطالبہ یوں کیا۔ پھر اسی ندامت اور خجالت کی وجہ سے سیدہ رضی اللہ عنہا کی علالت کا سلسلہ شروع ہو گیا اور اپنی وفات تک پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مطالبہ نہ کیا۔

اگر کوئی صاحب زیادہ ہی مصر ہوں کہ نہیں صاحب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گئیں تھیں، پھر بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مورد الزام نہیں ٹھہرتے کیونکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر بھی کئی دفعہ ناراض اور غضب ناک ہوئیں، اس لیے اگر سیدہ رضی اللہ عنہا کے ناراض ہونے سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مورد الزام ٹھہرتے ہیں تو سیدنا علی بھی اس الزام سے نہیں بچ سکتے۔

روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ اموال فئے جن میں باغ فدک بھی شامل تھا، ان کا انتظام و انصرام سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دیا گیا تھا۔ ان کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، پھر سیدنا علی بن الحسین رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسن بن حسن رضی اللہ عنہ اور پھر زید بن حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ (بخاری:۲/۵۷۶، السنن الکبری بیہقی:۸/۲۹۹، ابن ابی الحدید:۴/۱۱۸)

چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس حسن سلوک کے باعث سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی خوش رہیں

اوران کی اولاد بھی خوش وخرم رہی۔ یہی وجہ تھی کہ جب ایک مرتبہ کسی پوچھنے والے نے سیدنا محمد باقر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ''کیا تم سمجھتے ہو کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ نے تمہارے حق میں کسی قسم کی کوئی زیادتی یا ظلم کیا؟ آپ نے جواب میں فرمایا: ''بالکل نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس نے اپنے بندے پر قرآن حکیم کو نازل فرمایا: ہمارے حق میں رائی کے دانے کے برابر بھی ظلم نہیں ہوا۔'' پوچھنے والے نے پھر پوچھا: ''کیا میں ان سے دوستی اور محبت رکھوں؟'' آپ نے جواب میں فرمایا: ''ہاں'' پھر فرمایا: ''تو ان دونوں (سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ) کے ساتھ دنیا اور آخرت دونوں میں محبت رکھ، اور اگر کوئی وبال پیش آئے تو میری گردن پر ہوگا۔''

(ابن ابی الحدید: ۱۱۳/۴، وفاء الوفاء: ص ۱۰۰، فضائل ابی بکر طالب عشاری: ص ۵)

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بعض حضرات نے باغ فدک اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا کو واپس کرنے کے لیے کہا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بڑا خوبصورت جواب دیا:

''مجھے اللہ سے حیا آتی ہے کہ میں اس شے کو لوٹا دوں جس کو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے منع کیا اور عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے اس حکم کو جاری رکھا۔'' (ابن ابی الحدید: ۴/ ۱۳۰)

اسی وجہ سے سیدنا محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی سیدنا زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جگہ میں ہوتا تو میں بھی فدک کے معاملہ میں وہی فیصلہ کرتا جو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا۔''

(البدایہ والنہایہ: ۲۹۰/۵، السنن الکبریٰ بیہقی: ۳۰۲/۶، ابن ابی الحدید: ۱۱۳/۴)

شاید یہی وجہ تھی کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ سیدہ اسماء بنت عمیس نے کی اور پھر سیدہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔

(طبقات ابن سعد: ۸/ ۱۶۔۱۹، سنن کبریٰ بیہقی: ۴/ ۲۹، حلیۃ الاولیاء: ۵/ ۹۶)

یہ تھی ایک اجمالی بحث سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وراثت نبوی کے مطالبہ کے بارے میں جس کو بعض لوگوں نے کچھ کا کچھ بنا دیا ہے۔

# خلافت کی گراں باری اور لشکر اسامہ کی روانگی

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خلافت کی گراں بار ذمہ داری سے سبک دوش ہوئے تھے کہ مملکت اسلامیہ میں مختلف فتنوں نے سر اٹھالیا۔ مدینہ طیبہ کے اندر اور باہر فتنوں کا ایک سیلاب تھا جو امڈ آیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جونہی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو میرے ابا پر ایسے مصائب اور حوادث ٹوٹ پڑے کہ اگر بڑے بڑے مضبوط پہاڑوں پر بھی وہ مصائب نازل ہوتے تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ ایک طرف مدینہ میں نفاق گھسا ہوا تھا تو دوسری طرف عرب مرتد ہونے لگے تھے۔ (ابن خلدون بلاذری: ص۱۰۲)

مدینہ طیبہ میں منافقین کا گروہ اب بھی باقی تھا۔ مسئلہ خلافت پر انہوں نے انصار و مہاجرین کے درمیان جو فتنہ برپا کرنے کی کوشش کی تھی، فراست صدیقی نے اسے بالکل ناکام بنا دیا تھا۔ اور بقول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

**اجمع الناس علیٰ خلافة ابی بکر لانهم لم یجدوا تحت ادیم اسماء خیر من ابی بکر.**

''یعنی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اس لیے اتفاق کرلیا تھا کہ اس آسمان کے نیچے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بہتر انہیں اور کوئی شخص دستیاب نہ تھا۔''

(سیرۃ حلبیہ: ۳/۳۹۱)

ایک طرف منافقین کا گروہ تھا جو اسلام میں تشتت وافتراق کی خلیج پیدا کرنا چاہتا تھا تو دوسری طرف ختم نبوت کا تحفظ تھا کیونکہ جھوٹے مدعیان نبوت نے سر اٹھا لیا تھا۔ کئی علاقوں میں ارتداد کا فتنہ سر نکال رہا تھا اور دوسری طرف مانعین زکوۃ کا فتنہ بھی بڑی خطرناک صورت اختیار کر گیا تھا۔ جو مملکت اسلامیہ جس کی بنیادوں میں بدر واحد اور خندق وحنین کا خون جذب تھا، کو

مکمل طور پر تباہی کی طرف دھکیلنے کے لیے سرگرم عمل تھا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد ہم مسلمانوں کو اس قسم کے حالات سے واسطہ پڑا کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل سے ہمیں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ عطا نہ فرماتے تو ہم ہلاک ہو جاتے۔

(فتوح البلدان بلاذری: ص ۱۰۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی خبر پورے جزیرہ عرب میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ اس خبر نے یہود و نصاریٰ میں تو خوشی کی لہر دوڑا دی اور مختلف عرب قبائل نے مدینہ کے اقتدار سے بغاوت کرنا شروع کر دی گویا عرب کے اکثر قبائل شتر بے مہار ہو گئے۔

(طبری: ۲/ ۴۶۱)

خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد سب سے اہم ذمہ داری سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے یہ تھی کہ وہ جیش اسامہ کو روانہ کریں کیونکہ اس لشکر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ترتیب دیا تھا اور اس لشکر کا جھنڈا خود اپنے ہاتھ سے باندھا تھا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال تک مقام ''جرف'' پر ٹھہرا رہا۔ مدینہ طیبہ اور اس کے گرد و نواح میں فتنوں کی وجہ سے جو صورت حال پیدا ہو گئی تھی، اکثر و بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سے پریشان تھے، لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بالکل پریشان اور سراسیمہ نہیں تھے۔ وہ وقت کے دریا سے ابھرنے والی موجِ حوادث سے کھیلنا جانتے تھے۔ وہ دل و جان سے یہ چاہتے کہ جیش اسامہ کو فوری طور پر اس مہم پر بھیج دیا جائے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آخری حالات میں اسے روانہ کر گئے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بارے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہم نوا نہیں تھے۔ اس میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اختلاف رکھتے تھے۔ لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک پہاڑ کی طرح اپنی بات پر ڈٹے ہوئے تھے۔ جب اختلاف نے شدت اختیار کر لی تو ایک ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے فرمایا:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر تمام مدینہ خالی ہو جائے اور میں تنہا رہ جاؤں اور درندے اور کتے مجھے کھانا شروع کر دیں، میں اس وقت بھی اسامہ اور اس کے لشکر کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اس مہم پر روانہ کر دوں گا۔'' (طبری: ۲/ ۴۶۱، ابن عساکر: ۱/ ۱۱۷)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ کوئی جذباتی فیصلہ نہیں تھا بلکہ آپ نے انتہائی غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا۔ آپ کامل صدیق تھے اور صدیق مزاج شناس رسول ہوتا ہے۔ آپ اس مہم

کی اہمیت سے پوری طرح آشنا تھے کیونکہ اس سے قبل جنگ موتہ میں بھی رومیوں سے دو دو ہاتھ ہو چکے تھے اور تین ہزار کے لشکر نے دو لاکھ کے لشکر کو بھگا دیا۔ پھر غزوہ تبوک کے نام پر تیس (۳۰) ہزار افراد پر مشتمل لشکر کو سرکار دو عالم ﷺ خود اس مہم پر تشریف لے گئے لیکن دشمن مقابلہ پر نہ آیا۔ اب رومیوں نے مسلمانوں سے سخت رویہ اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی لشکر اسامہ کی تیاری کا حکم صادر فرما دیا۔ اگر مسلمانوں پر رومی حملہ کرتے تو مسلمان دفاع کرتے لیکن دفاع ہمیشہ کمزور اور حملہ مضبوط اور طاقتور کرتا ہے لہٰذا سرکار دو عالم ﷺ نے حملہ کو ترجیح دی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جیش اسامہ کی اہمیت کو بخوبی جانتے تھے لہٰذا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس لشکر کو سب سے پہلے بھیجنے پر اصرار کیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب یقین ہو گیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کسی صورت میں لشکر اسامہ کو روکنے کے لیے تیار نہیں تو اب آپ نے انصار کی نمائندگی کرتے ہوئے بارگاہ میں سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کی قیادت پر اعتراض کیا اور کہا کہ سن رسیدہ اور معمر شخص کو سپہ سالار لشکر بنایا جائے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب یہ بات سنی تو اپنی طبیعت کی نرمی کے باوجود غصہ میں آ گئے اور فرمایا: ''اے خطاب کے بیٹے! رسول اللہ ﷺ نے تو اسامہ رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر مقرر کیا تو مجھے یہ کہتا ہے کہ اسامہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر دوں۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ ترش اور خفگی بھرا جواب سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سخت نادم ہوئے اور انصار کے لوگوں سے فرمایا: '' چلے جاؤ مجھے تمہاری وجہ سے خلیفہ رسول (ﷺ) کی ڈانٹ پڑی ہے۔

اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں بڑے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن میں ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ کچھ حضرات نے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت پر چہ میگوئیاں کی تھیں۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

''لوگو! اسامہ کے لشکر کو شام کی طرف جانے دو۔ تم لوگوں نے اس کے بارے میں اعتراض کے رنگ میں کچھ باتیں کی ہیں۔ اس سے قبل ان کے باپ کے بارے میں بھی اسی قسم کی باتیں کی تھیں، لیکن تمہارے اعتراض کے باوجود اسامہ رضی اللہ عنہ امارت کے لائق ہے اور اس کا والد زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ امارت کے لائق تھا۔''

لشکر اسامہ تو جانے کے لیے بالکل تیار تھا صرف رسول اللہ ﷺ کی بیماری کے باعث مقام جرف پر رکا ہوا تھا۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آپ ﷺ کی بیماری بڑھ

گئی اور میرے چند رفقاء ''جرف'' سے مدینہ طیبہ آئے۔ میں بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ شدت مرض کی وجہ سے بول نہیں سکتے تھے۔ آپ بار بار آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے اور پھر مجھ پر رکھ دیتے۔ میں سمجھ گیا کہ آپ ﷺ میرے لیے دعا فرما رہے ہیں۔ جس روز اسامہ رضی اللہ عنہ نے لشکر کے کوچ کا ارادہ کیا اسی روز آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ آپ ﷺ کی تجہیز و تکفین میں اسامہ رضی اللہ عنہ نے پوری پوری مدد کی۔

سرکار دو عالم ﷺ کے انتقال کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ ان کے سامنے بھی لوگوں نے اسامہ رضی اللہ عنہ کی قیادت پر اعتراضات کیے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان تمام لوگوں کے اعتراضات کو رد کرتے ہوئے جیش اسامہ شام روانہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ لہٰذا آپ نے اعلان کر دیا کہ وہ سارے کے سارے جو جیش اسامہ کے لیے نامزد کیے گئے تھے وہ مقام جرف میں پہنچ جائیں۔ جب یہ لوگ وہاں جمع ہو گئے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی وہاں پہنچ گئے۔ اس موقع پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ دیا:

''لوگو! میں تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں۔ مجھے کیا پتہ تھا کہ تم لوگ مجھ پر وہ بوجھ ڈال دو گے جس کے اٹھانے کی طاقت صرف سرکار دو عالم ﷺ میں تھی کیونکہ میں ان کے مقابلہ میں بہت کمزور ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام جہانوں کی مخلوق سے منتخب فرمایا اور ہر قسم کی آفتوں سے آپ کو محفوظ و مصئون فرمایا۔ مجھ میں کوئی ہمت اور طاقت نہیں ہے میرا کام صرف اور صرف سرکار دو عالم ﷺ کی اطاعت اور ان کے اقوال و افعال کی تابعداری کرنا ہے۔ میں تم لوگوں کے سامنے کوئی نئی شے پیش نہیں کروں گا۔ اگر میں سیدھا رہوں تو میری اطاعت کرو اور اگر میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کرو۔'' (البدایہ والنہایہ: ۶/ ۳۰۵۔۳۰۷)

اس مختصر خطبے کے بعد آپ نے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کا یہ لشکر اس شان سے روانہ ہوا کہ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ تو گھوڑے پر سوار ہیں اور خلیفۂ رسول اس کے ساتھ پیدل چل رہے ہیں۔ یہ نظام تمام اہل مدینہ نے جو لشکر کو الوداع کہنے کے لیے جرف آئے ہوئے تھے، اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اٹھارہ سالہ اسامہ رضی اللہ عنہ ایک عمدہ گھوڑے پر سوار تھے لیکن ساٹھ سالہ خلیفۂ رسول اس کی مصاحبت اور مشایعت کے لیے پیدل چل رہے ہیں۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی: ''یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں یا پھر مجھے

بھی پیدل چلنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''تم کو خدا کی قسم جو گھوڑے سے اترو اور میں بھی ہرگز سوار نہیں ہوں گا۔ اگر اللہ کی راہ میں کچھ دیر کے لیے میرے پاؤں غبار آلود ہو گئے، غازی کے ہر قدم کے عوض سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ شاید یہی عمل میری مغفرت کا باعث بن جائے۔ اس کے بعد سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اگر تم مناسب سمجھو تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ میرے لیے یہاں چھوڑ جاؤ، مجھے ان کے مشورہ کی ضرورت ہوگی۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ اس بات پر رضامند ہو گئے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مدینہ رہ جانے کی اجازت دے دی۔

الوداعی مقام پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لشکر اسامہ کو چند باتیں کہیں، فرمایا: اے مجاہدین اسلام! تم اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے کے لیے شام جیسے دور دراز علاقہ میں جارہے ہو اس موقع پر میں تمہیں چند باتیں کہنا چاہتا ہوں۔ ان کو غور سے سنو اور ان پر ضرور عمل کرو:

① خیانت نہ کرنا۔
② بدعہدی نہ کرنا۔
③ چوری نہ کرنا۔
④ جنگ میں کسی کا مثلہ نہ کرنا یعنی اس کے اعضاء نہ کاٹنا، بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا۔
⑤ کھجور کے درخت اور دوسرے پھل دار درخت نہ کاٹنا۔
⑥ بھیڑ، بکری گائے یا اونٹ کو کھانے کے سوا ذبح نہ کرنا۔
⑦ راہبوں اور تارک الدنیا لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دینا اور ان سے کوئی تعرض نہ کرنا۔
⑧ تم ایسے لوگوں کے پاس جاؤ گے جو تمہارے لیے مختلف اقسام کے کھانے برتنوں میں ڈال کر پیش کریں گے۔ انہیں بسم اللہ پڑھ کر شروع کرنا۔
⑨ تم ایسے لوگوں سے بھی ملو گے جنہوں نے سر کا درمیانی حصہ منڈوایا ہوگا، لیکن سر کے چاروں طرف بڑی بڑی لٹیں لٹکتی ہوں، انہیں قتل نہ کرنا۔
⑩ اپنی حفاظت اللہ کے نام سے کرنا، اللہ تعالیٰ تم کو شکست اور وبا سے اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ (طبری: ۴/۴۶)

پھر آپ نے خاص طور پر سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی کہ اللہ کے رسول نے تمہیں جو امور انجام دینے کے لیے ہدایت فرمائی تھی اس کو پوری توجہ سے انجام دینا اور

آپ ﷺ کی ہدایات کی بجا آوری میں کوئی کوتاہی نہ کرنا۔

یہ نصائح کر کے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی واپس مدینہ آ گئے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ اپنے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے پابہ رکاب ہو گئے۔

## لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کی کامیابی:

مئی کا مہینہ تھا جب ایڑی سے چوٹی تک پسینہ بہتا ہے، تاہم یہ لشکر تپتے صحراؤں اور گھنے جنگلوں میں سے ہوتا ہوا انیس (۱۹) روز میں مدینہ طیبہ کے شمال میں بلقاء کے مقام پر پہنچا۔ جہاں بنو قضاعہ رہتے تھے۔ اسی مقام کے قریب جنگ موتہ ہوئی تھی جس میں اسامہ رضی اللہ عنہ کے والد سیدنا زید رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش فرمایا تھا۔ یہ لشکر تین ہزار انصار اور مہاجرین پر مشتمل تھا۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے فوج کو مختلف دستوں میں تقسیم کر کے اہل الزیت اور بنو قضاعہ کے قبائل پر حملہ کا حکم دیا۔ حملہ کا حکم دینے سے پہلے آپ نے انہیں مختصر سا خطاب فرمایا۔

''اے مجاہدین اسلام! حملہ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ دشمن اگر بھاگ پڑے تو اس کا تعاقب نہ کرنا۔ آپس میں متفق و متحد رہنا، ہلکی آواز سے بولنا، اللہ تعالیٰ کو ہر وقت اپنے دلوں میں یاد کرنا اور تلواریں جب ایک دفعہ نیام سے باہر نکال لو تو پھر جب تک دشمن کا کام تمام نہ کر لو انہیں نیام میں مت ڈالنا۔''

اس خطاب کے بعد آپ نے لشکر کو حملہ کا حکم دیا۔ دشمن لشکر اسامہ کی مقاومت نہ کر سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بے شمار رومیوں کو مسلمانوں نے قتل کیا۔ چند مقامی لوگوں نے اس شخص کی نشان دہی بھی جس نے ان کے والد سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ اس شخص کو پکڑ کر سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کے سامنے لایا گیا تو ان کے حکم سے اس کی گردن اڑا دی گئی۔ اس طرح جنگ موتہ کا انتقام لیا گیا۔ اور بھی کئی مقامات پر انہوں نے حملے کیے اور ہر حملہ میں کامیابی نے ان کے قدم چومے۔ مدینہ میں جب سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی کامیابی کی خبر پہنچی تو پورے مدینہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی خصوصی طور پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خوشی کی تو کوئی انتہا نہ رہی۔ اس کامیابی سے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی عزت و تکریم میں بھی بے پناہ اضافہ ہوا۔

جب یہ لشکر کامیابی کے جھنڈے گاڑ کر واپس آیا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بہت سے

اکابر مہاجرین وانصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ سے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا، اور جب یہ لشکر مدینہ میں داخل ہوا تو اس شان سے داخل ہوا کہ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ کے گھوڑے پر سوار تھے اور ان کے آگے آگے سیدنا بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ پرچم اٹھائے چل رہے تھے۔ یہ وہی پرچم تھا جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے چند روز پہلے اپنے ہاتھوں سے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا تھا اور جس کے بارے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ جس پرچم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے حوالہ کیا تھا میں اسے کس طرح لپیٹ کر رکھ دوں۔ مسلمان مردوں کے علاوہ مدینہ منورہ کے بچے اور خواتین بھی بڑی خوش تھیں اور اس لشکر کے استقبال کے لیے موجود تھیں۔

اس مہم کی کامیابی سے نگاہِ نبوت اور بصیرتِ صدیقی جن فوائد اور نتائج کو دیکھ رہی تھی، وہ سارے کے سارے حاصل ہوئے۔ ہرقل قیصر روم جو اس وقت حمص میں تھا، اسے جب اس حملے کا علم ہوا تو اس نے اپنی سلطنت سے بڑے بڑے پادریوں کو اکٹھا کیا اور کہا: ''دیکھو یہ وہی لوگ ہیں جن سے میں تم لوگوں کو بروقت خبردار کیا کرتا تھا لیکن تم نہیں مانتے تھے۔ تم ان عربوں کی ہمت اور جرأت دیکھتے ہو کہ ایک ماہ کی مسافت پر آ کر وہ تم پر حملہ کرتے ہیں اور کامیاب و کامران واپس بھی چلے جاتے ہیں۔ (ابن عساکر: ۱/۱۲۴)

رومی مسلمانوں کے اس حملہ سے بہت متعجب ہوئے اور آپس میں کہنے لگے۔ ''اس قوم کا کیا حال ہے کہ ان کے سردار (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ہوگیا ہے پھر بھی ہمارے علاقہ میں اتنی دور آ کر حملہ آور ہوئے ہیں۔'' (ابن عساکر: ۱/۴۳۹)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو قصۃ بعث ابی بکر جیش اسامہ: ص ۲۴-۳۰، البدایہ والنہایہ: ۲۱۳/۵-۲۱۴، عہد الخلفاء الراشدین للذھبی: ص ۲۰، الدعوۃ الی الاسلام: ص ۶۳، عبقریۃ الصدیق: ص ۱۰۹)

اس حملہ سے رومیوں پر بڑے گہرے اثرات مرتب ہوئے اور خود ہرقل بھی اس سے گھبرا گیا۔ مرتد قبائل بھی سہم گئے۔ یہی وجہ ہے کہ دومۃ الجندل کے سوا عرب کے شمالی حصوں میں رہنے والوں نے مدینہ پر حملہ کرنے میں انتہائی تامل سے کام لیا حالانکہ اس سے قبل وہ یہ ارادہ کر چکے تھے کہ وہ مدینہ پر چڑھائی کر کے مسلمانوں سے رومی سرحدوں پر حملہ کرنے کا انتقام لیں گے۔ چنانچہ اس بات کو موجودہ زمانے کے مستشرقین نے بھی اس حملے کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ عصر حاضر کا مشہور مستشرق منٹگمری واٹ لکھتا ہے کہ

''پیغمبر اسلام نے اس بات کو بخوبی محسوس کر لیا تھا کہ جب تک شام کی طرف مہمیں

روانہ نہیں کی جائیں گی عرب قبائل پرامن نہیں رہ سکتے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کی سیاسی اہمیت سے واقف تھے اسی وجہ سے باوجود شدید مخالفت اور سخت خطرات کے انہوں نے اسامہ کی زیر قیادت ایک بڑا لشکر روانہ کیا۔"

(انسائیکلوپیڈیا آف اسلام: ۱/۱۱۰، بحوالہ صدیق اکبر: ص ۱۳۸)

پروفیسر آرنلڈ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد جیش اسامہ کو بھیجنے کا جو مسئلہ اٹھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لشکر کو شام کی طرف بھیجنا چاہتے تھے، اگرچہ بعض مسلمانوں نے انتقال رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس لشکر کے بھیجنے کی مخالفت کی کیونکہ عرب کی حالت اس وقت نہایت مضطرب تھی۔ مختلف فتنوں نے سر اٹھایا ہوا تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے احتجاج کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کا فیصلہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہوگا خواہ مجھے درندہ ہی اچک کر کیوں نہ لے جائیں، چنانچہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علی الرغم جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کو اسی طرح بھیجا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھیجنا چاہتے تھے۔

(الدعوۃ الی الاسلام: ص ۶۳، قصۃ بعث ابی بکر جیش اسامۃ: ص ۳۹، ۴۷، ۴۸)

# ارتداد و بغاوت

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر کم سے کم وقت میں جنگل کی آگ کی طرح ملک کے طول و عرض میں پھیل گئی۔ عربوں کی اچھی خاصی تعداد نے اس خبر کو سنتے ہی مدینہ کے اقتدار کے خلاف بغاوت کرنا شروع کر دی اور مختلف قبائل نے ترک اسلام کر کے دور جاہلیت کی بدویانہ زندگی کو اپنانا شروع کر دیا۔ یہودی اور عیسائی اس صورت حال سے نہایت خوش تھے اور انہوں نے یہ سمجھنا شروع کر دیا کہ اب اسلام چند ہی دنوں کا مہمان ہے۔ مدینہ منورہ میں مسئلہ خلافت کے بارہ میں اجتماع اور اجلاس ہو رہے تھے اور دوسرے طرف پورے عرب میں ارتداد و بغاوت کا طوفان اس زور سے اٹھا کہ مملکت اسلامیہ کے در و دیوار ہل گئے۔ اس نازک موقع پر اللہ تعالی نے مسلمانوں پر اپنا خاص فضل فرمایا اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک خاص حکمت عملی سے کام لے کر اس مسئلہ کو نہایت خوبی اور احسن طریق سے ایسا حل کیا کہ دین میں تشتت و افتراق کی کوئی دراڑ نہ پڑی۔

مکہ مکرمہ کے لوگ ارتداد کے بالکل قریب پہنچ گئے تھے اور اسلام کے خلاف بغاوت کے لیے کمر بستہ ہو گئے تھے۔ مدینہ کی طرح مکہ کو بھی اسلام اور مملکت اسلامیہ میں ایک خاص مقام حاصل تھا کیونکہ یہ اہل اسلام کا قبلہ تھا اور بیت اللہ بھی یہیں تھا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اور بعثت بھی اسی شہر میں ہوئی تھی اور یہیں سے اسلام کی تعلیمات کا آغاز ہوا۔ اس لیے اس شہر میں ارتداد اور بغاوت کے شعلوں کا بھڑکنا مملکت اسلامیہ کے لیے نہایت خطرناک تھا۔

اس وقت مکہ کے گورنر سیدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ تھے۔ جو فتح مکہ کے روز مسلمان ہوئے اور نوجوان اور نومسلم ہونے کے باوجود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مکہ کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔ وہ لوگوں کے طرز عمل سے خوف زدہ اور پریشان ہو گئے۔ اور خوف زدہ ہو کر روپوش ہو گئے،

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص قدرت سے اسلام کی حفاظت فرمائی اور ایک صحابی رسول سیدنا سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کے ذریعہ لوگوں کو ارتداد اور بغاوت سے روک دیا۔ انہوں نے جب دیکھا کہ مکہ کے مسلمان بے یقینی کا شکار ہو گئے ہیں تو انہوں نے شہر کے تمام مسلمانوں کو اکٹھا کیا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال سے اسلام کی طاقت اور قوت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ اے اہل مکہ! یاد رکھو جو اسلام کی حقانیت کے بارے میں شبہ کا اظہار کرے گا اور ارتداد و بغاوت کی راہ پر گامزن ہوگا اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔''

یہ صرف دھمکی تھی، ہو سکتا ہے کہ اہل مکہ پر اثر نہ کرتی، لیکن اس کے ساتھ ہی آپ نے دوسری بات یہ فرمائی: ''اہل مکہ! گھبرانے کی ضرورت نہیں، اسلام کوئی وقتی مذہب نہیں بلکہ ایک دوامی مذہب ہے جو دنیا میں ہمیشہ قائم رہنے کے لیے آیا ہے۔ اس میں نہ تو کسی قسم کی کوئی کمزوری واقع ہوگی اور نہ ہی اس کو کوئی شخص نقصان پہنچا سکے گا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت اہل مکہ کے حصہ میں آئے گی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''الائمۃ من قریش'' سیدنا سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کی دھمکی نے بھی اچھا اثر کیا لیکن جب اہل مکہ کو پتہ چلا کہ خلافت قریش ہی میں رہے گی تو ان کے ذہن و قلب سے بغاوت کے خیالات ختم ہو گئے۔ پھر دو ایک روز میں انہیں اطلاع بھی مل گئی کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ رسول ہو گئے۔ اس سے ان کے ذہن صاف ہو گئے۔

طائف کے قبیلہ ثقیف نے بھی بغاوت کرنا چاہی لیکن وہاں کے گورنر عثمان بن ابو العاص رضی اللہ عنہ نے انہیں سمجھایا اور وہ بغاوت وارتداد سے باز آ گئے۔ اور بھی کئی قبائل تھے جن میں بغاوت وارتداد کے جراثیم پنپنے لگے۔ ان قبائل میں سے ایک قبیلہ بنو حنیفہ تھا۔ اس بارے میں مؤرخین نے لکھا ہے کہ وہ ارتداد اور بغاوت میں پیش پیش تھے۔ لیکن کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ قبیلہ کو ابتداء ہی سے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت عداوت تھی۔ سوق عکاظ میں ایک مرتبہ آپ اس قبیلہ کے پاس تشریف لے گئے لیکن یہ لوگ نہایت بدتہذیبی اور بدکلامی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیش آئے۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۲۴۲)

یہ قبیلہ یمامہ میں رہتا تھا جو مکہ اور یمن کے درمیان ایک مقام ہے۔ مسیلمہ کذاب جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اسی قبیلے کا ایک فرد تھا۔

اہل نجران کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے بھی ارتداد اور بغاوت میں

حصہ لیا تھا حالانکہ یہ لوگ ابھی ایمان ہی نہیں لائے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے انتقال کی خبر جب ان لوگوں کو پہنچی تو ان کی عورتوں نے باقاعدہ جشن مسرت منایا۔ یہی حال بنو عامر کا تھا، وہ بھی اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی دشمنی میں آخری حد تک پہنچے ہوئے تھے۔ یہ صرف چند قبائل کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ قبائل جب مسلمان ہی نہیں تھے تو ان کا ارتداد کیسا۔ کیونکہ ارتداد کی تعریف یہ ہے کہ مسلمان اپنے قول و فعل سے خواہ وہ استہزاء سے یا عناد سے اسلام کو ترک کر دے۔

(ملاحظہ ہو محمد الزہری الغمراوی شرح علی متن المنہاج لشرف الدین النووی: ص ۵۱۹، احکام المرتد فی الاسلام: ص ۴۴، المحلی لابن حزم: ۱۱: ۱۸۸، حرکۃ الردۃ علی العتوم: ص ۱۸)

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ان قبائل نے اسلام کو ترک نہیں کیا تھا البتہ انہوں نے مدینہ کی اسلامی ریاست سے بغاوت کر دی تھی۔ بعض لوگ اسلام کو تو بالکل سچا اور درست مانتے تھے اور اس کے کسی جزو کے منکر نہ تھے لیکن مدینہ کی حاکمیت کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔

بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ ارتداد اور بغاوت کی راہ اختیار کرنے والے یہ وہ لوگ تھے جو کسی تبلیغ سے متاثر ہو کر مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ یہ دیکھ کر انہوں نے اسلام قبول کیا تھا کہ سرکار دو عالم ﷺ کی حکومت تمام جزیرہ نمائے عرب میں قائم ہو گئی ہے اور اب آپ کا اقتدار نہایت تیزی کے ساتھ ایران اور سلطنت روم کی سرحدوں کی طرف بڑھ رہا ہے۔ سب عرب اسلام قبول کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ ان کے وفود بکثرت مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقۂ بگوش اسلام ہو رہے ہیں لہٰذا ہمیں بھی مسلمان ہو جانا چاہیے یعنی قبول اسلام کا پس منظر اسلام کی صداقت نہ تھی اور نہ ہی اسلام نے ان کے دل و دماغ میں گھر کیا تھا۔ وہ دوسرے لوگوں کی دیکھا دیکھی دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے لہٰذا ان کے اسلام کی یہ عمارت نہایت کمزور تھی جو جلد ہی ہلنے لگی۔

اس ارتداد کی ایک وجہ عربوں کی آپس میں دیرینہ عداوتیں تھیں۔ مختلف علاقوں کے عرب ایک دوسرے کے خلاف اس قدر تعصب رکھتے تھے کہ ایک دوسرے کا نام رکھنا بھی اپنے لیے پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ شمالی عرب کے لوگ اللہ تعالیٰ کو اللہ کے نام سے پکارتے اور جنوبی عرب کے قبائل اللہ کا نام لینا اپنے لیے پسند نہیں کرتے تھے۔ یہ لوگ اللہ کو رحمان کہتے تھے۔ یہ اسی قبائلی تعصب کا نتیجہ تھا کہ مسیلمۂ کذاب نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو اس کے بعض قریبی ساتھی یہ کہتے تھے کہ ہمیں یقین ہے کہ مسیلمہ جھوٹا اور کذاب ہے اور محمد ﷺ سچے ہیں،

لیکن اس کے باوجود ''کذاب ابیعة احب الینا من صادق مضر'' یعنی قبیلہ ربیعہ کا جھوٹا ہم کومضر کے صادق سے زیادہ محبوب ہے۔

ارتداد کی ایک وجہ اجنبی ہاتھ بھی تھا۔ ایرانی، رومی، عیسائی اور یہودی یہ سب اسلام کے سخت دشمن تھے۔ ان دونوں حکومتوں کی سرحدوں پر عرب کے خانہ بدوش قبائل آباد تھے جوان حکومتوں پر آئے روز چھاپے مارتے رہتے تھے جس کی وجہ سے یہ دونوں حکومتیں سخت پریشان تھیں۔ انہوں نے اس کا علاج یہ سوچا کہ اپنی اپنی سرحدوں پر عربوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر دیں جنہیں آج کل کی اصطلاح میں بفراسٹیٹس (Buffer States) کہتے ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ جب بھی سرحدی عرب قبائل ایرانی اور رومی سلطنت پر چھاپے مارتے تو یہ ریاستیں ان کا دفاع کرتیں۔ اس طرح عرب خود اپنی ہی برادری کے لوگوں کے سامنے صف آراء ہو جاتے۔ یہ عربی ریاستیں سیاسی اور مذہبی لحاظ سے ان کے زیر بار احسان ہوتیں۔ بعض دفعہ ان کا مذہب بھی قبول کر لیتیں۔ چنانچہ قبیلہ غسان جو شام کی سرحد پر آباد تھا، اس نے رومی سلطنت کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے عیسائیت کو قبول کر لیا تھا۔ اسلام کے غلغلہ نے ان دونوں حکومتوں کو فکر مند کر دیا چنانچہ انہوں نے ان قبائل کو اسلامی ریاست کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر لیا۔ اسی میں ان کا مفاد تھا۔

یہ تھے وہ اسباب جن کی وجہ سے بغاوت کا یہ آتش فشاں پھٹا جس کا سنبھالنا ہر شخص کا کام نہ تھا۔

## مانعین زکوٰۃ:

کچھ قبائل ایسے تھے جنہوں نے ارتداد اور بغاوت تو نہ کی لیکن انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ زکوٰۃ صرف رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ تک ہے۔ اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ جن قبیلوں نے صرف زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا تھا، وہ مدینے کے قرب و جوار کے قبائل تھے، اور جو قبائل باغی اور مرتد ہو گئے تھے وہ مدینہ سے کافی دور تھے۔

مانعین زکوٰۃ، زکوٰۃ کو جزیہ قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ جزیہ غیر مسلموں سے لیا جاتا ہے اور ہم تو پکے مسلمان ہیں، لہٰذا ہم سے جزیہ وصول نہیں کرنا چاہیے۔ بعض لوگ کہتے تھے

کہ ہمیں خود مختاری ملنی چاہیے۔ ہم زکوۃ تو ادا کریں گے لیکن مدینہ کے مرکز کو نہیں بلکہ اپنے علاقہ کے حکمران اور والی کو زکوۃ دیں گے۔

بعض حضرات نے زکوۃ نہ دینے والوں کو بھی مرتدین میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ امام خطابی نے لکھا ہے۔ مرتدین کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو دین اسلام سے پھر گئے اور کفر میں چلے گئے۔ پھر اس قسم کی بھی دو صنفیں ہیں۔ ایک صنف وہ لوگ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے دین کو چھوڑ کر بنو حنیفہ کے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کی نبوت کی صداقت پر ایمان لے آئے، اسود عنسی کے ماننے والے جن کا تعلق یمن سے تھا، اس نے بھی رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے مقابلہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ ان دونوں مدعیان نبوت کے ماننے والے نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے منکر تھے اور دوسروں کی نبوت کو مانتے تھے، لہٰذا مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج تھے۔ اور دوسرا گروہ اور قسم مرتدین کی وہ تھی جنہوں نے شریعت محمدی کا انکار کیا اور نماز اور زکوۃ کے فریضہ کو ترک کر بیٹھے اور جاہلیت کے رسم و رواج اور عادات کی طرف لوٹ آئے جن پر وہ جاہلیت میں تھے۔ مرتدین کی ایک اور قسم ان لوگوں پر مشتمل ہے جنہوں نے نماز اور زکوۃ میں فرق پیدا کیا، نماز کا تو اقرار کیا لیکن زکوۃ کے فریضہ کے منکر ہو گئے اور امام وقت کو اس کی ادائیگی کے وجوب کا بھی انکار کرنے لگے۔ (شرح صحیح مسلم للنووی: ۱/۲۰۲)

مانعین زکوۃ میں سے کچھ لوگ وہ بھی تھے جو اس کا انکار تو نہیں کرتے تھے لیکن وہ مرکز خلافت کو زکوۃ دینے کے بجائے اپنے رؤسا اور امراء کو زکوۃ دینے کے قائل تھے۔

(شرح مسلم للنووی: ۱/۲۰۳)

اس قسم کے قریب قریب ایک اور تقسیم قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کی ہے۔ ایک قسم یہ کہ وہ لوگ توحید خداوندی کو چھوڑ کر بتوں کی پرستش میں لگ گئے۔ ایک قسم وہ تھی جنہوں نے جھوٹے مدعیان نبوت مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کو رسول اللہ ﷺ کو نبی تسلیم کر لیا۔ تیسری قسم مرتدین کی وہ تھی جو اسلام پر تو قائم رہے لیکن انہوں نے زکوۃ کا انکار کیا اور تاویل یہ کی کہ زکوۃ کی ادائیگی صرف حیات پیغمبر اسلام ﷺ تک محدود تھی۔ اب چونکہ آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے لہٰذا اس کی ادائیگی بھی ختم ہو گئی ہے۔ (فتح الباری: ۱۲/۲۷۶)

الدکتور عبدالرحمن بن صالح المحمود نے مرتدین کی چار قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک وہ قسم جو دین اسلام کو چھوڑ کر بتوں کی پوجا کرنے لگے۔ دوسرے وہ جنہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کی

نبوت کا انکار کر کے جھوٹے مدعیان نبوت مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی اور سجاح وغیرہ کو اپنا نبی مان لیا، اور تیسری قسم وہ جنہوں نے وجوب زکوۃ کا انکار کر کے زکوۃ دینا بند کر دی، اور چوتھی قسم جنہوں نے وجوب زکوۃ کا تو انکار نہ کیا لیکن انہوں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو زکوۃ دینے کا انکار کر دیا۔

(الحکم بغیر ما انزل اللہ، الدکتور عبدالرحمن المحمود: ص ۲۳۹)

## مدعیان نبوت کا فتنہ:

بعض لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی اور بعض نے آپ کے انتقال کے بعد نبوت کا دعویٰ بھی کر دیا تھا۔ یہ ایک بہت بڑا فتنہ تھا جو اسلام کے ابتدائی دور ہی میں شروع ہو گیا تھا۔ ان کا یہ دعویٰ تھا کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس طرح وحی نازل ہوتی ہے جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی ہے۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ یہ لوگ پہلے مسلمان تھے اور بعد میں یہ خود نبی بن بیٹھے لیکن ہماری تحقیق یہ ہے کہ یہ لوگ پہلے ہی مسمان نہ تھے۔ ان سب مدعیان نبوت میں حُب ریاست اور خود سیری تھی، اس لیے ارتداد کی ایسی تند و تیز ہوا چلی کہ اکثر قبائل متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس کے ساتھ دعویٰ نبوت نے جلتی آگ پر تیل کا کام کیا۔ جگہ جگہ مدعیان نبوت اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور ان کے حامی اور طرف داروں نے مملکت اسلامیہ میں ایک ہل چل مچا دی، اور جیسا کہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ "تضرمت الارض نارا" عرب کی سرزمین میں آگ لگ گئی ہے۔

اس زمانے میں چار مدعیان نبوت تھے جن میں تین تو مرد تھے اور ایک عورت تھی۔ مردوں کے نام یہ ہیں: اسود عنسی، طلیحہ بن خویلد اور مسیلمہ کذاب اور عورتوں میں سجاح بنت الحارث۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حرکۃ الردۃ: ص ۵۶، بخاری، رقم: ۴۶۲۱، مسلم، رقم: ۲۲۷۳)

# فتنوں کا استیصال

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب زمام خلافت سنبھالی اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال سے زیادہ تھی۔ نحیف جسم اور کمزور جسم تو شروع ہی سے تھا اب جسمانی قویٰ بھی ضعیف ہو چکے تھے۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کی عمر اور صحت دونوں کا تقاضا یہ ہے کہ خلافت کے بار گراں سے دور رہا جائے۔ چنانچہ جس وقت سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کے لیے انصار اور قریش کا تنازعہ جاری تھا تو انہوں نے خلافت کا بار گراں اپنے سے ہٹانے کے لیے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے نام پیش کیے تھے جن کی عمریں چالیس بیالیس اور پچاس سال سے زیادہ نہ تھیں، اور ان کے جسمانی قویٰ نہایت مضبوط تھے اور ہمتیں بلند تھیں لیکن قرعہ فال سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نام پڑا۔ خلافت کا بار گراں اٹھانے کے بعد انہوں نے دیکھا کہ ملکی حالات دل شکن اور حوصلہ شکن تھے۔ ملک کے بیشتر حصوں نے مدینہ کی وفاداری سے منہ موڑ لیا ہے اور اسلام کے پاؤں ان علاقوں سے اکھڑتے نظر آنے لگے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شکل میں ایک مخلص، مستعد اور کارگزار ساتھی مل گیا جس نے ہر حالت میں آپ کا ساتھ دیا۔

جونہی آپ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں تو دیکھا کہ فتنوں کی ایک یلغار اسلامی ریاست کو گھیرے ہوئے ہے، اور تین ہزار افراد پر مشتمل فوج جس میں اکابر انصار اور مہاجر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ ملک شام جانے کے لیے مقام ''جرف'' پر قیام پذیر ہے، لہٰذا اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ اگر مدینہ کو اسلامی فوج سے خالی دیکھ کر دشمنان اسلام مدینہ منورہ پر حملہ آور ہو جائیں تو اس کا دفاع ممکن نہ ہو گا۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ دیا کہ اس لشکر کو وقتی طور پر روک لیا جائے، لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کا یہ مشورہ قبول نہ کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بعد میں پتہ چلا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے درست تھی۔

## مانعین زکوٰۃ کی سرکوبی:

رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد جو بغاوت وارتداد کے جراثیم اسلامی مملکت میں پھیلے، ان کا سب سے زیادہ زور یمن میں تھا۔ اس علاقہ میں بغاوت کے شعلوں کو ہوا دینے والا شخص اسود عنسی تھا۔ اس کے علاوہ مسیلمہ کذاب اور طلیحہ اسدی بھی تھے جنہوں نے نبوت کا دعویٰ کر کے ہزاروں لوگوں کو اپنا ہم نوا بنالیا تھا۔ مختلف جگہوں سے ہولناک خبریں آ رہی تھیں۔ ان ہولناک اطلاعات پر اب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس فتنے کو ختم کرنے کا عزم کرلیا۔ لوگوں کی ایک اچھی خاصی تعداد نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔ پھر مانعین زکوٰۃ میں بھی دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک وہ جو مال و دولت کو ہی اصل شے قرار دیتے تھے یعنی سرمایہ دارانہ ذہنیت کے حامل تھے اور اللہ کے راستہ میں ایک پیسہ بھی خرچ کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اور دوسرے وہ تھے جو زکوٰۃ کو ڈنڈ اور تاوان سمجھتے تھے۔

مانعین زکوٰۃ کا خیال تھا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی تک تو زکوٰۃ ادا کرنا درست تھا لیکن آپ کے انتقال کے بعد اہل مدینہ کے مقرر کردہ خلیفہ کا ہم سے زکوٰۃ طلب کرنا بالکل غلط تھا۔ چنانچہ ان دونوں قسم کے لوگوں نے کہہ دیا کہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ ہی نہیں مانتے اور نہ ہی انہیں زکوٰۃ دیں گے۔ عبس، ذبیان، غطفان، بنو کنانہ اور بنو فرازہ وغیرہ قبائل نے بھی جو مدینہ کے قرب وجوار میں آباد تھے، زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی شام روانگی کے بعد اسلامی ریاست کے لیے ان سے لڑنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اس لیے کہ مدینہ طیبہ میں لڑائی کے قابل لوگوں کی تعداد بہت کم تھی۔ اب مسلمانوں کے لیے دو ہی راستے تھے۔ ایک یہ کہ منکرین زکوٰۃ پر زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے سختی نہ کریں۔ دوسرا راستہ یہ تھا کہ ان سے جنگ کی جائے اور زبردستی ان سے زکوٰۃ وصول کی جائے۔ لیکن یہ راستہ اختیار کرنے میں بہت سی مشکلات تھیں اور سب سے بڑی مشکل لشکر اسلامی کی قلت تھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فوجی لحاظ سے مدینہ کی پوزیشن کو مدنظر رکھتے ہوئے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ مانعین زکوٰۃ سے فی الحال کوئی تعرض نہ کیا جائے لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کا یہ مشورہ ماننے سے انکار کر دیا۔ (ترمذی: ۲ ۸۳)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''اے خلیفہ رسول! ان حالات میں منکرین زکوٰۃ کے

مقابلہ میں ایک جنگی محاذ کھولنا مسلمانوں کے لیے نہ صرف اذیت ناک ہوگا بلکہ خطرناک بھی۔
پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ذرا سخت لہجے میں کہا:

''آپ ان لوگوں سے کس طرح جنگ کر سکتے ہیں جب کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں جب تک وہ زبان سے ''لا الہ الا الله، محمد رسول الله'' نہ کہہ دیں، لیکن جب وہ یہ کلمہ پڑھ لیں گے تو ان کی جانیں اور ان کے مال محفوظ ہو جائیں گے، مگر ہاں جب ان پر کسی کا حق ہو اس کے ادا کرنے کا ان سے بہرحال مطالبہ کیا جائے گا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جلال میں آ گئے اور فرمایا:

''عمر! میری بات غور سے سنو! خدا کی قسم! جو لوگ نماز اور زکوۃ میں فرق کرتے ہیں میں ان سے ہر حال میں قتال کروں گا۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اکثر کہا کرتے تھے کہ مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے منکرین زکوۃ سے جنگ کرنے کے بارے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا شرح صدر فرما دیا ہے، اور صحیح اور درست بات وہی تھی جو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہی۔

ان سرکش قبائل نے اپنے جنگ جو لوگوں کو اکٹھا کر کے مدینہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی پتہ چل گیا کہ اب یہ لوگ مدینہ پر حملہ کریں گے۔ ان سرکش قبائل نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ نے ابذہ کے قریب مقام ابرق پر پڑاؤ ڈالا اور دوسرے نے ذی القصہ کے متصل جو محلّہ کے قریب نجد کی راہ پر واقع ہے، ڈیرہ ڈالا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب ان لوگوں کی لشکر کشی کا علم ہوا تو آپ نے اہل مدینہ کو جمع کر کے فرمایا:

''بھائیو! تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے اردگرد دشمن کی فوجیں خیمہ زن ہیں۔ اور انہیں تمہاری کمزوری کا علم ہے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کس وقت تم پر حملہ کر دیں۔ وہ تم سے صرف ایک منزل کے فاصلہ پر ڈیرہ ڈالے ہوئے ہیں۔ اب تک تو انہیں خیال تھا کہ ممکن ہے کہ زکوۃ ادا نہ کرنے کے بارے میں ان کی شرط تسلیم کر لی جائے لیکن ہم نے ان کی یہ شرط ماننے سے یک قلم انکار کر دیا ہے، لہٰذا وہ تم پر ضرور حملہ کریں گے۔ تم اپنے آپ کو لڑائی کے لیے تیار رکھو۔''

اس خطاب کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں مدینہ طیبہ کے مختلف راستوں پر حفاظتی دستے متعین فرما دیئے اور دوسرے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ فوری طور پر مسجد نبوی میں پہنچ جائیں تاکہ ہنگامی حالت سے نمٹا جا سکے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے راستوں اور اطراف میں جو لوگ متعین کیے ہوئے تھے انہوں نے دشمن کی نقل وحرکت کی اطلاع دی۔ آپ نے انہیں وہیں ٹھہرے رہنے کا حکم فرمایا اور خود ایک اونٹ پر سوار ہو کر مسجد نبوی میں تشریف لائے اور ان تمام مسلمانوں کو جو اس وقت مسجد میں موجود تھے اپنے ساتھ اونٹوں پر سوار کر کے غنیم کے مقابلہ کے لیے چل پڑے جو رات کی تاریکی میں اچانک مسلمانوں پر حملہ کرنے کا تہیہ کر چکے تھے۔

یہ لوگ نہایت آرام سے سو رہے تھے اور ان کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھا کہ مسلمان ان پر کسی وقت حملہ کر سکتے ہیں، لیکن جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ان پر اچانک حملہ آور ہو گئے تو وہ اپنے اوسان کھو بیٹھے۔ انہیں پتہ نہیں چل رہا تھا کہ اس وقت کیا کریں، چنانچہ وہ اپنے خیموں سے نکل کر بھاگے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور ''ذوحسیٰ'' تک ان کے پیچھے دوڑے۔

مدینہ منورہ پر حملہ کرنے والے یہ لوگ اپنے بہت سے لوگوں کو اس نظریہ سے پیچھے چھوڑ آئے تھے کہ کمک کی صورت میں وہ فوری طور پر پہنچ جائیں گے۔ جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ ہراول دستے واپس بھاگے آ رہے ہیں تو وہ تازہ دم لوگ میدان میں نکل آئے۔ ان کو کھڑا دیکھ کر بھاگنے والے بھی رک گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فریقین کے مابین اچھی خاصی لڑائی شروع ہو گئی جو رات بھر جاری رہی لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ اب غنیم نے چمڑے کے تھیلے جو ان کے ساتھ تھے، ان میں ہوا بھر کر اور غبارہ کی شکل بنا کر ان میں رسیاں باندھیں اور انہیں اونٹوں کی طرف پھینکنا شروع کر دیا۔ اس سے مسلمانوں کے اونٹ خوف زدہ ہو کر مدینہ کی طرف بھاگے اور سیدھے مدینہ میں آ کر ٹھہرے۔

(البدایہ والنہایہ: ۸/۳۱۰۔۳۱۱، ابن اثیر: ۲/۲۶۱، فتوح البلدان: ص ۲۰۱، طبری: ۴/۶۷)

قبیلہ عبس، ذبیان، بنو کنانہ اور بنو مرہ اور دیگر قبائل کے لوگ نہایت خوش ہوئے کہ انہوں نے مسلمانوں کے حملہ کو پسپا کر دیا ہے اور مسلمان میدان سے بھاگ گئے ہیں، اس لیے اب ان کے حوصلے بڑھے اور انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ خلیفۃ المسلمین سے زکوٰۃ نہ دینے

کی شرط منوا کر واپس جائیں گے۔ منکرین زکوٰۃ کے بعض قبائل پر مسلمانوں کا یہ پہلا حملہ تھا جو خود خلیفہ رسولؐ نے اپنے ہاتھوں سے کیا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ لوگوں کو اکٹھا کیا، فوج کو ترتیب دیا۔ پوری رات مسلمانوں نے جاگتے گزاری۔ نہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پل بھر کے لیے سوئے اور نہ ہی کوئی دوسرا مسلمان سویا۔ جب رات کا تیسرا حصہ گزر گیا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو ساتھ لے کر دشمن کی طرف جانے کا عزم فرمایا۔ اس رات بھی دشمن کی فوج پہلی رات سے بھی زیادہ تھی اور اس فوج کی قیادت ایک روایت کے مطابق طلیحہ اسدی کا بھائی اور دوسری روایت کے مطابق اس کا بیٹا کر رہا تھا۔ مسلمان دشمن کے کیمپ پر صبح صادق سے ذرا پہلے پہنچے۔ دیکھا کہ دشمن کل کی مانند دنیا و مافیہا سے بے خبر نہایت گہری نیند سو رہا تھا۔ مسلمانوں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور دشمن پر اس تیزی سے حملہ کیا کہ ان کی تیز دھار تلواریں تیزی کے ساتھ دشمن کی گردنیں کاٹنے لگیں۔ اس اچانک حملہ سے دشمن بدحواس ہو گیا۔ تھوڑی دیر مقابلہ کیا لیکن پھر دیکھا کہ بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ چنانچہ وہ بدحواسی میں بھاگے۔ مسلمانوں نے ذوالقصہ تک ان کا تعاقب کیا۔ جب وہ بھاگتے بھاگتے بہت دور چلے گئے اور مسلمانوں نے خیال کہ وہ اب لوٹ کر نہیں آئیں گے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ لشکر کے میمنہ کے سالار سیدنا نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو ایک دستہ کے ساتھ ذوالقصہ میں چھوڑ کو خود اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ یہ مسلمانوں کا منکرین زکوٰۃ پر دوسرا حملہ تھا۔ اس حملہ میں کامیابی ہوئی اور مدینہ میں خوشی اور مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

اس جنگ کے بہت دور رس نتائج نکلے اور عہد صدیقی کی اس پہلی جنگی کامیابی نے آئندہ جنگوں پر بڑے گہرے اثرات ڈالے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہر کام میں ہمیشہ عالی ہمتی اور مستقل مزاجی کا ثبوت دیا۔

اس اثناء میں سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اپنی مہم سے کامیاب و کامران واپس مدینہ آ گئے۔ امیر المومنین اور دوسرے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم نے مقام جرف پر ان کا والہانہ استقبال کیا۔ اب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور خود ایک فوج لے کر ذوالقصہ کی جانب روانگی کا ارادہ کیا تاکہ ان غدار اور سرکش قبائل کو قرار واقعی سزا دے کر بے گناہ مسلمانوں کے خون ناحق کا انتقام لیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ رویہ

دیکھا تو انہیں سخت پریشانی ہوئی اور انہوں نے نہایت لجاجت آمیز لہجہ میں عرض کی: ''اے خلیفہ رسول! آپ بالکل مدینہ سے باہر نہ جائیں بلکہ کسی اور کو سپہ سالار بنا کر اپنی جگہ بھیجیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کو جنگ میں کوئی اذیت ناک حادثہ پیش آ جائے۔ اگر ایسا ہوا تو ہم لوگوں کا کوئی نظام باقی نہیں رہے گا، لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نہ مانے اور فرمایا: ''میں پیچھے بالکل نہیں رہنا چاہتا، میں نے ہر موقع پر تمہارے ساتھ رہنے کا عزم کر رکھا ہے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے والد ابوبکر رضی اللہ عنہ ذوالقصہ کی طرف اپنی سواری پر سوار ہو کر اور برہنہ تلوار لے کر نکلے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سواری کی باگ پکڑ کر کہنے لگے: ''اے رسول اللہ کے خلیفہ! آپ بہ نفس نفیس کہاں تشریف لے جاتے ہیں۔ اب میں آپ کو وہی بات کہتا ہوں جو احد کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو فرمائی تھی۔ آپ اپنی تلوار نیام میں کریں اور اپنی ذات کے بارے میں ہمیں پریشانی میں نہ ڈالیں، اللہ کی قسم! اگر آپ کی ذات کے حق میں کوئی مصیبت پہنچے تو آپ کے بعد اسلام کا یہ نظام درست نہ رہ سکے گا۔

(البدایہ والنہایہ: ۶/ ۳۱۵، ریاض النضرہ: ۱/ ۱۳۰، کنز العمال: ۳/ ۱۴۲، الصدیق اول الخلفاء، للشرقاوی: ص ۵۷، طبری: ۴/ ۳۷، حرکتہ الردۃ: ص ۳۱۹، التاریخ الاسلامی للحمیدی: ۹/ ۴۸، ابوبکر الصدیق افضل الصحابہ واحقہم بالخلافتہ: ص ۶۹۔ ۷۰)

ان جنگوں کے نہایت اچھے اثرات مرتب ہوئے اور جس طرح بدر کی فتح کے بعد ان کے اثرات پورے عرب میں پھیل گئے اور لوگوں پر مسلمانوں کی عظمت وصولت کا ایک رعب طاری ہو گیا۔ اسی طرح ان دونوں جنگوں کے عرب قبائل اور ان کے سربرآوردہ لوگ مسلمانوں سے انتہائی مرعوب ہو گئے اور لوگوں کے دلوں میں یہ بات پیوست ہو گئی کہ اگر مسلمان اپنی کمزور فوجی حیثیت کے باوجود اتنی زبردست کامیابی حاصل کر سکتے ہیں تو مضبوط حیثیت میں تو خدا جانے کیا صورت حال ہو گی۔ اس واقعہ کے بعد جو سب سے پہلے مدینہ منورہ میں زکوۃ جمع کرانے آئے وہ عرب کے دو نہایت مشہور شخص تھے جو تین عرب قبیلوں کے سردار تھے اور وہ تھے:

① بنی تمیم کے رئیس اور سردار ........ صفوان

② قبیلہ زبرقان اور بنو طے کے رئیس ........ عدی بن حاتم طائی

یہ اس دور کے نامور اور مشہور لوگ تھے۔ جب یہ لوگ مدینہ پہنچے تو اہل مدینہ نے ان

کی شان کے مطابق انتہائی گرم جوشی اور تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا۔ ان دونوں رؤساء کے علاوہ مختلف بیرونی قبائل کے رؤساء اور امراء اپنی اپنی زکوۃ لے کر مدینہ آنا شروع ہو گئے۔ جو حضرات مدینہ طیبہ کا پہرہ دے رہے تھے ان میں سے ایک ایک صاحب زکوۃ رئیس کو لے کر مدینہ آتا تھا تو مسلمان ان کو دیکھ کر کہتے: "ھذا نذیر" سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فوراً فرماتے "نہیں بلکہ یہ بشیر ہے۔ اسلام کا حامی ہے۔" مدینہ کے لوگ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہتے: "آپ تو ہمیشہ ہی خیر کی خوش خبری دیتے رہے ہیں۔" (طبری: ۲ ۴۷۸)

نتیجہ یہ ہوا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے استقلال اور دانش مندی کے باعث چند ہی دنوں میں یمن کی بغاوت بھی دم توڑ گئی۔ جھوٹے مدعیان نبوت بھی قتل کر دیئے گئے اور ان کے پیروکار بھی مسلمانوں کی تلواروں کا لقمہ بنے۔ جن لوگوں نے احکام شریعت سے روگردانی کی تھی اور زکوۃ کا انکار کیا تھا انہیں شدید سزاؤں سے دوچار ہونا پڑا۔ تعصب کے بادل چھٹ گئے، مصنوعی گھروندے زمین بوس ہو گئے اور ہر سو اسلام کا بول بالا ہو گیا۔

# تحفظ ختم نبوت

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے منکرین زکوۃ کی سرکوبی سے فارغ ہو کر اب مرتدین اور مدعیان نبوت کے استیصال کا ارادہ فرمایا جنہوں نے عرب کے لوگوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی مہم شروع کر رکھی تھی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس گروہ کے لیے نہایت سخت جذبات رکھتے تھے اور ان سے کسی قسم کی نرمی کے قائل نہ تھے۔ کیونکہ مسئلہ ختم نبوت اسلام کے ان بنیادی مسائل میں سے ہے جن کا انکار کفر ہے۔ چنانچہ سید محمود آلوسی مفتی بغداد اپنی کتاب روح المعانی میں فرماتے ہیں:

**وكونه خاتم النبيين مما نطق به الكتاب، وصدعت به السنة، واجمعت عليه الامة، فيكفر مدعي خلافه، ويقتل ان اصر.** (روح المعانی: ۴۱/۲۲)

''اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس پر قرآن ناطق ہے اور احادیث نبویہ نے اس کو واشگاف طور پر بیان کیا ہے، اور امت نے اس پر اجماع کیا ہے۔ پس جو شخص اس کے خلاف ہونے کا دعویٰ کرے گا اس کو کافر قرار دیا جائے گا اور اگر وہ اس پر اصرار کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا۔''

امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اور سب سے پہلے اجماع جو اس امت میں منعقد ہوا وہ مسیلمہ کذاب کے قتل پر اجماع تھا جس کا سبب اس کا دعویٰ نبوت تھا جیسا کہ ابن خلدون نے نقل کیا ہے۔ (خاتم النبیین: ص ۱۹۷، ترجمہ اردو)

## تحفظ ختم نبوت کے لیے فوجوں کی ترتیب:

سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ اپنی مہم سے واپس مدینہ آ چکے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے لشکر کو آرام کرنے کے لیے کہا۔ منکرین زکوۃ کی سرکوبی کے بعد آپ نے اس لشکر کو اور اس کے

ساتھ دوسرے مجاہدین کو لے کر ذوالقصہ کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں کچھ روز قیام فرمایا۔ پھر ان امراء کو مدعیان نبوت کی سرکوبی کے لیے ان علاقوں کی طرف روانہ فرمایا جو ان کے لیے مقرر کیے گئے تھے۔ ان لشکروں کو روانہ کرنے کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خود مدینہ تشریف لے آئے کیونکہ وقت اور سیاست کا تقاضا یہی تھا۔

تواریخ کی کتابوں میں ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلامی لشکر کو گیارہ حصوں میں تقسیم کیا اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک جھنڈا عطا فرمایا اور ہر جھنڈے پر ایک امیر مقرر فرمایا۔ (البدایہ والنہایہ: ۶/ ۳۱۹، التاریخ الاسلامی: ۹/ ۴۹) ان امراء سے یہ فرمایا کہ جن جن علاقوں سے ان کا گذر ہو وہاں کے مسلمانوں کو بھی ان مدعیان نبوت سے جنگ وقتال کے لیے اپنے ساتھ لیتے جائیں۔

ان لشکروں کے امراء حسب ذیل تھے:

① لشکر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنی اسد، بنی تمیم اور یمامہ کی طرف بھیجا گیا۔
② لشکر عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کو بنو حنفیہ، عمان، حضرموت اور یمن کی طرف بھیجا۔
③ لشکر شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے پیچھے یمامہ اور حضرموت بھیجا۔
④ لشکر طریفہ بن حاجز کو ہوازن اور بنو سلیم کی طرف بھیجا۔
⑤ لشکر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو قضاعہ کی طرف بھیجا۔
⑥ لشکر خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو شام کی سرحدوں کی طرف بھیجا۔
⑦ لشکر علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو بحرین کی طرف بھیجا۔
⑧ لشکر حذیفہ بن محصن غلفانی رضی اللہ عنہ کو عمان کی طرف بھیجا۔
⑨ لشکر عرفجہ بن ہرثمہ رضی اللہ عنہ کو مہرہ کی طرف بھیجا۔
⑩ لشکر مہاجر بن ابی امیہ کو یمن کے علاقہ صنعا کی طرف بھیجا۔
⑪ لشکر سوید بن مقرن رضی اللہ عنہ کو تہامۃ الیمن کی طرف بھیجا۔

(طبری: ۴/ ۶۸، دراسات فی عصر النبوۃ: ص ۳۲۱)

اس طرح ذوالقصہ کا قریہ جیوش اسلامی کا مرکز بن گیا اور وہاں سے مختلف علاقوں میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرتدین اور مدعیان نبوت کی سرکوبی کے لیے لشکر بھیجنے شروع کیے۔

(دراسات فی عہد النبوۃ والخلفاء الراشدین: ص ۳۲۱)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں رہ کر فوج کی نقل وحرکت کی نگرانی فرمائی اور آپ انہیں مناسب احکام وہدایات جاری کرتے رہے۔ مدینہ کی حفاظت کے لیے آپ نے بہت ہی تھوڑی تعداد میں فوج رکھی تھی۔ کیونکہ منکرین زکوٰۃ کی سرکوبی کے بعد اب مدینہ کو کسی طرف سے کوئی خطرہ نہ تھا۔ لیکن آپ نے سپہ سالار اعظم ہونے کی حیثیت سے مدینہ کو جنگی ہیڈ کوارٹر بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔ فوجی اور انتظامی امور کے بارے میں آپ کی نگاہ بہت تیز، ذہین انتہائی رسا اور اخاذ اور غور وفکر کے زاویے نہایت وسیع تھے۔ وہ ہر معاملہ کی گہرائی اور گیرائی تک پہنچتے اور پھر کوئی فیصلہ فرماتے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان گیارہ لشکروں کو روانہ کرتے وقت ایک بات کی بڑی سختی سے ہدایت فرمائی کہ وہ محاذ جنگ سے درالخلافہ کے ساتھ رابطہ رکھیں۔ یہ رابطہ کسی حالت میں بھی نہ ٹوٹنا چاہیے۔ یہ ایک ایسا حکم تھا جو خلیفہ رسول نے اپنے جرنیلوں کو دیا جس کی اہمیت چودہ سو سال گزرنے کے بعد آج بھی دنیا کو محسوس ہورہی ہے اور آج بھی ہر ملک کا فوجی نظام اسی پر قائم ہے۔ یہ مسلمانوں کی سب سے پہلی حکومت تھی جس نے دنیا کو جنگی، فوجی اور اقتصادی اصول بتائے جن کو آج بھی سراہا جارہا ہے۔

بعض مؤرخین نے جن کے ذہنوں میں تعصب کی ہوا بھری ہوئی ہے اور وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو داغدار کرنا چاہتے ہیں، ایک نہایت ناخوش گوار بحث چھیڑی ہے۔ دراصل یہ لوگ تاریخ کے نام پر اپنے عقیدوں کے مسموم جراثیم قاری کے ذہن میں ٹھونسنا چاہتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان گیارہ لشکروں کی قیادت مہاجرین کے سپرد کی۔ انصار میں سے کسی شخص کو ان لشکروں کی قیادت نہیں دی۔ معلوم ہوتا ہے کہ انصار کے بارے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ذہن صاف نہ تھا۔ یہ بات صرف لوگوں کے اذہان کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلاف مسموم بنانے کے لیے کی جاتی ہے۔ ایک کمانڈر انچیف کو یہ بخوبی علم ہوتا ہے کہ کون کون سا سپاہی کہاں کہاں کام دے سکتا ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غور وفکر کے زاویے نہایت وسیع تھے۔ وہ اتنے تنگ نظر اور تنگ ظرف نہیں تھے۔ آپ مدینہ اور گردونواح کی حفاظت کے لیے انصار سے زیادہ کسی دوسرے کو اہمیت نہیں دیتے تھے۔ وہ یہاں کے رہنے والے تھے اور وہ حفاظت کے ہر نشیب وفراز سے بخوبی واقف تھے۔ اس وجہ سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں محاذ جنگ پر بھیجنے کے بجائے انہیں اپنے پاس مدینہ ہی میں رکھا۔ اس زمانہ میں آج کل کی طرح کوئی سسٹم

نہیں تھا کہ وفاق میں ایک صوبے کی اتنی نشستیں ہوں گی اور صوبہ میں اتنے عہدے۔ مسلم قوم کو صوبائی قومیتوں میں تقسیم کرنے کا رواج اس وقت کے مسلمانوں میں نہیں تھا۔ اور جو شخص جس کے لیے موزوں سمجھا جاتا اس کو وہیں فٹ اور متعین کر دیا جاتا۔ وہاں تو ہر معاملہ میرٹ پر ہوتا تھا مقامی اور غیر مقامی کی تقسیم ان کے ہاں نہیں تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس اس قسم کی باتوں کے لیے وقت نہیں تھا اور یہ سب باتیں ہیں بھی اسلام کی تعلیمات کے خلاف۔

## عرب قبائل کے نام خلیفہ کا فرمان:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب گیارہ لشکروں کو مختلف محاذوں پر روانہ کیا تو انہیں مرتدین کی پامالی اور سرکوبی کا سختی سے حکم دیا لیکن آخری وقت میں انہیں روک دیا تا کہ مرتدین کو پھر اسلام کی دعوت دی جائے ممکن ہے وہ دوبارہ اسلام قبول کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک فرمان لکھوا کر ہر ہر دستہ فوج کو الگ الگ دیا اور انہیں تاکید کی کہ جنگ کرنے سے پہلے یہ فرمان باغیوں اور مرتدوں کو سنا دیا جائے۔ اس اعلان کو سن کر اگر وہ راہ راست پر آ جائیں اور اسلام قبول کر لیں تو ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے، اور اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو پھر فیصلہ جنگ سے ہوگا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وہ فیصلہ طبری وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو طبری: ۲/۴۸۱۔۴۸۲، صبح الاعشیٰ، قلشقندی: ۶/۳۸۶)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اس خط سے مطلب یہ تھا کہ لوگوں کو اپنے نقطۂ نظر سے متعلق غور و فکر کرنے کا موقع مل جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بعض نے تو اسلام لانے کا اعلان کر دیا اور بعض مرتدین کے لیڈروں کی حمایت سے دست بردار ہو گئے۔ اور انہوں نے اپنے آپ کو قتل سے بچا لیا اور دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ انہوں نے مرتدین کے لیڈروں کی قوت میں خاصا فرق ڈالا۔

## ہدایت نامہ.........امرائے لشکر کے نام:

اس اطلاع عام کے علاوہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے امرائے لشکر کے نام ایک ہدایت نامہ الگ تحریر فرمایا جس میں ان کے فرائض بتائے گئے تھے اور مرتدین اور مدعیان نبوت کے خلاف جنگ کی صورت میں انہیں خاص ہدایات اور احکامات دیئے۔ انہیں یہ بات صاف صاف بتا دی گئی تھی کہ مرتدین سے اسلام کے سوا اور کوئی شے قبول نہیں کی جائے گی۔ اس خط کو طبری نے نقل کیا ہے۔ (طبیر: ۲/۴۸۲)

## جنگ بزاخہ:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو گیارہ لشکر مختلف علاقوں میں بھیجے تھے۔ ان میں سے آٹھ لشکر تو شمال مشرقی عرب کی طرف گئے۔ ان میں سب سے بڑا لشکر سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تھا۔ جن قبائل نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا اس کی کمان طلیحہ اسدی کا بھائی یا بیٹا حبال کر رہا تھا۔ اس وقت طلیحہ ''سمیرا'' میں مقیم تھا۔ اب وہ بزاخہ میں آ گیا، اور ادھر ادھر کے قبائل کو ملا کر ایک بہت بڑی جنگ کی تیاری کر رہا تھا۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا ہدف بھی طلیحہ تھا۔ طلیحہ اپنے علاقہ کے بزاخہ نامی تالاب پر خیمہ زن تھا۔ اس کے ساتھ کئی طاقتور قبیلے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں جن لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا وہ تین تھے۔ اسود عنسی، مسیلمہ اور طلیحہ بن خویلد۔ اسود عنسی اور مسیلمہ تو اپنے پیروکاروں کو اسلام ترک کر کے بت پرستی کی تلقین بھی کرتے تھے، لیکن طلیحہ کسی کو بت پرستی کی تلقین نہیں کرتا تھا۔ وجہ اس کی شاید یہ تھی کہ اب توحید کا دور دورہ ہے اور کوئی شخص توحید سے دست بردار ہو کر بت پرستی اختیار نہیں کر سکتا۔

خالد رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے روانہ ہوتے وقت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ ہدایت کی تھی کہ تم اپنی پیش قدمی کا آغاز بنو طے سے کرنا۔ پھر بزاخہ کا رخ کرنا، اور جب ان سے فارغ ہو جاؤ تو پھر بطاح کی طرف پیش قدمی کرنا اور وہاں مالک بن نویرہ کی سرکوبی کرنا۔ جب سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ طلیحہ اسدی کے مقابلہ کے لیے جا رہے تھے اسی اثناء میں قبیلہ طے کے سربراہ عدی بن حاتم زکوٰۃ کا مال جمع کرانے کے لیے مدینہ منورہ آئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب ان کی آمد کا پتہ چلا تو انہیں اپنے پاس بلا کر فرمایا کہ وہ فوری طور پر اپنے قبیلہ میں جا کر مرتدین سے صاف لفظوں میں کہیں کہ اگر وہ ارتداد پر قائم رہے تو ان کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ ادھر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق بزاخہ جانے کے بجائے ''اجاء'' جو قبیلہ طے کا مقام تھا، کو اپنی منزل قرار دیا اور ظاہر یہ کیا کہ وہ خیبر جا رہے ہیں وہاں سے مزید فوج لے کر بزاخہ کا قصد کریں گے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ قبیلہ بنو طے کے پاس آئے اور ان کو دوبارہ اسلام قبول کرنے کی دعوت دی لیکن انہوں نے عدی بن حاتم کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ کسی صورت اسلام قبول نہیں کریں گے۔ اب عدی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ''تمہاری طرف مدینہ سے ایک لشکر جرار جلد ہی آنے والا ہے جو تم پر قطعی طور پر رحم نہیں

کرے گا۔ وہ آتے ہی تمہاری گردنیں اڑانا شروع کردے گا۔ پھر اس قتل سے کوئی بھی نہیں بچ سکے گا۔ انجام کے تم ذمہ دار ہو گے۔ میں نے حقیقت حال تم پر واضح کردی ہے۔

ان لوگوں نے پہلے تو عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی باتوں کا مذاق اڑایا اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے تمسخر کے طور پر ''ابوالفصیل'' کا لفظ استعمال کیا لیکن جب عدی رضی اللہ عنہ نے انہیں دوبارہ سختی اور قوت کے ساتھ کہا کہ تم کسی غلط فہمی کا شکار نہ رہو۔ اب کچھ لوگ نرم پڑ گئے اور انہوں نے اب عدی کی باتیں غور سے سنیں اور جو کچھ اپنی آنکھوں سے وہ مدینہ طیبہ میں دیکھ آئے تھے، ان کے بارے میں ان سے تفصیل پوچھی۔ عدی رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ تمہاری طرف جو فوج آ رہی ہے اس کی قیادت اور زمام کار سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہے جو نہایت سخت مزاج جرنیل ہیں اور تم لوگ اس کے مقابلہ میں ایک روز بھی نہیں ٹھہر سکتے۔ (التاریخ الاسلامی، حمیدی: ۹/ ۱۰، ۶۳)

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی باتوں نے بنو طے کے لوگوں کو اندر سے ہلا کر رکھ دیا۔ چنانچہ انہوں نے دوبارہ اسلام قبول کر لینے کا فیصلہ کرلیا، لیکن انہیں ایک مشکل تھی کہ ان کے قبیلہ کے جو لوگ بزاخہ میں طلیحہ اسدی کے ساتھ تھے، وہ انہیں قتل کردے گا۔ نہایت غور وفکر کے بعد انہوں نے اس کا حل یہ نکالا کہ ان لوگوں کو کسی بہانے واپس بلا لیں۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس وقت مقام ''سخ'' میں فروکش تھے۔ عدی رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور انہیں تین روز توقف کرنے کے لیے کہا۔ اسی اثناء میں ''بزاخہ'' سے پانچ سو آدمی آپ کے پاس پہنچ جائیں گے جو جنگ جو اور بہادر ہیں۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے عدی رضی اللہ عنہ کی اس بات کو قبول کرلیا۔ (التاریخ الاسلامی حمیدی: ۹/ ۶۱)

بنو طے کے لوگ جب طلیحہ کے پاس اپنے آدمی واپس لینے کے لیے گئے تو اس نے بڑی خوشی سے ان لوگوں کو واپس بھیج دیا۔ یہ لوگ واپس جا کر عدی رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور اپنے اسلام کا اظہار کیا اور یہ لوگ جن کی تعداد پانچ سے ایک ہزار بتائی جاتی ہے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی فوج میں داخل ہو گئے۔

(طبری: ۲/ ۴۵۳، ابن اثیر: ۲/ ۲۶۳، The Caliphate, Muir, P.27)

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے بنو طے کے مسلمان ہونے کے بعد ''انسر'' کی طرف روانہ ہونے کا ارادہ کیا۔ وہاں قبیلہ ''جدیلہ'' مقیم تھا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ ان سے جنگ کرنا چاہتے تھے۔ سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ

''بنو طے کی مثال ایک پرندے کی ہے جس کا ایک پر جدیلہ کا قبیلہ ہے۔ آپ چند روز کے لیے توقف فرمائیں اور مجھے موقع دیں تو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ بنو طے کی طرح انہیں بھی اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرما دیں گے۔''

چنانچہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جدیلہ کے ایک ہزار آدمی سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور دوبارہ اسلام قبول کر کے اپنی خدمات اسلامی لشکر کے سپرد کر دیں۔ (طبری: ۲/۴۸۳، ابن اثیر: ۲/۲۶۳، التاریخ الاسلامی: ۹/۶۶)

## طلیحہ اسدی سے جنگ:

بنو طے اور بنو جدیلہ کا معاملہ تو بغیر جنگ کے حل ہو گیا۔ اب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے اصلی ہدف کی طرف روانگی کا ارادہ فرمایا۔ طلیحہ نے جب یہ سنا کہ بنو طے اور جدیلہ دونوں نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا ہے تو اسے سخت صدمہ ہوا لیکن اس نے ہمت نہ ہاری، اور مسلمانوں سے مقابلہ کے لیے ڈٹا رہا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بزاخہ کی طرف روانہ ہوئے تو مقدمۃ الجیش کے طور پر انہوں نے سیدنا عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ اور سیدنا ثابت بن اقرم انصاری رضی اللہ عنہ کو اپنے لشکر کے آگے بھیجا۔ یہ دونوں عرب کے معزز ترین افراد اور بے مثال بہادر اور شہ سوار تھے۔ راستہ میں ان کی ملاقات حبال جو ایک روایت کے مطابق طلیحہ کا بھائی اور دوسری روایت کے مطابق بھتیجا تھا۔ عکاشہ رضی اللہ عنہ اور ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے جب حبال کو دیکھا تو اسے قتل کر دیا۔ طلیحہ کو حبال کے قتل کا پتہ چلا تو وہ اپنے بھائی سلمہ کے ساتھ قاتلوں کی تلاش میں نکلا اور انہیں پکڑ لیا۔ طلیحہ نے ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ کو تو اسی وقت شہید کر دیا اور انہیں مقابلے کا موقع ہی نہ دیا لیکن سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ نے نہایت پامردی اور جرأت سے مقابلہ کیا۔ دونوں کافی دیر تک ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوتے رہے قریب تھا کہ طلیحہ سیدنا عکاشہ کے ہاتھوں قتل ہو جاتا لیکن سلمہ نے طلیحہ کے ساتھ مل کر عکاشہ رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کر دیا اور اپنے کیمپ میں واپس چلے گئے۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا لشکر جب آگے بڑھا تو ان کو ان دو جلیل القدر صحابہ کرام کی لاشیں نظر آئیں۔ مسلمانوں کو ان دونوں صحابہ کی لاشیں دیکھ کر سخت اذیت ہوئی۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اب آگے بڑھنے کے بجائے بنو طے چلے گئے۔ وہاں کچھ روز ٹھہرے اور اسی اثناء میں اپنے لشکر و

منظم اور مستحکم کیا۔ پھر حالات کا مکمل جائزہ لینے کے بعد فوج کو بزاخہ کی طرف روانگی کا حکم دیا۔ بزاخہ کے مقام پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ اسلامی لشکر کی کمان سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی جب کہ طلیحہ کی طرف سے امیر لشکر عیینہ بن حصن تھا۔ جنگ شروع ہوئی تو نہایت گھمسان کا رن پڑا۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی فوج نے عیینہ کی فوج کو بدحواس کر دیا۔ ادھر طلیحہ خیمہ میں کمبل اوڑھے وحی کا انتظار کر رہا تھا۔ عیینہ فوج کے پاؤں اکھڑتے دیکھ کر طلیحہ کے خیمہ میں آیا اور پوچھا: ''کیا کوئی وحی تو نہیں آئی؟'' اس نے جواب دیا: ''ابھی نہیں۔'' یہ سن کر واپس میدان جنگ میں جا کر مسلمانوں سے لڑنے لگا۔ عیینہ دو تین دفعہ طلیحہ کے خیمہ میں آیا اور وحی کی بابت سوال کیا لیکن طلیحہ کا جواب یہ تھا کہ ابھی وحی نہیں آئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے لشکر نے عیینہ کے لشکر کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ عیینہ کو اب شکست کا عفریت اپنے سامنے نظر آنے لگا۔ آخر گھبرا کر وہ پھر طلیحہ کے خیمہ میں آ کر پوچھنے لگا کہ کوئی وحی آئی ہے یا نہیں؟'' اب کی بار طلیحہ نے کہا وحی آئی ہے اور وہ یہ ہے کہ ''تمہیں بھی ایسی ہی سخت جنگ درپیش ہے جیسی مسلمانوں کو اور اس جنگ میں جو کچھ بیت رہی ہے اسے تم کبھی نہ بھولو گے۔''

اس کے بعد عیینہ نے غصے میں آ کر اپنی قوم بنو فزارہ سے کہا: ''طلیحہ کذاب ہے لہٰذا اب تم جنگ سے علیحدہ ہو جاؤ اور میدان جنگ سے بھاگ کر اپنی جانیں بچانے کی کوشش کرو۔'' عیینہ کی آواز سن کر بنو فزارہ بھاگ کھڑے ہوئے اور باقی لشکر طلیحہ کے گرد جمع ہو گیا اور پوچھا اب ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ طلیحہ کی سب سے بڑی طاقت بنو فزارہ تھے۔ ان کا میدان چھوڑنا تھا کہ طلیحہ کی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ طلیحہ نے اپنے لیے ایک تیز رفتار گھوڑے اور اپنی بیوی ''نوار'' کے لیے ایک سواری کا انتظام پہلے ہی کیا ہوا تھا۔ اب اس نے اپنی فوج کے پاؤں اکھڑتے دیکھے تو اچھل کر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور بیوی کو بھی سوار کر لیا اور یہ کہتا ہوا بھاگ کھڑا ہوا کہ جو شخص میری طرح اپنے اہل و عیال کو لے کر بھاگ سکتا ہے، بھاگ جائے اور اپنی جان بچائے۔

طلیحہ میدان سے بھاگ کر شام چلا گیا اور وہاں بنو کلب میں اپنی سکونت اختیار کر لی۔ کچھ دنوں کے بعد اسے پتہ چلا کہ بنو اسد، بنو غطفان اور ان تمام قبائل نے اسلام قبول کر لیا ہے جو اس کے ارد گرد جمع تھے۔ اب اس نے بھی اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتقال تک تو وہ شام میں بنو کلب ہی میں سکونت پذیر رہا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ عمرہ کرنے کے

لیے مکہ جاتے ہوئے مدینہ منورہ کے قریب سے گزرا تو کچھ لوگوں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ طلیحہ مدینہ کے قریب سے جا رہا ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا: ''میں اب اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ہدایت عطا فرما دی ہے۔'' جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو وہ بیعت خلافت کرنے کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا تو وہی ہے جس نے عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ اور ثابت ابن اقرم رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا؟'' واللہ! میرا دل تیری طرف سے کبھی بھی صاف نہیں ہو سکتا۔ طلیحہ نے کہا: امیر المومنین! آپ کو ایسے دو حضرات کا رنج ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ سے عزت و اکرام کے بلند مقام (یعنی درجہ شہادت) تک پہنچایا اور ان دونوں کے ہاتھوں مجھے ذلیل نہیں کیا کہ میں کفر پر مرتا۔ طلیحہ کے منہ سے یہ الفاظ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے بیعت لے لی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے رخصت ہو کر طلیحہ اپنی قوم میں چلا گیا اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ عراق کی جنگوں میں اس نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے۔

جنگ کے اختتام کے بعد سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک ماہ براخہ میں مقیم رہے۔ اس اثناء میں انہوں نے ان قبائل کا تعاقب کیا جو مرتد ہو کر سرکشی اور بغاوت پر اتر آئے تھے اور اسلامی حکومت کو ختم کرنے کے درپے تھے۔

## سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اعلان معافی:

جنگ میں درشتی اور نرمی دونوں ہونی چاہئیں۔ صرف سختی بھی معاملات کو بگاڑ دیتی ہے اور صرف نرمی بھی دشمنوں کو دلیر کر دیتی ہے۔ جب سختی کا وقت تھا تو سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر درشتی اور سختی سے کام لیا، لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنی نرمی سے رام کرنے کی بھی کوشش کی اور اس میں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ چنانچہ جب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے بزاخہ سے مرتدین کے سرغنہ پابجولاں مدینہ طیبہ بھیجے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان پر سختی نہیں کی۔ جن لوگوں نے ارتداد سے توبہ کر لی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی توبہ کو قبول کرتے ہوئے انہیں معاف فرما دیا۔ ان میں عیینہ بن حصن بھی تھا۔ عیینہ کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عداوت تھی۔ اسی وجہ سے اس کے قبیلے بنوفزارہ کا سات سو افراد پر مشتمل ایک دستہ طلیحہ کی فوج میں

موجود تھا۔ طلیحہ اور عیینہ دونوں مدینہ پر ایک کاری ضرب لگانے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ عیینہ اسلام اور مسلمانوں دونوں کا دشمن تھا لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو بھی معاف کر دیا۔ قرہ بن ہبیرہ بھی ان قیدیوں میں سے ایک تھا جس کو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے پابجولاں مدینہ بھیجا تھا۔ اس شخص کا تعلق بنو عامر سے تھا۔ یہ زکوۃ کو تاوان کہتا تھا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو بھی معاف کر دیا۔

ان قیدیوں میں سے ایک قیدی علقمہ بن علاثہ بھی تھا۔ اس کا تعلق بنو کلب سے تھا یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی مرتد ہو گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد بنو کلب میں آ کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جب وہ پابجولاں لایا گیا تو آپ نے اس کو بھی معاف کر دیا کیونکہ نہ اس نے کسی مسلمان کو قتل کیا تھا اور نہ ہی مسلمانوں سے جنگ کی تھی اور ارتداد سے وہ توبہ کر چکا تھا۔

ان قیدیوں میں سے ایک قیدی ابوشجرہ بن عبدالعزیٰ تھا۔ یہ عرب کی مشہور شاعرہ کا بیٹا تھا۔ اس نے اپنے بھائی صخر کی یاد میں ایک نہایت دردناک، دل دوز اور دل سوز مرثیہ کہا تھا۔ اس شاعرہ کا نام خنساء تھا۔ ابوشجرہ خود بھی اپنی والدہ کی طرح شاعر تھا۔ یہ بھی مرتدین سے مل گیا تھا اور لوگوں کے جذبات کو برانگیختہ کرنے کے لیے شعر کہتا تھا۔ ان اشعار میں سے ایک شعر یہ ہے ۔

فرویت رمحی من کتیبة خالد وانی لارجو بعدھا ان اعمرا

یعنی میں نے اپنا نیزہ خالد کے لشکر کے خون سے سیراب کیا ہے، اور مجھے امید ہے کہ میں آئندہ بھی ایسا ہی کرتا رہوں گا۔

لیکن ابوشجرہ نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو بھی معاف کر دیا۔ (خلافۃ ابی بکر، محمد بن صامل السلمی، ص ۱۰۱)

## ام زمل کی بغاوت:

ام زمل ایک عورت تھی جس کی ماں کا نام ام قرفہ تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ایک دستہ کے ساتھ بنو فزارہ کی طرف بھیجا۔ جب یہ لشکر وادی القریٰ پہنچا تو اس کی بنو فزارہ کے چند لوگوں سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ انہوں نے سیدنا زید رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کو قتل کر دیا لیکن سیدنا زید رضی اللہ عنہ اس میں سخت زخمی ہوئے۔ جب سیدنا زید رضی اللہ عنہ صحت یاب ہو گئے تو رسول

اللہ ﷺ نے دوبارہ انہیں بنوفزارہ کے خلاف جنگ کے لیے بھیجا۔ اس دفع سیدنا زید رضی اللہ عنہ کا لشکر مظفر و منصور آیا۔ اس لشکر نے کچھ لوگوں کو قیدی بنایا۔ ان قیدیوں میں ایک عورت ام قرفہ فاطمہ تھی۔ اور اس کے باپ کا نام بدر تھا۔ یہ عورت نہایت شعلہ بیان تھی۔ ام قرفہ فاطمہ کی ایک بیٹی تھی جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حصہ میں آئی۔ اس کا نام ''ام زمل'' تھا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے اسے آزاد کر دیا۔ وہ کچھ عرصہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہ کر اپنے قبیلہ بنوفزارہ میں چلی گئی۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جب ارتداد اور بغاوت کا فتنہ اٹھا تو جو لوگ بزاخہ کے میدان میں شکست کھا کر بھاگے تھے ان میں سے کچھ ضدی لوگ ام زمل کے پاس چلے گئے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے انتہائی مخالف اور انتہائی سخت جان تھے۔ وہ بزاخہ کے میدان میں وقتی طور پر خالد رضی اللہ عنہ کی شمشیر براں سے ضرور گھبرائے لیکن اب موت کا کوئی خوف ان میں نظر نہیں آ رہا تھا۔ ام زمل کو جب ایسے موت سے نڈر لوگ مل گئے تو وہ مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے میدان میں اتر آئی۔ یہ ام زمل عیینہ بن حصن کی چچی تھی اس کی ماں ام قرفہ اپنے جنگی اونٹ پر سوار ہو کر بنوفزارہ کی قیادت کرتی تھی۔

ام زمل میں اپنی ماں کی قریباً تمام خوبیاں پائی جاتی تھیں۔ یہ شکست خوردہ لوگ جب بزاخہ سے بھاگ کر زمل کے پاس آ گئے تو ام زمل نے ان کو تسلی دی اور ان کے حوصلوں کو اپنی جذباتی باتوں سے بڑھا وا دیا۔ اس نے اپنی لشکر کی تعداد میں اضافہ کرنے کے لیے مختلف قبائل سے بھی رابطہ کیا۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو جب اس عورت کی کارروائیوں کا علم ہوا تو اس کی سرکوبی کے لیے وہ بزاخہ سے جہاں وہ ایک ماہ سے مقیم تھے، روانہ ہوئے۔ چند دنوں کے بعد سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اور ام زمل کی فوجیں ایک دوسرے کے سامنے تھیں، پھر ایک روز دیکھتے ہی دیکھتے جنگ شروع ہو گئی ام زمل اپنی تقریروں اور جنگی اونٹ سے اپنے فوجیوں کو مشتعل کر رہی تھی۔ ام زمل کے جنگی اونٹ کے اردگرد سو اونٹ اور تھے جن پر بڑے بڑے سورما اور جنگ کے ماہر جرنیل سوار تھے جو ام زمل کی حفاظت کر رہے تھے۔

مسلمان نہایت دلیری اور جرأت سے لڑ رہے تھے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی فوج کا اصل ہدف ام زمل تھی، لیکن اس کے قریب پہنچنا بہت مشکل تھا۔ مسلمان فوج بھی ہار ماننے والی نہ تھی۔

وہ ام زمل کے سو محافظوں کو قتل کر کے بالآخر اس کے قریب پہنچ گئی۔ جونہی مسلمان اس کے قریب پہنچے تو انہوں نے سب سے پہلے نہایت تیزی کے ساتھ اس کے جنگی اونٹ کی کونچیں کاٹیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اونٹ اور ام زمل دونوں نیچے گر گئے۔ اس کے نیچے گرتے ہی مسلمانوں نے اسے قتل کر دیا۔ جونہی ام زمل قتل ہوئی اس کے فوجی حوصلہ ہار بیٹھے اور مایوسی نے انہیں گھیر لیا۔ چنانچہ ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اب مسلمانوں نے ان کو اپنی تلواروں کی دھار پر رکھ لیا۔ اس طرح لشکر کو فتح حاصل ہوئی اور طلیحہ اسدی کا فتنہ بالکل ختم ہو گیا۔ (البدایہ والنہایہ: ۶/۳۲۳)

# مالک بن نویرہ اور سجاح

شمال مشرقی عرب میں ارتداد اور بغاوت کی لہر ختم ہو جانے کے بعد جنوبی عرب کے مرتدین اور مدعیان نبوت کے لیے خوش آئند بات یہی تھی کہ وہ ارتداد سے تائب ہو کر دوبارہ دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے۔ ان کے دانشوروں کو یہ غور و فکر کرنا چاہیے تھا کہ اگر مسلمانوں نے شمال مشرقی عرب میں اپنی تلواروں اور جنگی حکمت سے ارتداد و بغاوت کو بالکل ختم کر دیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ جنوبی عرب سے اس کا خاتمہ نہ کر سکیں لیکن وہ لوگ غلط فہمی بلکہ بدفہمی میں مبتلا تھے کہ وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ وہ یہ بھول گئے کہ سچے نبی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی کائنات کی تمام طاقتیں اور خود اس کی اپنی زندگی کا ایک نمونہ ہوتا ہے جو لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اس کے علم وعمل کی کتاب میں ایک خاص دل کشی اور جاذبیت ہوتی ہے جو لوگوں کے دلوں کو کھینچ کر اپنا گرویدہ بناتی ہے۔

اس کے برعکس عرب کے ان مدعیان نبوت کی دعوت سراسر جھوٹ اور کذب پر مبنی تھی اور باطل کی کھوکھلی بنیادوں پر انہوں نے اپنی نبوت کی بنیادیں چنی تھیں جو چند ہی روز میں صداقت کے ریلے میں بہہ گئیں۔ ان کے ماننے والے شاطر اور نخوت و تکبر کے پتلے، جھوٹ کے شبستانوں میں رہنے والے تھے جن کی زندگی کا مقصد صرف دنیوی اقتدار کے مال کا حصول تھا۔

جنوبی عرب میں بنو تمیم کے قبائل بنو عامر کے قریب ہی آباد تھے جو مدینہ منورہ سے مشرق کی جانب سے لے کر خلیج فارس تک چلے گئے تھے اور دوسری طرف دریائے فرات کے دہانہ تک ملے ہوئے تھے۔ بنو عامر کا قبیلہ زمانہ جاہلیت ہی سے بڑا معزز سمجھا جاتا تھا۔ جب عرب میں بغاوت وارتداد کا طوفان اٹھا تو اس طوفان میں بنو تمیم نے بھی نمایاں حصہ لیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ سب سے بڑھ کر حصہ لیا تو پھر بھی یہ مبالغہ نہ ہوگا۔

بنوتمیم کے لوگ جب مسلمان ہو گئے تو سرکار دو عالم ﷺ نے اس قبیلہ کی مختلف شاخوں کے لیے مختلف عمال مقرر فرمائے، ان میں سے ایک عامل کا نام مالک بن نویرہ تھا۔ جو بنو یربوع کا رئیس تھا۔ ان عمال کو جب سرکار دو عالم ﷺ کی وفات اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی خبر ملی تو ان میں زکوٰۃ کی ادائیگی کے بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں زکوٰۃ بھیجی جائے یا نہ بھیجی جائے۔ اس اختلاف میں مالک بن نویرہ کا موقف یہ تھا کہ مدینہ کی سربراہی کو قبول نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی انہیں زکوٰۃ بھیجی جائے۔

## سجاح بنت حارث بنوتمیم میں:

ابھی زکوٰۃ بھیجنے یا نہ بھیجنے کی بحث جاری تھی کہ ایک عورت سجاح بنت حارث عراق کے مقام الجزیرہ سے اس شان سے آدھمکی کہ قبیلہ بنوثعلب کے لوگ اسے گھیرے ہوئے تھے اور وہ ایک عظیم لشکر کی قیادت کر رہی تھی جس میں مختلف قبائل کے آزمودہ کار اور تجربہ کار لوگ شریک تھے۔

سجاح کا نسلی تعلق تو بنوتمیم کی شاخ یربوع سے تھا، بنوتغلب میں اس کے ننھیال تھے اور اس قبیلہ میں اس نے شادی کی تھی۔ یہ اپنے قبیلہ کی وجہ سے پہلے عیسائی ہو گئی تھی اور یہود و نصاریٰ کی طرح اسلام دشمنی کے وہ سارے جراثیم اس میں موجود تھے۔ یہ کہانت میں بھی دسترس رکھتی تھی اور نہایت ذہین تھی۔ ماں کی گود ہی سے اس میں اسلام دشمنی کے جراثیم پنپ رہے تھے اور وہ اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے موقع کی تلاش میں تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد اس نے گردونواح کے قبائل کا دورہ کیا اور ان کو مدینہ زکوٰۃ بھیجنے سے روکا بلکہ یہ منصوبہ بنایا کہ مدینہ پر حملہ کر کے وہاں کی حکومت پر قابض ہو جانا چاہیے۔

اس نے پہلے تو اپنی نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور یہ دنیا میں واحد عورت تھی جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور عرب کے مشہور اور نامور قبائل کو اپنی شاطرانہ گفتگو کے زور سے اپنی نبوت ماننے پر مجبور کر دیا۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ عراق سے حکومت ایران کی آلۂ کار بن کر آئی تھی۔ سجاح جب شمالی عراق سے اتر کر جزیرہ نمائے عرب میں آئی تو وہ سب سے پہلے اپنے قبیلہ بنوتمیم میں آئی۔ اس کا خیال تھا کہ جب وہ ایک عظیم لشکر کے بنوتمیم میں پہنچے گی اور اپنی نبوت کا اعلان کرے گی تو وہ اسے اپنے قبیلے کی عورت اور نبی سمجھتے ہوئے متفقہ طور پر اس پر ایمان لے

آ ئیں گے۔ اور اس پر فخر کریں گے کہ یہ ہمارے قبیلہ کی نبی ہے جو قریش کے قبیلہ سے بہتر ہے۔ جب وہ بنو تمیم کی شاخ بنو یربوع کے قریب آئی تو اس نے وہاں اپنی فوج کو پڑاؤ کرنے کا حکم دیا اور یربوع کے رئیس مالک بن نویرہ کو بلایا۔ مالک بن نویرہ سے اس نے دو باتیں کیں۔ ایک یہ کہ بنو تمیم اس سے مصالحت کریں اور دوسرے مدینہ پر حملہ کے لیے یہ لوگ اس کا ساتھ دیں۔ مالک بن نویرہ نے اس کے ساتھ صلح کی بات تو مان لی لیکن مدینہ پر حملہ کرنے کے معاملہ میں اس سے اختلاف کیا اور کہا کہ مدینہ پر حملہ کرنے کا قدم وہ نہ اٹھائے۔ سجاح نے اس کی یہ بات مان لی لیکن قبیلے کی شاخوں کے ہر سردار نے اس کی دعوت کو قبول نہ کیا اور اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ لیکن بنو تمیم کی ایک شاخ بنو حنظلہ کے سردار وکیع نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا اور مالک بن نویرہ کا ساتھی بن گیا۔ ان دونوں کے باہمی مشورہ سے اب سجاح نے بنو تمیم کی مختلف شاخوں پر حملے شروع کر دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہی قبیلے کے لوگوں نے ایک دوسرے کو قتل اور گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد ہی مالک بن نویرہ اور حنظلہ کو یہ احساس ہونا شروع ہو گیا کہ انہوں نے اس شاطر عورت کی بات مان کر سخت غلطی کی ہے۔ اور انہیں اس بات پر سخت ندامت ہوئی کہ اس عورت کی وجہ سے انہوں نے اپنے ہی قبیلے کے لوگوں کو قتل کرنا اور گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ وہ مختلف سرداروں کے پاس گئے اور ان سے مصالحت کی بات کی اور ایک دوسرے کے قیدیوں کو رہا کروایا۔ اب سب شاخوں کے لوگ امن وسکون سے رہنے لگے۔

## یمامہ پر حملہ کا ارادہ:

سجاح بڑی عیار اور شاطر عورت تھی۔ اس نے بھانپ لیا کہ بنو تمیم کو ساتھ ملانے میں وہ کامیاب نہیں ہوگی۔ اب وہ اس سوچ کے مطابق اپنے لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے روانہ ہوئی۔ جب وہ بناج کے مقام پر پہنچی تو اس کا سامنا اوس بن خزیمہ سے ہو گیا۔ نتیجہ میں سجاح کو شکست ہوگئی۔ اب سجاح اپنے لشکر کے ساتھ اوس بن خزیمہ کی گرفت میں تھی۔ اوس بن خزیمہ نے اس کی رہائی کے لیے شرط یہ رکھی کہ وہ یہ عہد کرے کہ وہ پھر کبھی مدینہ پر حملے کا سوچے گی بھی نہیں۔ دوسری یہ کہ مالک بن نویرہ اور وکیع دونوں نے سجاح سے عہد لیا تھا کہ مدینہ جانے کے لیے وہ ان کے قبیلوں کے راستہ سے نہیں گزرے گی۔ یہ عہد اس لیے لیا گیا

تھا کہ سجاح کے ساتھ جو لوگ تھے وہ الجزیرہ اور عراق سے تعلق رکھتے تھے اور ان قبیلوں کو اس بات کا خطرہ تھا کہ اگر سجاح ان لوگوں کو لے کر ان کے قبائل میں سے گزرے گی تو اس سے ان کی آزادی اور خودمختاری خطرہ میں پڑ جائے گی۔

سجاح کا لشکر اب ایک عجیب کش مکش میں تھا۔ چنانچہ انہوں نے سجاح سے پوچھا کہ اب آپ ہمارے بارے میں کیا کہتی ہیں؟ مالک بن نویرہ اور وکیع نے تو اپنی قوم سے مصالحت کر لی ہے اور وہ اب ہمیں اپنی سرزمین سے گزرنے کی اجازت بھی نہیں دے رہے اور دوسری طرف ہم نے اوس بن خزیمہ کی شرط بھی مان لی ہے، لہٰذا ان حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ سجاح نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا کہ مدینہ کی راہ اگر بند ہوگئی ہے تو یمامہ کی راہ تو کھلی ہے۔ ہمیں اب یمامہ کی طرف جانا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ یمامہ کے لوگ فوجی طاقت میں ہم سے بہت طاقتور اور مضبوط ہیں، لہٰذا ہمیں وہاں کامیابی کی کوئی امید نظر نہیں آتی۔ سجاح نے کہا: ''فکر نہ کرو، یمامہ پر حملہ کرنا ضروری ہے۔ پھر دیکھو، کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔ پھر ایک وحی بھی سنادی جس میں یمامہ جانے کی تاکید تھی۔ لشکر نے امت ہونے کے ناطے سجاح کے حکم کے سامنے سرتسلیم خم کر دیا اور یمامہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

## مسیلمہ کذاب اور سجاح کی شادی:

سجاح اور اس کا لشکر چاروناچار یمامہ کی طرف چل پڑے۔ مسیلمہ کو جب پتہ چلا تو وہ سخت پریشان ہوا کیونکہ اگر وہ سجاح سے جنگ میں مشغول ہو گیا تو مسلمانوں کا لشکر جو اس کی طرف آ رہا ہے، اس کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ سجاح نے یمامہ پہنچ کر ایک چشمۂ آب پر پڑاؤ ڈالا۔ مسیلمہ بھی بہت شاطر شخص تھا۔ اس نے حالات کا جائزہ لیا اور عافیت اسی میں سمجھی کہ سجاح سے مصالحت کی کوئی صورت پیدا کی جائے۔ اس نے سجاح سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔ سجاح نے اس کو اذن باریابی دے دیا۔ مسیلمہ بنو حنیفہ کے چالیس سربرآوردہ آدمیوں کے ساتھ اس کے کیمپ میں آیا۔ اس نے سجاح سے خلوت میں ملاقات کی اور اس کو شیشے میں اتار لیا۔ اس نے نہایت خوشامدانہ انداز میں اس سے گفتگو کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پگھل گئی۔ اس نے چند مسجع اور مقفیٰ عبارتیں سنائیں اور ان کو اپنی وحی ظاہر کیا۔ مسیلمہ نہایت خوش کلام اور شیریں مقال آدمی تھا۔ سجاح ایک عورت ہونے کے ناطے اس کے چکمہ میں آ گئی بلکہ اس نے مسیلمہ سے کہا کہ تم

ہر لحاظ سے مجھ سے بہتر ہو۔

مختصر یہ کہ کچھ لغو الہامات سنا کر مسیلمہ نے سجاح کو اپنے جال میں پھانس لیا۔ اب اس نے سجاح کو ایک تجویز پیش کی کہ ہمیں اپنی نبوتوں کو یک جان کر لینا چاہیے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ہم دونوں رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جائیں۔ سجاح اس تجویز سے بہت خوش ہوئی اور مسیلمہ کے ساتھ اس کی قیام گاہ پر آ گئی۔ تین روز وہاں رہی اور چوتھے روز اپنی قوم میں واپس آئی کہ اس کے نزدیک مسیلمہ اپنی نبوت میں سچا ہے، لہٰذا اس نے مسیلمہ سے شادی کر لی ہے تاکہ ہم دونوں کی نبوتیں ایک ہو جائیں۔ اس کے لشکر کے لوگ اس کی بات سے سخت پریشان ہوئے لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ انہوں نے پوچھا: ''مہر کیا مقرر ہوا؟'' اس نے جواب دیا کہ مہر مقرر کرنا تو میں بھول ہی گئی۔ چنانچہ وہ مسیلمہ کے پاس واپس گئی اور اس سے مہر کے بارے میں پوچھا۔ اس نے اس کا مہر دو طرح مقرر کیا۔ ایک یہ کہ ''میں تمہاری امت کو فجر اور عشاء کی دو نمازیں معاف کر دیں۔ دوسرے یہ کہ یمامہ کی زمین کے لگان کی نصف آمدنی تمہیں ہر سال دی جائے گی۔ مسیلمہ نے اس سال کی آمدنی اسے دے دی اور وہ یہ رقم لے کر اپنے کیمپ میں آ گئی۔ اگلے سال کی آمدنی کی وصولی کے لیے اس نے چند ادمیوں کو بنو حنیفہ میں چھوڑ دیا اور خود الجزیرہ چلی آئی، لیکن اگلے سال کی آمدن اس کے مقدر میں نہ تھی، اس لیے کہ مسیلمہ مسلمان فوجوں کے ہاتھوں جلد ہی قتل ہو گیا۔

اس کے فوجی پہلے تو اس کے مسیلمہ کے ساتھ نکاح کرنے پر پریشان تھے۔ اب حق مہر کے تعین نے انہیں اور زیادہ پریشان کر دیا، اور اس کے لشکر کا ایک بہت بڑا سردار عطار بن حاجب نہایت پشیمانی میں یہ شعر پڑھتا ہے

امست نبیتنا انثی نطوف بھا

واصبحت انبیاء الناس ذکرانا

یعنی اور لوگوں کے نبی تو مرد ہیں مگر ہمارا نبی ایک عورت ہے جس کو ہم لیے پھرتے ہیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ سب لوگ سجاح کو چھوڑ کر منتشر ہو گئے اور وہ اکیلی رہ گئی۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وہ مسلمان ہو گئی اور پکی مسلمان ہوئی۔

(فتوح البلدان بلاذری: ص ۱۰۸، طبری: ۲/۵۰۰، ابن اثیر: ۲/۱۳۸، البدایہ والنہایہ: ۶/۳۲۶)

## سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا بطاح میں نزول:

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بارگاہِ خلافت سے یہ حکم تھا کہ بزاخہ کی مہم سے فارغ ہو کر بطاح پہنچیں۔ چنانچہ وہ بزاخہ کی مہم سے فارغ ہو کر بطاح کی طرف روانہ ہوئے۔ اس عرصہ میں مسیلمہ اور سجاح کے مذکورہ بالا واقعات رونما ہو چکے تھے۔ ام زمل کا وقعہ بھی رونما ہو چکا تھا۔ مالک بن نویرہ اس زمانہ میں بطاح میں مقیم تھا۔ بنوتمیم کے بعض امراء اپنی اس حرکت پر نادم تھے۔ چنانچہ جب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بطاح پہنچے تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا، لیکن مالک بن نویرہ جوان کا ایک ساتھی تھا، وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ یہ چونکہ منکر زکوۃ تھا اور بنوتمیم کے مسلمانوں کو تنگ کر رہا تھا اور سجاح کا ساتھی بھی رہا تھا، اس وجہ سے وہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے نزدیک گردن زدنی تھا۔ اس کے تمام ساتھی اس سے الگ ہو گئے تھے اور مسلمان ہوکر بارگاہِ خلافت کے مطیع ہو گئے تھے۔ یہ بالکل اکیلا رہ گیا تھا۔ یہ حالات مالک کے لیے نہایت پریشان کن تھے۔

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بنو اسد، غطفان اور دوسرے قبائل سے فارغ ہو کر بطاح کا قصد فرمایا کیونکہ وہاں مالک بن نویرہ ارتداد و بغاوت کا علم بلند کیے ہوئے تھا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے لشکر میں کچھ حضرات انصار مدینہ مین سے تھے۔ وہ بطاح جانے کے لیے متردد تھے لیکن پھر وہ بھی بطاح چلے گئے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ جب بطاح پہنچے تو وہاں میدان بالکل خالی پڑا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مالک بن نویرہ کے ساتھی اس کو چھوڑ گئے تھے اور وہ بالکل تنہا رہ گیا تھا لہٰذا وہ بھی بطاح کو چھوڑ کر روپوش ہو گیا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے یہاں پہنچ کر چند دستوں کو ادھر ادھر روانہ کیا اور تاکید کی کہ تم پہلے اسلام پیش کرو اور اذان دو۔ جو لوگ اس دعوت کو قبول کر لیں اور اذان دیں، نماز پڑھیں اور زکوۃ ادا کرنے کا بھی عہد کریں، ان سے کچھ نہ کہو، لیکن جو ایسا نہ کریں ان کو قرار واقعی سزا دی جائے۔

## مالک بن نویرہ کی گرفتاری اور قتل:

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جو فوجی دستے اردگرد کے علاقے اور بستیوں میں بھیجے تھے، ان میں سے ایک دستہ مالک بن نویرہ کو بنویربوع کے چند لوگوں کے ساتھ گرفتار کر کے لایا

اوران لوگوں کو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا۔ ان میں ایک روایت کے مطابق سیدنا ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ بھی تھے، انہوں نے شہادت دی کہ قیدیوں نے ہماری اذان کے جواب میں اذان دی اور نماز پڑھی تھی لیکن بعض ارکان دستہ نے ان کے اس بیان کی مخالفت کی۔ اب چونکہ بیان میں شدید اختلاف ہو گیا لہٰذا سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے گرفتار شدگان کے بارے میں اس وقت فیصلہ کرنا مناسب نہ سمجھا اور ان کو کسی جگہ قید کرنے کا حکم دیا۔ لیکن رات ہی رات میں مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھی قتل کر دیئے گئے، اور کہتے ہیں کہ خالد رضی اللہ عنہ نے مالک بن نویرہ کی بیوی ام تمیم سے نکاح کر لیا۔ سیدنا ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ کو اس بات پر سخت ناراضگی ہوئی۔ چنانچہ پہلے تو انہوں نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے تیز کلامی کی پھر مدینہ پہنچ کر انہوں نے اور مالک بن نویرہ کے بھائی متمم بن نویرہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی شکایت کی۔ مالک کے قتل کی خبر مدینہ پہنچی تو تحیر اور ہنگامے کی فضا اس درجہ تیز ہوگئی کہ عرصہ تک اس کی تیزی قائم رہی۔ لوگ برملا کہتے تھے کہ خالد رضی اللہ عنہ نے مالک کو ناحق قتل کیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس خبر کو سن کر صدمہ تو ہوا لیکن مصلحت وقت کے پیش نظر وہ خاموش ہو گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بہت غصہ تھا کہ خالد رضی اللہ عنہ نے ایسا کیوں کیا؟ چنانچہ ان کی یہ رائے ہوئی کہ خالد رضی اللہ عنہ کو فوری طور پر معزول کر دیا جائے، اور چونکہ انہوں نے عمداً ایک مسلمان کو قتل کر کے اس کی بیوی سے انقضائے عدت سے قبل شادی کر لی ہے لہٰذا انہیں رجم بھی کیا جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا جب ان مطالبات پر اصرار بڑھا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کو مدینہ طلب کیا اور ان سے اس بارے میں تفصیلی گفتگو کی۔ گفتگو کے بعد آپ کو جب یقین ہو گیا کہ اگر مالک بن نویرہ کا قتل بحالت اسلام ہوا بھی ہے تو وہ قتل عمد نہیں بلکہ قتل خطا ہے۔ چنانچہ آپ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی طرف سے مالک کا خون بہا ادا کر دیا۔ چونکہ بطاح میں خالد رضی اللہ عنہ کی غیر حاضری کے باعث حالات زیادہ بگڑ گئے تھے اس وجہ سے انہیں فوراً واپس بطاح روانہ کر دیا گیا۔

مالک بن نویرہ کے قتل کے بارے میں جو روایات ہیں ان میں بہت اختلاف ہے، اس لیے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے جو کیا وہ درست تھا۔ اکثر روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان نہیں تھا بلکہ مرتد ہو گیا تھا۔ ایک اور روایت میں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا دستہ جو سیدنا ضرار بن ازدر رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت تھا، اس کا مقابلہ مالک بن نویرہ کے دستہ سے ہوا اور دونوں دستوں میں جنگ ہوئی اور ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ نے مالک بن

نویرہ کو قتل کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ: ۶/ ۳۲۷، ابن خلکان: ۵/ ۶۶، یعقوبی: ۲/ ۱۴۰، طبری: ۲/ ۴۹۱)

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ پر مالک بن نویرہ کو اسلام کی حالت میں قتل کرنے کا سب سے پہلا الزام سیدنا ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے لگایا تھا۔ وہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے اس بات پر سخت برہم ہوئے کہ تو نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا لیکن جو شہادت اس کے مسلمان ہونے پر دی اس میں اس کی نماز کا تو ذکر کیا لیکن زکوۃ کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

(البدایہ والنہایہ: ۶/ ۳۲۲، الاصابہ: ۳/ ۳۳۷، شرح نووی علی مسلم: ۱/ ۱۲۰۳، طبقات فحول الشعراء: ص ۱۷۲)

جب سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اور مالک کے بھائی متمم بن نویرہ دونوں نے مدینہ جا کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے خالد رضی اللہ عنہ کے بارے میں شکایت کی تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی بات توجہ سے نہیں سنی۔ وجہ اس کی یہی معلوم ہوتی ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یقین تھا کہ خالد رضی اللہ عنہ ایسی زبردست غلطی نہیں کر سکتے، اور اگر یہ غلطی ان سے ہو بھی گئی ہے تو انہوں نے جان بوجھ کر یہ غلطی نہیں کی۔ جنگوں میں بعض دفعہ سہواً ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں جیسے کہ جنگ احد میں سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد یمان رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں نے غلطی سے قتل کر دیا تھا۔ پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی جنگی خدمات اور ان کے جنگی کارنامے تھے۔ پھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ''خالد رضی اللہ عنہ کو تکلیف نہ دو کیونکہ وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جسے اللہ نے کافروں پر مسلط کیا ہے۔'' یہ سب باتیں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں تھیں، اس لیے انہوں نے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تمہیں اس شخص کے بارے میں ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں جسے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیف اللہ کے لقب سے نوازا ہے۔ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے دل و دماغ میں خالد رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو غصہ بھرا ہوا تھا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی باتوں سے اس میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی بلکہ کچھ اور شدت پیدا ہو گئی۔ اب وہ بارگاہِ خلافت سے نکل کر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گئے اور ان سے یہ تمام سرگزشت بیان اور انداز بیان کچھ ایسا اختیار فرمایا جس سے یہ غمازی ہوتی تھی کہ خالد رضی اللہ عنہ کی نفسانی خواہشات اس کے فرائض منصبی پر غالب آ جاتی ہیں اور وہ اپنے نفس کی تسکین کے لیے احکام الٰہی کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھلا ایسی باتوں کو کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ وہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا کہ اللہ کی تلوار اب ظلم پر اتری آئی ہے، اس لیے انہیں اپنے منصب سے نہ صرف معزول کر

دیا جائے بلکہ محبوس (قید) بھی کر دیا جائے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی غصہ سے بھری ہوئی یہ باتیں سن کر فرمایا: ''عمر! اس بات کو یہیں رہنے دو، خالد رضی اللہ عنہ نے تاویل سے کام لیا ہے، یہ الگ بات ہے کہ تاویل میں غلطی ہوئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس بات سے اطمینان نہ ہوا اور وہ اپنے مطالبہ پر قائم رہے۔ اب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ''عمر! سن لو، میں اس تلوار کو نیام میں نہیں ڈال سکتا جسے اللہ نے کافروں پر مسلط کیا ہے۔''

(طبری: ۲/۵۰۲، ابن اثیر: ۲/۲۷۲)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے مالک بن نویرہ رضی اللہ عنہ کو جو قتل کیا وہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے نہیں کیا تھا بلکہ مرتد اور باغی ہونے کی وجہ سے کیا تھا۔ اور اس کے باغی اور مرتد ہونے کا اقرار خود اس کے بھائی متمم بن نویرہ نے بھی بعد میں دبے لفظوں میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا حالانکہ وہ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے بطاح سے مدینہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی شکایت کرنے کے لیے آیا تھا۔ مشہور روایت ہے کہ مالک بن نویرہ کے بھائی متمم بن نویرہ نے اپنے بھائی کا بڑا پرسوز مرثیہ لکھا۔ ایک مرتبہ وہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اپنے بھائی کا مرثیہ انہیں سنایا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر اس کے مرثیہ کا بڑا اثر ہوا اور فرمایا: ''اگر میں بھی شاعر ہوتا تو اپنے بھائی زید رضی اللہ عنہ کا مرثیہ کہتا۔ متمم بن نویرہ نے کہا: ''امیر المومنین! دونوں برابر نہیں ہیں۔ اگر میرا بھائی بھی اسی طرح قتل ہو جاتا جیسا کہ آپ کا بھائی ہوا ہے تو میں کبھی بھی اپنے بھائی کا مرثیہ نہ کہتا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا: ''جیسی تعزیت آج متمم بن نویرہ نے میرے ساتھ کی ہے ایسی آج تک کسی نے نہیں کی۔''

علامہ ابن شاکر اس واقعہ سے یہ استدلال کرتے ہیں اور ان کا یہ استدلال ہمارے خیال میں بالکل درست ہے کہ متمم بن نویرہ کے نزدیک بھی اس کا بھائی مالک مرتد قتل ہوا تھا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اس نے جو کچھ کہا، اس کا مطلب یہ تھا کہ میں تو اپنے بھائی کو اس لیے روتا ہوں کہ وہ اسلام پر نہیں مارا گیا۔ اس کا انجام خراب اور کفر پر ہوا لیکن آپ کے بھائی زید رضی اللہ عنہ تو اسلام کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے، اللہ کی راہ میں مارے گئے، حق کی راہ میں قتل ہوئے، ان کے مراتب و مدارج تو اللہ جل شانہ کے ہاں بہت بلند ہیں تو پھر ان کے ماتم اور مرثیہ کی کیا ضرورت ہے۔ (فوات الوفیات: ۲/۲۸۶)

## مالک بن نویرہ کی بیوی ام تمیم سے نکاح:

اس واقعہ میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے نہ صرف مالک بن نویرہ کو قتل کیا تھا بلکہ اس کے ساتھ اس کی بیوی ام تمیم لیلیٰ بنت سنان المنہال سے اسی روز نکاح بھی کر لیا۔ اس وجہ سے بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے مالک بن نویرہ کو صرف اس کی بیوی سے نکاح کرنے کے لیے قتل کیا تھا۔ لیکن یہ سب روایات ہمارے نزدیک درست نہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے مالک کی بیوی سے اس وجہ سے شادی کی ہو کہ شوہر کے قتل کی وجہ سے اس پر جو مصیبت آئی ہے اس کا مداوا ہو سکے جس طرح سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مثنیٰ شیبانی کی بیوی سے ان کی شہادت کے بعد نکاح کر لیا تھا۔ یہ نکاح انہوں نے مثنیٰ کی بیوی کی قدردانی کرتے ہوئے کیا تھا۔ اسی طرح سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے بھی ام تمیم لیلیٰ سے جو قبیلہ کے سردار اور عالی مرتبت شخص کی بیوی تھی، اور اب وہ بیوہ ہو گئی تھی، اس کو اپنے خاوند کے قتل سے بہت تکلیف پہنچی تھی، اس کی اس تکلیف اور مصیبت کا مداوا آپ نے یہ ترکیب سوچی کہ آپ خود اس سے شادی کر لیں تاکہ اس کی دل داری اور دل جوئی ہو سکے، اور اسے بہادر شاعر مزاج خاوند کے بدلہ میں ایک ایسا شوہر مل جائے جو بہادر، جرأت، شجاعت اور عبقریت میں اپنی مثال آپ ہو اور عسکری قیادت میں اس کا کوئی ثانی نہ ہو۔

اگر سیدنا خالد کا یہ نکاح شرعی طور پر جائز نہ ہوتا تو اول تو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اس عورت سے خود ہی قطع تعلق کر لیتے۔ اور اگر خود نہ کرتے تو کم از کم سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو انہیں حکم دینا چاہیے تھا کہ وہ ام تمیم سے قطع تعلق کر لیں کیونکہ یہ نکاح فاسد ہے، لیکن ایسا کوئی حکم انہیں بارگاہِ خلافت سے نہیں ملا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ام تمیم سے ان کا نکاح درست تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ مرتدین کی عورتوں کو قتل کرنے کا حکم نہیں البتہ ان کو لونڈیاں بنایا جا سکتا ہے جیسا کہ امام سرخسی نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(المبسوط: ۱۰/۱۱۱، حرکۃ الردۃ: ص ۲۲۹)

چنانچہ ام تمیم جب لونڈی بن گئی تو خالد رضی اللہ عنہ نے لونڈی ہوتے ہوئے اس سے نکاح کر لیا، اور یہ شرعی طور پر جائز تھا۔ (البدایہ والنہایہ: ۶/۳۲۶)

اس پر شیخ احمد شاکر نے لکھا ہے کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اس کو لونڈی اور اس کے بیٹے کو

غلام گردانا اور ام تمیم کو لونڈی کی حیثیت سے اپنی زوجیت میں لے لیا، اور لونڈی کے لیے کوئی عدت نہیں ہے۔ البتہ اگر وہ حاملہ ہے تو اس لونڈی کا مالک اس کے قریب نہیں جا سکتا جب تک کہ وضع حمل نہ ہو جائے۔ اور اگر وہ حاملہ نہیں ہے تو پھر بھی اس کی عدت ایک حیض ہے۔ اور جب ایک حیض گزر جائے تو پھر اس کے قریب جایا جا سکتا ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مخالفین نے یہ گمان کیا کہ مالک بن نویرہ مسلمان تھا اور خالد رضی اللہ عنہ نے اس کی بیوی سے نکاح کرنے کی خاطر اس کو قتل کیا۔ (حرکۃ الردۃ: ص ۳۲۰)

اس کی مثال اسوۂ نبوت میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ جویرہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا سے غزوہ مریسیع کے بعد نکاح کر لیا جب کہ وہ لونڈی بن کر آئی تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کتابت دی اور اس کو اپنی بیوی بنا لیا۔ چنانچہ یہ نکاح بڑی یمن و برکت کا سبب بنا کہ ان کے اس نکاح کے باعث ان کی قوم کے ایک سو آدمی آزاد ہو گئے کیونکہ وہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرالی ہو گئے تھے۔ اور اسی برکت کی وجہ ان کا والد حارث بن ضرار بھی مسلمان ہو گیا۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۲/۲۹۰، ۲۹۵)

اسی طرح حیی بن اخطب یہودی کی بیٹی صفیہ غزوہ خیبر کے فوراً بعد یا راستہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ محترمہ بن گئیں جب کہ وہ لونڈی کی حیثیت سے قیدیوں میں آئی تھیں۔

(سیرۃ ابن ہشام: ۲/۳۳۹)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ یہ تھا تو اس بارے میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو ملامت اور عتاب کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ (حرکۃ الردۃ: ص ۲۳۷، الصدیق ابوبکر، محمد حسین ہیکل: ص ۱۴۰)

حقیقت یہ ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مزاج شناس رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ وہ کسی صورت بھی اس شخصیت کو اس عہدے سے معزول نہیں کرنا چاہتے تھے جس کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے سیف اللہ کا خطاب دیا ہو۔ چنانچہ وہ ہر اس شخص کو یہی جواب دیتے جو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کروانا چاہتا۔

**لاتؤذوا خالداً فانه سيف من سيوف الله حبه الله على الكفار.**

(فتح الباری: ۷/۱۰۱)

کہ تم لوگ خالد رضی اللہ عنہ کو اذیت نہ دو کیونکہ وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے کفار پر مسلط کیا ہے۔"

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی معزولی کا سب سے زیادہ مطالبہ کرنے والے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تھے۔

لیکن اپنے زمانہ خلافت میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس بارے میں کوئی بات نہیں چلنے دی۔ اس بارے میں حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی نفیس بحث کی ہے۔ اہل علم وہاں ملاحظہ فرمالیں۔ (ملاحظہ ہو فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۱۴/۲۸)

عمان اور بحرین میں ارتداد و بغاوت کی جو آندھی اٹھی تھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سپہ سالاروں حذیفہ بن محصن الغلفانی رضی اللہ عنہ، غرفجہ رضی اللہ عنہ، عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ اور علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ وغیرہ نے اس کو فرو کیا۔

(البدایہ والنہایہ: ۶/ ۳۳۴۔۳۳۵، الثابتون علی الاسلام: ص ۵۹۔۶۰، التراتیب الادار یہ: ۱۰۹، حروب الردۃ، احمد سعید: ص ۱۴۶۔۱۴۷، التاریخ الاسلامی: ۹/ ۹۷، طبقات ابن سعد: ۴/ ۳۶۳)

# جنگ یمامہ

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے باغیوں، مرتدوں اور منکرین زکوۃ کی سرکوبی اور استیصال کے لیے گیارہ لشکر ترتیب دیئے تھے، ان میں سے ایک لشکر سیدنا عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسیلمہ کی طرف بھیجا۔ بعد میں پتہ چلا کہ مسیلمہ کا لشکر کثیر تعداد میں ہے تو آپ نے شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت ایک ہزار افراد پر مشتمل ایک اور لشکر عکرمہ رضی اللہ عنہ کی امداد کے لیے بھیجا۔ سیدنا شرجیل ابھی راستہ ہی میں تھے تو عکرمہ نے یمامہ پہنچتے ہی شرجیل رضی اللہ عنہ کے لشکر کا انتظار کیے بغیر مسیلمہ کی فوج پر حملہ کر دیا اور شکست کھائی۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ نہایت تجربہ کار اور بہادر جرنیل تھے اور فن حرف وضرب میں خوب مہارت رکھتے تھے۔ سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ کا لشکر پہلے روانہ ہوا تھا اور سیدنا شرجیل رضی اللہ عنہ کا بعد میں، لہٰذا عکرمہ رضی اللہ عنہ پہلے یمامہ پہنچ گئے۔ مسیلمہ بن ثمامہ بن کبیر بن حبیب نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس نے اور اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ وہ یمامہ کی ایک بستی جبیلہ میں پیدا ہوا اور وہیں اس کی نشو ونما ہوئی۔ اس نے نبوت کا دعویٰ کرنے کے بعد اپنے آپ کو ''رحمٰن الیمامہ'' کہلوانا شروع کر دیا۔

(حروب الردۃ رہنا الدولۃ ، احمد سعید: ص ۱۳۳، الاعلام للزرکلی: ۲/ ۱۲۵)

اس نے مختلف جگہ سے کچھ کرتب سیکھے ہوئے تھے۔ مسیلمہ تمام جھوٹے مدعیان نبوت کے مقابلہ میں سب سے زیادہ طاقتور تھا۔ اس کی بغاوت سب بغاوتوں سے زیادہ مؤثر اور خطرناک تھی۔ فوجی طاقت اس کے پاس بہت زیادہ تھی۔ اس کی ملاقات ایک شخص سے ہوئی جس کا نام ''نہار الرجال'' تھا، اور وہ اسی نواح کا رہنے والا تھا لیکن ترک وطن کر کے مدینہ چلا گیا تھا۔ مدینہ میں اس نے قرآن حکیم پڑھا اور دینی تعلیم حاصل کی۔ وہ بہت ذہین اور شاطر آدمی تھا اور ہر وقت دین کی باتیں کرتا رہتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اہل یمامہ کے پاس تعلیم

القرآن اور تعلیم دین کے لیے بھیجا۔ وہ یمامہ آکر مسیلمہ کے ساتھ مل گیا بلکہ اس کا مشیر خاص ہوگیا۔ اس نے مسیلمہ کی نبوت کا اقرار تو کر ہی لیا تھا لیکن اس کے علاوہ ایک بہت بڑا جھوٹ اس نے یہ بولا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسیلمہ کو ان کے ساتھ منصب نبوت میں شریک کیا گیا ہے۔ اس کی اس کذب بیانی کو لوگوں نے سچ سمجھا اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ کا معلم اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ مسیلمہ ان کی نبوت میں ان کا شریک ہے۔ اب اس شخص کے نبی ہونے میں کیا شبہ باقی رہ جاتا ہے۔ قبائل کے سیدھے سادھے لوگ اس جھوٹے پراپیگنڈے سے متاثر ہو کر دھڑا دھڑ اس کے پاس آنے شروع ہو گئے اور اس کی نبوت کا اقرار کر کے اس کی بیعت کرنے لگے۔ اس وجہ سے اس کے پیروکاروں کی تعداد دوسرے جھوٹے مدعیان نبوت کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہوگئی۔ مسیلمہ نے رجال کو اپنا مشیر خاص بنا لیا اور یہ سمجھنے لگا کہ میری نبوت کا اصل کاروبار اسی کی وجہ سے شروع ہوا ہے، لہٰذا مسیلمہ اس پر بہت اعتماد کرنے لگا اور ہر بات میں اس سے مشورہ لینے لگا۔ وہ شخص اس دور کا بہت بڑا عالم تھا۔ تمام مسائل پر اس کی نظر تھی۔ اس کی حیثیت ایسی تھی جیسے موجودہ دور میں جھوٹے مدعی نبوت مرزا غلام احمد کے ہاں حکیم نور دین بھیروی کی تھی۔ وہ دن رات مسائل گھڑتا رہتا اور مسیلمہ لوگوں کو اپنی طرف سے وہ سناتا رہتا۔ چنانچہ اس پر مسیلمہ بہت خوش اور سو جان سے اس پر نثار تھا۔

(حرکۃ الردۃ للعتوم: ص ۷۵)

اس رجال بن عنفوہ کے بارے میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز چند آدمیوں کے ساتھ سرکار دو عالم ﷺ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا اور رجال بن عنفوہ بھی اس مجلس میں ہمارے ساتھ تھا۔ آپ ﷺ نے ہمیں مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے ایک شخص ایسا ہے جس کی داڑھ جہنم میں احد پہاڑ سے بڑی ہوگی۔'' جو لوگ اس مجلس میں موجود تھے ان سب کا انتقال ہوگیا، صرف میں اور رجال باقی رہ گئے۔ میں اس کے لیے بڑا پریشان تھا یہاں تک کہ رجال مسیلمہ کے ساتھ اس کی نبوت کی شہادت دیتے ہوئے مسلمانوں کے مقابلہ میں نکلا۔ پس رجال کا فتنہ مسیلمہ کے فتنہ سے بھی زیادہ بڑا تھا۔ (طبری: ۱۰۶/۴)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جہلاء اور عوام تو ایسے لوگوں کے گرویدہ ہو گئے لیکن بڑے عقلاء اور ارباب فہم نے مسیلمہ کذاب کی نبوت کو کیسے تسلیم کر لیا۔ اس کا عام فہم جواب یہ ہے کہ اس کی تہہ میں ایک تو قبائلی عصبیت اور خود مختاری کا جذبہ تھا اور دوسرے نفسانی خواہشات کا

عفریت۔ چنانچہ ایک شخص طلیحہ نمری ایک مرتبہ یمامہ آیا اور اس نے مسیلمہ کذاب سے ملاقات کر کے پوچھا: ''تمہارے پاس کون وحی لے کر آتا ہے؟'' اس نے جواب دیا: ''رحمٰن'' نمری نے پوچھا: ''روشنی میں یا اندھیرے میں؟'' جواب دیا: ''اندھیرے میں۔'' اس پر طلیحہ نمری نے کہا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ تو کذاب ہے، اور محمد ﷺ سچے اور صادق رسول ہیں لیکن ہم اپنے کذاب کو دوسروں کے سچے سے زیادہ محبت کے لائق سمجھتے ہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے مسیلمہ کی بیعت کر لی، اور پھر اس کی حمایت میں لڑتے ہوئے مارا گیا۔

سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ جب یمامہ پہنچے تو انہوں نے مسیلمہ کی اس قوت اور تعداد کو کوئی اہمیت نہ دی اور شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی آمد کا انتظار نہ کیا اور مسیلمہ پر تنہا حملہ کر دیا۔ مسیلمہ کے جان بازوں نے صفیں الٹ دیں اور مسلمانوں کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ اگر عکرمہ رضی اللہ عنہ اور شرجیل رضی اللہ عنہ دونوں اکٹھے ہو کر حملہ کرتے تو نتیجہ مسلمانوں کی فتح ہوتا لیکن تنہا حملہ کرنے کی وجہ سے عکرمہ شکست کھا گئے۔ انہوں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی ہزیمت کی تمام روداد لکھ کر بھیجی تو آپ کو سخت غصہ آیا اور انہوں نے ایک نہایت عتاب آمیز خط سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ کو لکھا۔

مسیلمہ کی طاقت میں بہت زیادہ اضافہ ہو جانے اور اس کے مقابلہ میں سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ کے شکست کھا جانے کے باعث مسیلمہ کی فوج کے حوصلے بڑھ گئے۔ اب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے ضروری ہو گیا کہ وہ مسیلمہ کی سرکوبی کے لیے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجیں کیونکہ ان کے خیال میں خالد رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر اور کوئی موزوں جرنیل نہیں تھا۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا شرجیل رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ جہاں اس وقت پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں، خالد رضی اللہ عنہ کے پہنچنے تک وہیں رہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے پہنچنے سے قبل سیدنا شرجیل رضی اللہ عنہ بھی مسیلمہ سے پسپا ہو چکے تھے۔ وجہ یہ ہوئی کہ سیدنا خالد اپنی قیام گاہ سے فوج لے کر یمامہ روانہ ہو چکے تھے لیکن ابھی راستہ میں تھے کہ مسیلمہ کی فوجیں شرجیل رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھیں اور انہیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ مسیلمہ کے لشکر نے اس لیے ان کی طرف پیش قدمی کی تھی کہ شرجیل رضی اللہ عنہ کی فوج خالد رضی اللہ عنہ کی فوج سے مل کر انہیں نقصان پہنچانے کا باعث بنے گی، اس لیے انہوں نے شرجیل رضی اللہ عنہ کی فوج پر دھاوا بول دیا۔ اس دھاوا سے مسیلمہ کا مقصد شرجیل رضی اللہ عنہ پر اپنی طاقت کا رعب جمانا تھا اور مسلمان فوج میں بددلی کو ہوا دینا تھا۔

## سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی یمامہ کی طرف روانگی:

یمامہ کا معرکہ اب تک ہونے والے معرکوں میں غزوہ بدر کے بعد سب سے بڑا معرکہ تھا۔ یہ بھی جنگ بدر کی طرح اسلام کی موت و حیات کا قطعی فیصلہ کرنے والا معرکہ تھا۔ اس وجہ سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا شرجیل رضی اللہ عنہ کے لشکر کے علاوہ مہاجرین و انصار کے ان نامور بہادروں کو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی امداد کے لیے بھیجا جو حنین و بدر کے معرکے سر کر چکے تھے۔ آپ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے مدینہ طیبہ سے حفاظ، قراء اور نامور جانبازوں کا ایک لشکر اس جنگ کے لیے نامزد فرمایا۔ مہاجرین کے دستہ کے سردار سیدنا ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بھائی زید بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے اور انصار کے دستے کی قیادت سیدنا ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اصحاب بدر کو نہایت اول و دوست رکھتے تھے اور انہیں نہایت بابرکت سمجھتے تھے اس لیے انہیں مدینہ سے باہر کسی جنگ میں نہیں بھیجتے تھے۔
(طبری: ۲/ ۵۰۵، حروب الردۃ، شوقی ابوخلیل: ص ۸۰)

لیکن جنگ یمامہ کی اہمیت کے پیش نظر اپنے ذاتی رجحان کے برخلاف آپ نے بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس جنگ میں شمولیت کے لیے بھیجا۔ سیدنا جب یمامہ روانہ ہوئے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس خیال سے کہ اس لشکر پر کوئی پیچھے سے حملہ نہ کر دے، سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے لشکر کے عقب میں سلیط رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک دستہ روانہ کیا۔

مسیلمہ کذاب نہایت شاطر اور کائیاں آدمی تھا اور جھوٹے نبی اکثر و بیشتر ایسے ہی ہوتے کیونکہ وہ شیطان کے اشاروں پر چلتے ہیں۔ چنانچہ جونہی سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے یمامہ کی طرف پیش قدمی کی، مسیلمہ کو ان کے لشکر کے بارے میں ہر خبر مل رہی تھی کیونکہ اس نے خبر رسانی کا مکمل انتظام کر رکھا تھا۔ چلتے چلتے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا سامنا چند لوگوں سے ہوا ان میں ایک مجاعہ بن مرارہ تھا۔ قصہ یہ تھا کہ بنو عامر اور بنو تمیم کے چند لوگوں نے مجاعہ بن مرارہ کے ایک رشتہ دار کو قتل کر دیا تھا۔ وہ اپنے رفقاء کی معیت میں ان سے مقتول کا قصاص لینے گیا تھا۔ اسے علم تھا کہ مسیلمہ اور مسلمانوں کی جنگ شروع ہونے والی ہے۔ معلوم نہیں یہ کتنا عرصہ جاری رہے اس لیے میرے لیے قصاص لینا مشکل ہو جائے گا، لہٰذا وہ جنگ شروع ہونے سے قبل اس معاملہ کو نمٹا دینا چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ گیا اور قصاص لے لیا۔ قصاص لینے کے بعد وہ لوگ یمامہ آ رہے

تھے کہ آرام کے لیے ایک جگہ بیٹھ گئے۔ اور وہ غلبۂ نیند سے سو گئے۔ ادھر سے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اپنی فوج کے ساتھ آ گئے۔ لشکر کا ہنگامہ سن کر وہ لوگ جلدی سے اٹھے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو کسی طریقے سے پتہ چل گیا کہ ان لوگوں کا تعلق بنو حنیفہ سے ہے جو مسیلمہ کا قبیلہ ہے۔ آپ نے انہیں قتل کرنے کا حکم دے دیا کیونکہ یا تو یہ جاسوس تھے یا پھر اسلامی فوج سے جنگ کرنے کے لیے آئے تھے۔ انہوں نے صاف بتا دیا کہ ہمارا جاسوسی اور جنگ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم تو بنو تمیم اور بنو عامر سے قصاص لینے گئے تھے۔ ان کی بات سن کر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ نبی کے بارے میں تم کیا کہتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ایک نبی ہمارے قبیلے میں سے ہے اور ایک آپ کے قبیلہ قریش میں سے ہے۔ یہ جواب سن کر سیدہ خالد رضی اللہ عنہ نے انہیں قتل کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ مجاعہ کے سوا دوسرے تمام لوگ قتل کر دیئے گئے۔ جب مجاعہ بن مرارہ کو سپاہی قتل کرنے لگے اور قتل کے لیے ایک مجاہد کی تلوار اٹھی تو ایک شخص جس کا نام ساریہ بن عامر تھا، دوڑ کر آگے آیا اور کہا کہ اس کو قتل نہ کرو یہ آپ کے بہت کام آئے گا۔ چنانچہ اسے قتل نہ کیا گیا۔ اب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے ضمانت کے طور پر مجاعہ کو اپنی تحویل میں لے لیا، اس لیے کہ وہ بنو حنیفہ کے سرداروں میں سے تھا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے سمجھا ممکن ہے کہ آگے چل کر یہ شخص فائدہ مند ثابت ہوں اس وجہ سے انہوں نے اس کو لوہے کی بیڑیوں میں جکڑ کر اپنے خیمے میں ڈال دیا اور ان کی نئی بیوی ام تمیم اس کی نگرانی کرنے لگی۔

## جنگ کا آغاز:

مسیلمہ ایک لشکر کے ہمراہ یمامہ کے ایک طرف ''عقرباء'' کے مقام پر پڑاؤ ڈالے تھا اور تمام مال واسباب فوج کی پچھلی جانب تھا۔ مسیلمہ کے لشکر کی تعداد ایک روایت کے مطابق ۴۰ ہزار اور دوسری روایت کے مطابق ساٹھ ہزار تھی۔ (طبری: ۲/ ۵۰۵)

ایک روایت ستر (۷۰) ہزار کی بھی ہے۔ ایک فریق کی اتنی بڑی تعداد مسلمانوں نے اس قبل کسی جنگ میں نہیں دیکھی تھی۔ دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے طبل جنگ کا انتظار کر رہی تھیں۔ ہر فریق کو یہ یقین تھا کہ فتح اس کی ہوگی۔ ایک طرف کثرت تعداد پر ناز تھا، اسلحہ کی بہتات اور جدت پر تھا، فوج کی مستعدی اور تیزی پر ناز تھا۔ لیکن دوسری طرف اللہ والوں کا گروہ تھا۔ اگرچہ ان کی تعداد کم تھی لیکن وہ ہزیمت ناآشنا لوگ تھے کیونکہ ان کی اسلحہ کی کثرت

وجدت اور تعداد لشکر کی کثرت کے بجائے اللہ پر بھروسہ تھا۔ پھر وہ لوگ اللہ کی کتاب کے حامل تھے۔ ان میں حفاظ بھی تھے اور قراء بھی، مجاہد بھی تھے اور ذاکر بھی۔ ان کی زندگی کا صرف ایک ہی مقصد تھا۔ یمن، حضر موت، عمان، بحرین اور عرب کے جنوبی جانب مکہ اور طائف سے خلیج عدن تک کے تمام علاقوں کی نظریں مسیلمہ کی آج کی جنگ پر جمی ہوئی تھیں۔ ان سب جگہ کے لوگوں کے سینے اس جنگ کے نتیجے میں بے تاب تھے۔ ایرانی بھی اس جنگ کے نتیجہ کے منتظر تھے۔ دوسری طرف مسلمانوں کی فوج کی تعداد اگرچہ صرف تیرہ ہزار تھی، لیکن اپنی ہمت اور جرأت کے لحاظ سے یہ تعداد نہایت مرعوب کن تھی کیونکہ اس کے سالار اعظم سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے کبھی ہزیمت اور شکست کا منہ نہیں دیکھا تھا۔ اور اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار تھے جس کو اللہ نے اپنے دشمنوں پر مسلط کیا تھا۔ جوش کا یہ عالم تھا کہ ''جوہر شمشیر سے باہر تھا دم شمشیر کا'' ہر مجاہد اپنی جگہ پر جرأت و ہمت کا پیکر۔ ان کے پاس ایک دل تھا اور ایک ہی آقا کی چوکھٹ پر ان کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ خدا کے تھے اور صرف خدا ہی سے ڈرتے تھے، لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ پانی جو ابر کرم کا چھینٹا ہوتا ہے وہ کبھی کبھی طوفان بلاخیز موجوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہوا کا وہ جھونکا جو نسیم خوش گوار کی طرح چلتا ہے کبھی کبھی وہ جھونکا باد سموم اور آندھی کا تھپیڑا بن جاتا ہے۔ یہ اللہ والے اس وقت میدان جنگ میں موجیں مارنے والا طوفان اور آندھی کا تند و تیز جھونکا بنے ہوئے تھے۔ مہاجرین کا علم سیدنا سالم مولیٰ ابن حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ غرض کہ اس ولولہ اور جوش و جذبہ کے ساتھ مسلمانوں کے تیرہ ہزار جان بازوں اور مجاہدوں پر مشتمل لشکر ساٹھ ہزار نبوتِ کاذب پر ایمان لانے والوں کے سامنے کھڑا تھا۔

## جنگ کا آغاز:

جنگ کے آغاز میں بنو حنیفہ نے مسلمانوں پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ مسیلمہ نے فوج میں عصبیت کا جوش بھرا ہوا تھا۔ اسی جوش و جذبہ سے اس کے لشکر نے مسلمانوں پر جو دباؤ ڈالا تو مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور وہ آہستہ آہستہ پسپا ہونے شروع ہو گئے۔ ایک دفعہ تو معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ مسیلمہ کے سپاہی سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے خیمہ کے قریب بھی آ گئے انہوں نے خیمے کے اندر جھانک کر دیکھا تو مجاعہ بن مرارہ بیڑیوں میں جکڑا ہوا تھا اور خالد رضی اللہ عنہ کی بیوی لیلیٰ ام تمیم اس کی نگرانی کر رہی تھی۔ ایک شخص نے بڑھ کر لیلیٰ کو قتل کرنا چاہا تو مجاعہ نے اسے روکا

کہ اسے قتل نہ کرو۔ میں اسے پناہ دیتا ہوں۔ جواں مردی اور بہادری یہ ہے کہ تم ایک عورت کو قتل کرنے کے بجائے مردوں سے جا کر لڑو۔

مسیلمہ کے فوجیوں نے لیلیٰ کو قتل تو نہ کیا البتہ خالد رضی اللہ عنہ کے خیمے کی طنابیں اور رسیاں کاٹ دیں اور تلواریں مار مار کر خیمے کو پارہ پارہ کر دیا لیکن مجاعہ بن مرارہ کو آزاد نہیں کرایا۔ اس کو اس لیے آزاد نہ کرایا کہ وہ اس امید میں تھے کہ ابھی میدان جنگ میں ہم مسلمانوں پر فتح پائیں گے اور واپس آ کر نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ اپنے اس معزز سردار کی بیڑیاں کاٹ کر نہایت شان و شوکت کے ساتھ لے کر جائیں گے، لیکن انہیں کیا پتہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اس بارے میں کیا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کی نصرت کن لوگوں کو حاصل ہے؟

نہار الرجال بن عنفوہ مسیلمہ کے لشکر کے مقدمہ کا کمانڈر تھا۔ اس نے سب سے آگے نکل کر مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی۔ اس کے دماغ میں اپنی فوج کی کثرت کے باعث کبر و نخوت کی ہوا بھری ہوئی تھی۔ اس کو شاید یہ نہیں پتہ تھا کہ فوج نہیں لڑتی بلکہ جذبہ لڑتا ہے۔ جونہی اس نے دعوت مبارزت دی سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بھائی زید بن خطاب رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور آتے ہی اس زور کا وار کیا کہ وہ ڈھیر ہو گیا۔ مسیلمہ کے فتنہ کا یہ سب سے بڑا سرغنہ تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے تیر مار کر اس دشمن خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو واصل جہنم کیا۔ نہار الرجال کے قتل ہونے سے جنگ میں شدت پیدا ہو گئی۔ بڑے زور کا رن پڑا۔ مسیلمہ کا ایک ایک آدمی اس بہادری، جرأت اور جوش و جذبہ سے لڑ رہا تھا کہ اپنی جان دینے پر تلا ہوا تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ اگر اس جنگ میں شکست ہو گئی تو حجاز کی سیادت جنوبی عرب پر ہمیشہ کے لیے قائم ہو جائے گی، اور قبائلی عصبیت کے تحت یہ بات ان کی موت کے مترادف تھی۔ مسلمانوں کو ایسی ہولناک اور خوفناک جنگ لڑنے کا یہ پہلا اتفاق تھا۔

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت و سیادت نے مسلمانوں کو سنبھالا دیا اور انہوں نے تمام مسلمانوں کو با آواز بلند کہا کہ سب اپنے اپنے کیمپوں کی طرف سے حملے کرو تا کہ پتہ چلے کہ سب سے زیادہ زوردار حملہ کس کا ہے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا یہ اعلان کرنا تھا کہ مسلمان بھوکے بازوں کی طرح غنیم پر ٹوٹ پڑے۔ اب ہر ایک رجمنٹ اور قبیلہ کے سپہ سالار نے اپنے اپنے قبیلوں اور رجمنٹوں کو بڑھاوا دیا۔ چنانچہ مسلمانوں نے اب اس زور سے دشمن پر حملہ کیا کہ دشمن بوکھلا گیا۔ لڑائی کے دوران سخت آندھی آ گئی اور ریت کے تھپیڑے مجاہدین اسلام کے

چہروں پر پڑنے لگے اور آنکھوں میں گھسنے لگے، لیکن یہ مجاہد آندھی کی پروا کیے بغیر اسی حالت میں لڑتے رہے بعض لوگوں نے سیدنا زید بن خطاب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''اب کیا کیا جائے؟'' فرمایا: ''آندھی کو اپنا کام کرنے دو اور تم اپنا کام کرتے رہو۔ قدم جما کر لڑو اور دشمن کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کرو۔ جس قدر تیزی سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو گے اتنی جلدی اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔'' وہ خود دشمن کو اپنی تلوار کا لقمہ بتاتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں درجہ شہادت عطا فرمایا۔ اسی طرح دوسرے مجاہدین کا حال تھا۔

مختصر یہ کہ تمام مجاہدین اسلام اپنی اپنی جگہ شیر نیستاں کی طرح ہنکار ہی رہے تھے اور پلٹ کر غنیم پر اتنے زور کا حملہ کیا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ مہاجرین و انصار اور اہل قریٰ کو بہ نسبت اہل بادیہ کے زیادہ جانی نقصان پہنچا اور مشہور صحابہ سیدنا زید بن خطاب رضی اللہ عنہ، سیدنا ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے مولیٰ سیدنا سالم رضی اللہ عنہ بھی داد شجاعت دیتے ہوئے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے بھی جام شہادت نوش کر لیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں مسیلمہ کے بھی بہت سے آدمی قتل ہوئے تھے۔ مسلمانوں کی تلواروں نے انہیں بھی خون میں نہلا دیا تھا۔ لیکن مسیلمہ کے فوجی اور مسلمانوں کے مجاہدین میں بہت فرق تھا۔ مسیلمہ کے فوجی لڑ رہے تھے حسب و نسب اور اپنے قبیلہ کے نام و نمود اور خود مختاری کے لیے۔ اس کے برعکس مسلمان مجاہدین اللہ کی رضا، اعلائے کلمۃ اللہ اور دین حق کی حفاظت کے لیے لڑ رہے تھے۔ جب مقصد کی بلندی ہو تو ارادے اور عزم بھی بلند ہو جاتے ہیں۔ اتنے عزم و ہمت والے جوانوں کے شہید ہونے کے بعد بھی سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا حوصلہ پست نہ ہوا بلکہ اس میں اور بلندی آئی۔ جب خالد رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ مسلمان نہایت جگر داری سے لڑ رہے ہیں اور کچھ بلند ہمت لوگ جام شہادت نوش کر گئے ہیں تو ان کا حوصلہ اور بلند ہو گیا اور انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ضرور فتح و نصرت سے ہم کنار کرے گا۔

خالد رضی اللہ عنہ نے میدان جنگ کی طرف نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ بنو حنیفہ کے لوگ مسیلمہ کو حفاظت کے لیے گھیرے میں لیے کھڑے اور کٹ کٹ کر اس کے گرد مر رہے ہیں لیکن کسی مجاہد کو اس کے قریب آنے نہیں دیتے۔ یہ صورت حال دیکھ کر خالد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کسی صورت مسیلمہ کو قتل کرنا چاہیے تا کہ اس کے ساتھی منتشر ہوں۔ ادھر مسیلمہ بھی اس صورت حال سے گھبرا گیا کیونکہ اس کے اردگرد کے محافظ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو کر کم ہو رہے تھے اور وہ یہ ہولناک

منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ اب اس نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں خود آنے کا فیصلہ کیا لیکن اسے پھر یہ خیال آیا کہ اگر وہ خالد رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں آیا تو یقیناً مارا جائے گا اور اس کی فوج ہزیمت سے ہم کنار ہو گی لیکن اب وہ ہر صورت میں اپنی موت اپنی آنکھوں کے سامنے ناچتی ہوئی دیکھ رہا تھا۔ وہ اسی گھبراہٹ اور غور وفکر کے عالم میں کھڑا تھا کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے ''وا محمداہ'' کا نعرہ لگایا اور مسیلمہ کے دستہ خاص پر حملہ کر دیا۔ اس کے محافظ اپنی جان پر کھیل گئے۔ لیکن سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا حملہ ایک فیصلہ کن حملہ تھا۔ مسیلمہ کی فوج کا ایک ایک جان باز سربکف ہو کر آگے بڑھتا تھا چند لمحوں میں اس کی لاش خاک وخون میں تڑپ کر رہ جاتی تھی۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا حملہ اتنا سخت تھا کہ مسیلمہ کے لیے راہِ فرار اختیار کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ رہا۔ مسیلمہ کے سپاہیوں نے جب اس کی یہ حالت دیکھی تو ان میں سے ایک شخص نے للکار کر کہا: ''مسیلمہ! تمہارے وہ وعدے کہاں گئے کہ تم ہم سے کہا کرتے تھے کہ فتح وظفر ہر حال میں تمہاری ہو گی۔'' لیکن یہ للکار کوئی فائدہ نہ پہنچا سکی اس سے مسیلمہ کے بھاگتے ہوئے قدم نہ رک سکے کیونکہ اس کا حوصلہ دم توڑ چکا تھا اور اس کی گھبراہٹ اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ چنانچہ اس نے منہ پھیر کر راہ فرار اختیار کرتے ہوئے لوگوں سے کہا: ''اپنے حسب ونسبت کی حفاظت اور مدافعت کے لیے لڑتے رہو، لیکن جب امیر لشکر خود بھاگ رہا ہو تو پھر نہ اس کی بات میں کچھ اثر رہتا ہے اور نہ ہی وہ اپنی فوج کو ثابت قدم رکھ سکتا ہے۔ جب قائد کے پاؤں اکھڑے تو اب اس کی فوج کے پاؤں بھی اکھڑ گئے۔ اب فوج کو یہ بھی پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ بھاگ کر جائے کہاں؟ ذرا فاصلے پر ایک باغ تھا جس کی چاردیواری محفوظ تھی۔ بنو حنیفہ کے ایک سردار محکم بن طفیل نے فوج کی حالت کو دیکھ کر کہا: ''بنو حنیفہ! باغ، باغ'' باغ کو عربی میں حدیقہ کہتے ہیں۔ یہ باغ دراصل مسیلمہ کا قلعہ تھا اور میدان جنگ کے بالکل قریب تھا اور اس کے چاروں طرف اونچی اونچی قلعہ نما دیواریں تھیں۔ مسیلمہ چونکہ اپنے آپ کو ''رحمٰن الیمامہ'' کہتا تھا، اس لیے اس نے اس باغ کا نام ''حدیقۃ الرحمٰن'' رکھا ہوا تھا۔ اپنے سردار محکم کی پکار سن کر مسیلمہ کی فوج نے باغ کا رخ کیا لیکن مسیلمہ اپنی فوج سے پہلے ہی بھاگ کر باغ میں داخل ہو گیا تھا۔ محکم بن طفیل جو مسیلمہ کی فوج کا ایک نہایت بہادر، جرأت مند اور جان باز سپاہی تھا، مسلمانوں کو باغ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے بڑی جواں مردی سے ان کا مقابلہ کر رہا تھا۔ آخر سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کا ایک تیر محکم کے سینہ میں پیوست ہو گیا اور اس کی زندگی کا جام لبریز

ہو گیا لیکن مسیلمہ اور اس کی فوج اس باغ میں قلعہ بند ہو گئی۔

مسلمانوں نے باغ کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمانوں نے باغ کے ارد گرد گھوم پھر کر دیکھا کہ شاید اندر جانے کا کوئی راستہ مل جائے لیکن انہیں کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ آخر کار مسلمانوں کی فوج کے ایک نہایت جرأت مند اور بہادر شخص سیدنا براء بن مالک رضی اللہ عنہ جو سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے، نے مسلمانوں سے کہا کہ مجھے اٹھا کر دروازے کے قریب دیوار کے اوپر سے باغ میں پھینک دیا جائے، اس طرح سے وہ فوراً اندر سے دروازہ کھول دیں گے لیکن مسلمانوں نے اپنے ایک بہادر ساتھی کو اس طرح دشمن کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ سیدنا براء بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنی اس بات پر بہت اصرار کیا تو مسلمانوں نے اللہ کا نام لے کر ان کو اٹھا کر باغ کی دیوار پر چڑھا دیا۔ دیوار پر کھڑے ہو کر انہوں نے دیکھا کہ دشمن کی بہت بڑی مسلح فوج باغ میں بیٹھی ہے۔ پہلے تو وہ کچھ گھبرائے، پھر دروازہ کے قریب سے باغ میں کود پڑے۔ انہیں دیکھتے ہی مسیلمہ کے فوجی ان کی طرف دوڑے لیکن وہ لڑتے لڑتے اور گرتے پڑتے دروازہ تک پہنچ گئے اور نہایت تیزی کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلنا تھا کہ مسلمان باغ کے اندر گھس آئے اور نہایت شدید جنگ شروع ہو گئی۔ گویا کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ مسیلمہ کے فوجی حوصلہ تو پہلے ہی ہار چکے تھے اور اب وہ صرف دفاعی پوزیشن میں تھے اور مسلمان جارحانہ پوزیشن میں۔

باغ میں صرف بنو حنیفہ کے لوگ ہی قتل نہ ہوئے تھے مسلمانوں کے بھی بہت سے جانباز اور بہادر سپاہی شہید ہوئے۔ مسیلمہ کے فوجی باغ میں بھی نہایت بہادری سے لڑے لیکن مسیلمہ سمیت بہت سے فوجی مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ مسلمان جو اس جنگ یمامہ میں شہید ہوئے ان کی تعداد اور جنگوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی۔ جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو حفاظ اور قراء تھے، مرتبہ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ مسیلمہ کے قتل کے بارے میں دو روایات ہیں۔ ایک یہ کہ وہ قاتل سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ وحشی کے ہاتھوں قتل ہوا اور دوسری روایت یہ ہے کہ اس کو ایک انصاری نے قتل کیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ مسیلمہ کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ بہر حال مسیلمہ کو جس نے بھی قتل کیا، جونہی وہ قتل ہوا اس کی فوج کے حوصلے اور پست ہو گئے۔ چنانچہ اب تک مسلمانوں نے جتنی جنگیں لڑی تھیں، سب سے زیادہ قتل وخون اسی جنگ میں ہوا۔ اور اس حدیقۃ الرحمٰن کا نام ''حدیقۃ الموت'' پڑ گیا۔

طبری کی روایت کے مطابق اس جنگ میں مسیلمہ کے بارہ ہزار فوجی قتل ہوئے اور

کافی تعداد میں بھاگ بھی گئے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اس فتح سے بہت خوش تھے۔ چنانچہ وہ فارغ ہو کر اپنے خیمہ میں گئے اور وہاں سے مجاعہ بن مرارہ کو لے کر آئے جس کو اپنی اہلیہ لیلیٰ ام تمیم کی نگرانی میں رکھا ہوا تھا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الحرب النفسیہ، احمد نوفل: ص ۱۴۴۔۱۴۵، فی ادارۃ المعرکہ، محمد فرخ: ص ۱۳۸۔۱۴۰، حرکۃ الردۃ للعتوم: ۱۹۹۔۲۰۰، البدایہ والنہایہ: ۶/ ۳۲۸، ۳۲۹، حروب الردۃ، شوقۃ ابوخلیل: ص ۹۲، طبری: ۲/ ۵۰۴۔۵۱۹، ابن اثیر: ۲/ ۲۷۲)

## مسیلمہ کے قلعوں کا محاصرہ:

حدیقۃ الموت کی جنگ مسیلمہ کی موت کے ساتھ ختم ہو گئی، لیکن مسیلمہ کے بے شمار فوجی مسلمانوں کی تلواروں سے بچنے کے لیے بھاگ گئے اور بنو حنیفہ کے قلعوں میں جا کر قلعہ بند ہو گئے۔ چنانچہ سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اب جلد از جلد بنو حنیفہ کے دوسرے قلعوں کا محاصرہ کر لیا جائے تا کہ مسیلمہ کے بھاگے ہوئے فوجی کوئی نیا فتنہ برپا نہ کر دیں، لہٰذا ان کا جلد از جلد قلع قمع کرنا ضروری ہے۔

مجاعہ بن مرارہ اب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا قابل اعتماد مشیر بن گیا تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اس نے لیلیٰ ام تمیم کو حملہ آوروں سے بچایا تھا جو اس کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اس نے مسیلمہ کے بارے میں کچھ خاص باتیں انہیں بتائی تھیں جن سے مستقبل میں بہت فائدہ ہوا۔ جب مسلمان فوج مسیلمہ کے قلعوں کا محاصرہ کیے ہوئے تھی تو مجاعہ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حدیقۃ الموت میں مسلمانوں نے بنو حنیفہ کے لوگوں کو شکست دے دی ہے اور مسیلمہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے لیکن مسیلمہ کے ساتھ جو لوگ آئے تھے وہ کچھ جلد باز ثابت ہوئے وگرنہ بنو حنیفہ کے بہادروں اور جنگ جو لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد تو ابھی یمامہ کے قلعوں میں موجود ہے۔ یہ بہت سخت جان لوگ ہیں اور کسی بھی وقت قلعوں سے باہر نکل کر مسلمانوں کو بہت سخت نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اگر آپ لڑائی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو کچھ دیر کے لیے مجھے یمامہ میں جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں تا کہ میں ان سے مصالحت کی بات کر سکوں۔ اس کی یہ بات دراصل ایک دھوکہ اور فریب تھی۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی فوج مسلسل جنگ سے تنگ آ چکی تھی اور یہ جنگ تو ویسے بڑی

ہولناک اور خون ریز ثابت ہوئی۔ اس میں مسلمان فوج کا اتنا نقصان ہوا تھا جو اس سے پہلے کبھی کسی جنگ میں نہیں ہوا تھا۔ اس وجہ سے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا بھی یہی خیال تھا کہ تمام فساد کی جڑ مسیلمہ تو قتل ہو چکا ہے لہٰذا اب جنگ کا سلسلہ آگے نہ بڑھایا جائے، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ مجاعہ کی مصالحت کی تجویز مان لی جائے۔ چنانچہ مجاعہ کو قلعوں میں بیٹھی ہوئی فوج سے مصالحت کرنے کے لیے بھیجا گیا، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا گیا کہ اگر بنو حنیفہ مصالحت کے لیے یہ شرط پیش کریں کہ انہیں غلام نہ بنایا جائے تو یہ شرط ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔ مجاعہ شہر میں داخل ہوا تو وہ حیران و ششدر رہ گیا کہ پورے شہر میں ایک ہو کا عالم طاری ہے۔ جہاں کبھی نوجوانوں کی ٹولیوں کی ٹولیاں بیٹھی رہتی تھیں وہاں سوائے عورتوں اور بوڑھے مردوں کے اور کوئی نہ تھا، اور وہ بھی اپنے گھروں میں سہمے بیٹھے تھے۔ تمام نوجوان قتل ہو چکے تھے یا پھر حدیقۃ الموت سے بھاگ کر دور و نزدیک کی بستیوں میں چھپ کر بیٹھ گئے تھے۔ مجاعہ شہر کی یہ ویرانی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے عورتوں اور بوڑھے مردوں سے کہا کہ وہ زرہیں پہن کر اور اسلحہ سے مسلح ہو کر شہر کی فصیل پر آ جائیں تاکہ مسلمان انہیں دیکھ کر یہ سمجھیں کہ شہر میں مسیلمہ کے فوجیوں کی تعداد ابھی بھی بہت زیادہ ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم مسلمانوں سے زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ سب عورتوں اور بوڑھوں نے مجاعہ کی اس بات پر عمل کیا اور زرہیں پہن کر اور ہاتھوں میں نیزے اور تلواریں لے کر شہر کی فصیل پر بیٹھ گئے۔ مسلمان فوج جب شہر میں داخل ہوئی تو وہ یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئی اور انہیں مجاعہ کی بات کا یقین ہو گیا حالانکہ مجاعہ نے ان سے دھوکا کیا تھا۔ مجاعہ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میری قوم آپ کی پیش کردہ شرائط پر صلح کے لیے تیار نہیں۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے مجاعہ سے کہا کہ ہم آدھا مال و اسباب اور آدھے مزروعہ باغات اور آدھے قیدی چھوڑنے کے لیے تیار ہیں۔ تم اپنی قوم کو سمجھاؤ۔ مجاعہ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آ کر کہنے لگا یہ لوگ آدھے مال و اسباب وغیرہ پر راضی نہیں۔ البتہ تین چوتھائی مال اگر آپ چھوڑ دیں تو ان پر میں انہیں راضی کر لوں گا اور وہ آپ لوگوں سے صلح کر لیں گے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے مجاعہ کی شرط مان لی اور فریقین میں صلح نامہ تحریر ہو گیا۔ صلح کے بعد سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اور مسلمان جب شہر میں داخل ہوئے تو انہیں پتہ چلا کہ مجاعہ نے ان سے دھوکا کیا ہے۔ شہر میں ایک بھی جوان مرد نہ تھا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے مجاعہ سے کہا: ''تم نے مجھ سے دھوکا اور فریب کیا ہے۔'' مجاعہ نے کہا: ''اگر میں ایسا فریب نہ کرتا تو میری قوم جو پہلے ہی سے آپ لوگوں

کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو چکی تھی بالکل ختم ہو جاتی۔ مجھ پر اپنی قوم کو بچانا ضروری تھا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو اگر چہ مجاعہ پر بہت غصہ تھا لیکن انہوں نے دھوکا کے باوجود صلح نامہ برقرار رکھا اور مجاعہ کو کچھ نہ کہا۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ تو جنگی معاملات میں نہایت سخت مزاج واقع ہوئے تھے، میدان میں اتر کر تو وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے، وہ مجاعہ بن مرارہ کے دھوکہ میں کیسے آ گئے، اور بنو حنیفہ کے ہزاروں آدمی قتل کر دیئے اور ان پر فتح اور غلبہ حاصل کرنے کے بعد انہوں نے اس انداز سے صلح کرنے اور انہیں مراعات دینے کا اعلان کیوں کیا؟ جواب یہ ہے کہ مسلمان فوج مسلسل جنگ کی وجہ سے کچھ تھک گئی تھی۔ اس وجہ سے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بنو حنیفہ سے صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے، اور مجاعہ نے اپنی قوم کی حمایت کرتے ہوئے دھوکہ دہی سے کچھ زیادہ مراعات حاصل کر لیں، لیکن چونکہ صلح نامہ تحریر ہو چکا تھا اس وجہ سے اس کی خلاف ورزی نہ کی گئی، لیکن ایک لحاظ سے یہ اچھا ہی ہوا، اور وہ یہ کہ چند ہی دنوں میں وہ سارے لوگ جن کے ساتھ صلح کی گئی تھی، جلد ہی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق کہ یہ لوگ جو قتل سے بچ گئے وہ سب مسلمان ہو گئے۔

(خلافۃ ابی بکر: ص ۱۱۵، الصدیق الاول الخلفاء: ص ۱۱۰، ابن اثیر: ۶/ ۳۸، حروب الردۃ شوقی ابو خلیل: ص ۹۷، حروب الردۃ: ص ۹۷، البدایہ والنہایہ: ۶/ ۳۲۵)

## جنگ یمامہ میں شہید ہونے والے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم:

جنگ یمامہ میں اتنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے جو اس سے قبل کسی جنگ میں شہید نہیں ہوئے تھے۔ گویا اتنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عقیدۂ تحفظ ختم نبوت کے لیے اپنی جانیں قربان کیں اور مستقبل میں آنے والے مسلمانوں کو یہ پیغام دیا کہ عقیدہ ختم نبوت نہایت اہم ہے اور اس کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا ایک حقیر نذرانہ ہے۔ انہوں نے یہ بھی پیغام دیا۔

نماز اچھی، روزہ اچھا، حج اچھا، زکوٰۃ اچھی
مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ یثرب کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

ان جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں

## ① ثابت بن قیس بن شماس انصاری رضی اللہ عنہ:

ان کی کنیت ابو عقیل تھی اور یہ پہلے شخص ہیں جو جنگ یمامہ میں زخمی ہوئے ان کو دونوں مونڈھوں اور دل کے درمیان ایک تیر آ کر لگا جس سے یہ شدید زخمی ہو گئے۔ ان کی بائیں جانب بیکار ہوگئی۔ ان کو پکڑ کر اسلامی لشکر میں لایا گیا۔ جب زور کا رن پڑا اور مسلمان پسپا ہو کر اپنے خیموں تک آ گئے تو سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ نے معن بن عدی رضی اللہ عنہ کی للکار سنی جو انصار کو پکار رہے تھے کہ دشمن پر بگولے کی طرح پل پڑو۔ یہ الفاظ دے کر معن بن عدی رضی اللہ عنہ تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ دشمن پر عقاب کی طرح جھپٹے، لیکن ان کی آواز پر ابو عقیل اٹھے اور اپنے قبیلہ کو آواز دی۔ بعض مسلمانوں نے انہیں کہا: ''ابو عقیل! آپ کو جنگ کے لیے نہیں پکارا گیا بلکہ انصار کو حملہ کرنے کی آواز دی گئی تھی۔ ابو عقیل نے کہا: ''میں بھی انصار میں سے ہوں اور میں اس آواز کا جواب دوں گا خواہ رینگتے ہوئے ہی میدان جنگ میں کیوں نہ جاؤں۔ چنانچہ ابو عقیل رضی اللہ عنہ نے اپنے دائیں ہاتھ میں تلوار پکڑی پھر انصار کو آواز دی کہ جنگ حنین کی طرح دشمن پر جھپٹو۔'' چنانچہ انصار ان کے اردگرد اس جذبہ کے ساتھ اکٹھے ہو گئے کہ آج یا تخت یا تختہ یعنی یا فتح یا پھر شہادت۔ اسی جذبہ کے ساتھ دشمن پر حملہ کیا یہاں تک کہ دشمن کو حدیقۃ الموت میں گھسنے پر مجبور کر دیا۔ اسی گھمسان میں ابو عقیل رضی اللہ عنہ کا شانہ کٹ گیا، اور اس کے علاوہ انہیں چودہ شدید زخم آئے اور وہ زمین پر گر پڑے۔ اتنے میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا وہاں سے گزر ہوا اس وقت ابو عقیل نزع کی حالت میں تھے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے آواز دی: ''ابو عقیل!'' لڑکھڑائی ہوئی زبان سے جواب دیا: ''لبیک'' میں حاضر ہوں۔ پھر پوچھا: ''کون ہے؟'' سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''بشارت ہے کہ اللہ کا دشمن (مسیلمہ) مارا گیا۔ ابو عقیل رضی اللہ عنہ نے اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر اللہ کی حمد وثناء کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں فرمایا: ''اللہ ان پر رحم فرمائے، ہمیشہ شہادت کے خواہش مند رہے بالآخر شہادت پالی، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر اور نہایت نیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔ (حروب الردۃ: ص۹۳۔۹۴، الاکتفاء: ۲/۱۳)

## ② زید بن خطاب رضی اللہ عنہ:

یہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے باپ کی طرف سے بھائی تھے اور عمر میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

سے بڑے تھے۔ یہ بدر اور بعد کی جنگوں میں بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود رہے۔ مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی معن بن عدی انصاری رضی اللہ عنہ سے اخوت کا رشتہ جوڑا لیکن اللہ کی قدرت یہ دونوں جنگ یمامہ میں درجۂ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ مہاجرین کا علم اس روز ان کے ہاتھ میں تھا۔ آپ نے اپنے شہید ہونے تک اس علم کو اٹھائے رکھا۔ ان کی شہادت پر جب یہ علم گرنے لگا تو سیدنا سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس کو پکڑ لیا۔ سیدنا زید بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس روز رجال بن عنفوہ کو موت کے گھاٹ اتارا جو مسیلمہ سے بھی بڑا فتنہ تھا۔ اور جس شخص نے سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا اس کو ابو مریم الحنفی کہتے تھے۔ وہ بعد میں حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ اس نے ایک روز امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''امیر المومنین! بے شک اللہ تعالیٰ نے زید کو میرے ہاتھ سے شہادت کی عزت بخشی لیکن مجھے اس کے ہاتھ سے ذلیل نہیں کیا یعنی اگر میں مارا جاتا تو جہنم میں جاتا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب اپنے بھائی زید کی شہادت کی خبر پہنچی تو فرمایا: ''زید رضی اللہ عنہ مجھ سے دونوں طرف سے سبقت لے گیا۔ اسلام بھی مجھ سے پہلے لایا اور شہادت بھی مجھ سے پہلے حاصل کی۔

اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے متمم بن نویرہ سے فرمایا تھا جب اس نے دو مرتبہ آپ کو وہ مرثیہ سنایا جو اس نے اپنے بھائی مالک بن نویرہ کی موت پر لکھا تھا۔ ''اگر مجھے اچھا کہنا آتا تو میں بھی اپنے بھائی زید رضی اللہ عنہ کا اسی طرح کا مرثیہ کہتا جیسا تو نے کہا ہے۔'' متمم بن نویرہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر میرا بھائی اس طرح مرتا جس طرح آپ کا بھائی شہید ہوا ہے تو میں اس پر کوئی حزن و غم نہ کرتا۔'' یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''متمم! جیسی تو نے میرے ساتھ میرے بھائی کی تعزیت کی ہے ایسی تعزیت کبھی کسی نے نہیں کی۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۷۵، استیعاب: ۱/ ۱۹۱)

لیکن اس کے ساتھ ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''جب بھی باد صبا چلتی ہے مجھے زید رضی اللہ عنہ کی یاد دلاتی ہے یعنی میں اس کو ساری عمر نہیں بھول سکا۔

(البدایہ والنہایہ: ۶/ ۳۳۹۔۳۴۰، اسد الغابہ: ۲/ ۲۲۷)

## ③ معن بن عدی البلوی رضی اللہ عنہ:

معن بن عدی رضی اللہ عنہ بیعت عقبہ میں بھی شامل تھے اور بدر، احد، احزاب اور دوسرے تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حصہ لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سیدنا زید

بن خطاب رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا۔ لیکن اللہ کی قدرت کہ دونوں حضرات ہی جنگ یمامہ میں درجہ شہادت سے فائز ہوئے۔ جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی وفات پر روتے تھے اور اکثر و بیشتر یہ کہتے ہوئے سنے گئے کہ کاش ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اس دنیا سے چلے گئے ہوتے تاکہ ایک تو ہمیں ان کی وفات کا صدمہ نہ دیکھنا پڑتا اور دوسرے ہم آپ کے بعد کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ لیکن سیدنا معن بن عدی رضی اللہ عنہ یہ فرماتے: ''مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مرنا پسند نہیں تاکہ میں آپ کی وفات کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی طرح تصدیق کروں جس طرح آپ کی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی تصدیق کی تھی۔

(البدایہ والنہایہ: ۶/۳۴۳۔۳۴۴)

## (۴) عبداللہ بن سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ:

عبداللہ رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام تھے لیکن باپ نے انہیں مکہ میں روکا ہوا تھا اور ان پر بڑی سختیاں کرتا تھا۔ جنگ بدر کے موقع پر یہ قریش مکہ کے ساتھ آئے۔ جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو یہ بھاگ کر مسلمانوں کی فوج میں شامل ہو گئے اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر قریش سے جنگ کی۔ جنگ یمامہ میں یہ بھی شہید ہو گئے۔ جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ حج پر تشریف لے گئے تو وہاں ان کے والد سیدنا سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ کی تعزیت کی۔ اس پر سیدنا سہیل رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ شہید اپنے خاندان کے ستر آدمیوں کی شفاعت کرے گا۔ (سنن ابی داؤد، رقم: ۲۵۲۲)

مجھے امید ہے کہ میں بھی ان میں سے ایک ہوں گا۔

(تاریخ الذہبی، الخلفاء الراشدون: ص ۶۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت اہل مکہ میں سے اکثر لوگ ارتداد کی دلدل میں پھنسنے لگے۔ انہوں نے اسلام چھوڑنے کا پکا ارادہ کر لیا یہاں تک کہ گورنر مکہ عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ ان سے ڈر کر روپوش ہو گئے۔ لہٰذا سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ اٹھے۔ اللہ کی حمد و ثناء کی۔ پھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ذکر کیا اور پھر دھمکی آمیز لہجہ میں فرمایا: ''تمہارے ارتداد سے اسلام کی قوت کو تو کوئی نقصان نہیں ہوگا بلکہ اس میں زیادتی ہوگی۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ جس نے ایسا کیا اور

بغاوت وارتداد کا ارادہ کیا اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔ اس دھمکی کے باعث لوگ ارتداد کی دلدل میں جانے سے رک گئے۔ (خلافۃ ابی بکر: ص ۸۶)

## ⑤ سیدنا ابو دجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ:

یہ بھی بہت بہادر اور جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔ جنگ احد میں انہوں نے ایک لال پٹی باندھی ہوئی تھی اور جدھر جاتے کافروں پر باز کی طرح جھپٹتے۔ اور کئی کافروں کو ٹھکانے لگایا۔ اس روز انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر موت پر بیعت کی ہوئی تھی۔ مسیلمہ کے قتل میں ایک یہ بھی شریک تھے اور پھر اسی روز یہ خود بھی شہید ہو گئے سیدنا زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا وہ اس وقت مریض تھے لیکن ان کا چہرہ چمک رہا تھا۔ ان سے ان کے اس چہرے کی چمک کا سبب پوچھا گیا؟ فرمایا: ''میرے دو کام بہت اچھے اور مضبوط ہیں۔ ایک یہ کہ میں نے کبھی لایعنی بات نہیں کی اور دوسرا یہ کہ میرا دل ہر مسلمان کے بارے میں صاف اور سلیم ہے۔ یمامہ کی جنگ میں سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ بہادر مسلمانوں میں سے تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو حدیقۃ الموت میں پھینکا، اس سے ان کا ایک پاؤں ٹوٹ گیا لیکن یہ اس ٹوٹے ہوئے پاؤں کے ساتھ ہی لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔
(عہد الخلفاء الراشدین للذہبی: ص ۷۰۔۷۱)

## ⑥ عباد بن بشر رضی اللہ عنہ:

یہ انصار کے فضلاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔ صرف ۴۵ سال زندگی پائی۔ ایک رات یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اپنے گھر جا رہے تھے تو رات کو ان کا چہرہ چمک اٹھا کیونکہ رات اندھیری تھی۔ (بخاری، رقم: ۳۸۰۵) یہ کعب بن اشرف یہودی کے قاتلوں میں سے بھی تھے۔ (بخاری، رقم: ۴۰۳۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بنو مزینہ، بنو سلیم اور جنگ تبوک میں اپنی حفاظت پر مقرر فرمایا تھا۔ جنگ یمامہ میں انہوں نے بہت کارنامے کیے کیونکہ یہ نہایت جرأت مند اور بہادر تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انصار میں سے تین حضرات علم و فضل میں اپنی مثال آپ تھے اور یہ تینوں بنی عبد الاشہل میں سے تھے۔ وہ تھے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، سیدنا

اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عباد بن بشر رضی اللہ عنہ۔ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی فرماتی ہیں کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرے میں تہجد کے لیے اٹھے۔ انہوں نے سیدنا عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عائشہ! کیا یہ عباد بن بشر کی آواز ہے؟ میں نے عرض کی: ''ہاں، یارسول اللہ!'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اللهم اغفر له))

''اے اللہ! اس کی مغفرت فرمادے۔'' (بخاری معلقاً، رقم: ۲۶۵۵)

عباد رضی اللہ عنہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں ''میں نے عباد کو یہ کہتے ہوئے سنا جب ہم بزاخہ کی جنگ سے فارغ ہوئے، اے ابوسعید! رات میں نے خواب دیکھا ہے کہ آسمان میرے لیے کھل گیا ہے، پھر وہ میرے اوپر بند ہو گیا۔ انشاء اللہ یہ شہادت کی نوید ہے۔ میں نے کہا کہ تم نے ایک اچھا خواب دیکھا ہے۔ (طبقات ابن سعد: ۲/۲۳۴)

جنگ یمامہ کے روز آپ ایک اونچی جگہ پر کھڑے تھے کہ اونچی آواز سے انصار کو آواز دی: ''اے انصار! میری طرف آؤ۔ انصار نے ان کی آواز کا جواب اثبات میں دیا اور وہ سب ان کے گرد جمع ہو گئے اور لبیک لبیک کہنے لگے۔ پھر انہوں نے اپنی تلوار کے نیام کو توڑا اور تمام انصار نے بھی اپنی تلواروں کے نیاموں کو توڑ کر تلواروں کو برہنہ کر دیا اور بنو حنیفہ پر ٹوٹ پڑے یہاں تک کہ انہیں پسپا کر کے حدیقۃ الموت میں محصور کر دیا۔ یہ اپنی زرہ حدیقہ کے دروازے پر رکھ کر اور تلوار سونت کر دشمن پر ٹوٹ پڑے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ شہادت کے وقت ان کی عمر ۴۵ سال تھی۔ جسم پر بہت زخم آئے کہ پہچانے نہیں جاتے تھے، بالآخر ایک علامت سے پہچانے گئے۔ رضی اللہ عنہ۔ (الاکتفاء للکلاعی: ۳/۵۳)

عباد بن بشر رضی اللہ عنہ اپنی بہادری اور شجاعت کے باعث جنگ یمامہ میں ضرب المثل ہو گئے۔ (الانصار فی العہد الراشدی: ص ۱۸۶، الاکتفاء: ۳/۵۳)

## فریقین کا جانی نقصان:

اس جنگ میں دونوں فریقوں کا ان کی توقع سے بڑھ کر نقصان ہوا۔ اس جنگ میں بنو حنیفہ کے سات ہزار آدمی میدان جنگ میں قتل ہوئے اور سات ہزار ہی حدیقۃ الموت میں

کام آئے، اور پھر جنگ ختم ہونے کے بعد اردگرد کی بستیوں میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے بنو حنیفہ کے تعاقب میں اپنے فوجیوں کو بھیجا تو سات ہزار کے لگ بھگ ان کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ اس طرح بنو حنیفہ کے قریباً ۲۱ ہزار آدمی لقمۂ اجل بنے۔ پھر ان سے مسلمانوں کے ساتھ صلح کے نتیجہ میں سونا، چاندی اور مزروعہ اور غیر مزروعہ زمینوں کی شکل میں بے شمار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ اس جنگ کے بعد بنو حنیفہ کے ان تمام لوگوں نے جو زندہ بچ گئے تھے، سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ارتداد سے خلوص دل سے توبہ کی اور اسلام قبول کیا۔

مسلمانوں کے شہداء کی تعداد مؤرخین کے بیان کے مطابق کچھ یوں ہے:

مہاجرین ۳۷۰، انصار مع دیگر قبائل ۳۰۰، حفاظ قرآن اور اکابر صحابہ ۳۷۰، دیگر حضرات ۱۸۰۔ کل تعداد بارہ سو۔ اس جنگ میں حفاظ قرآن کی شہادت مسلمانوں کے لیے نہایت تکلیف کا باعث تھی۔ تاہم مستقبل میں یہ اس طرح بہت ہی فائدہ مند ثابت ہوئی کہ قرآن حکیم کی جمع و ترتیب کا باعث بنی اور قرآن حکیم ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا۔

اسلامی فوج جب فتح و نصرت کا پھریرا اڑاتی ہوئی مدینہ منورہ میں داخل ہوئی تو مدینہ کا گوشہ گوشہ مرحبا و آفرین کے نعروں اور حمد و ثناء کے نغموں سے گونج اٹھا۔ اس فتح و کامرانی پر سب سے زیادہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خوش ہونے کا حق تھا، لیکن سب سے زیادہ غمگین وہ تھے کیونکہ بارہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ان کے لیے ایک بہت بڑا المیہ تھا۔ اس وجہ سے ان کا رنج اور ملال سب سے زیادہ تھا۔

## سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو سرزنش:

جنگ یمامہ کے صلح نامہ کے بعد سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے مجاعہ بن مرارہ کو علیحدگی میں بلایا اور اس سے اس کی بیٹی کا رشتہ طلب کیا۔ مجاعہ کو علم تھا کہ لیلیٰ ام تمیم سے شادی کرنے کے بعد سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انہیں مدینہ بلا کر ناراضگی کا اظہار فرمایا تھا، اس لیے اس نے اپنی بیٹی کا رشتہ دینے سے معذوری ظاہر کی۔ لیکن سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا اور مجاعہ نے اپنی بیٹی کی شادی کا پیغام قبول کر لیا لیکن کہا کہ کچھ روز ٹھہر جائیں تاکہ جنگ کے زخم مندمل ہو جائیں اور ماتم کی صفیں اٹھ جائیں لیکن سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نہ مانے اور شادی ہو گئی۔ مجاعہ کی اس لڑکی کے حسن و جمال کی سارے

یمامہ میں دھوم تھی۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی فوج کے مہاجر اور انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو اپنے جلیل القدر ساتھیوں کی شہادت سے سوگوار بیٹھے تھے اور جن کے کیمپ کے ہزاروں زخمی درد سے کراہ رہے تھے، انہوں نے اس شادی کو ناپسند کیا اور اس کی شکایت دربار خلافت میں کر دی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اس خبر سے نہایت آزردہ ہوئے اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا:

''مادر خالد کے فرزند! تم بڑے بے صبرے ہو، عورتوں سے شادی بیاہ رچارتے ہو حالانکہ تمہارے دروازے پر بارہ سو مسلمانوں کا خون خشک بھی نہیں ہونے پایا۔ پھر مجاعہ نے دھوکہ دے کر صحیح طریق سے تم کو باز رکھا اور اپنی قوم بنوحنیفہ کی طرف صلح کی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے پوری طرح تمہارے بس میں کر دیا تھا۔'' (طبری:۲/۵۱۹)

یعقوبی نے جو الفاظ نقل کیے ہیں ان میں ہے کہ تم عورتوں سے ہم صحبت ہوتے ہو حالانکہ تمہارے خیمہ کی طنابوں کے باہر مسلمانوں کا خون رواں ہوتا ہے۔ (یعقوبی:۲/۱۳۲)

جب یہ خط سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ملا تو وہ جھلا گئے کہ یہ سب عمر رضی اللہ عنہ کا کیا دھرا ہے۔ پھر آپ نے اس خط کے جواب میں لکھا:

''میری جان کی قسم! میں نے اس وقت تک شادی نہیں کی جب تک کہ فتح و کامرانی کی مسرت اور خوشی پوری طرح مجھے حاصل نہ ہو گئی اور کیمپ سے نکل کر گھر کے ماحول میں منتقل نہ ہو گیا۔ میں نے ایسے شخص سے رشتہ جوڑا ہے جس کے پاس اگر مدینہ سے شادی کا پیغام دینے مجھے آنا پڑتا تو میں پرواہ نہ کرتا۔ آپ کی یہ شکایت کہ میں نے اپنی فوج کے شہیدوں کا حق ماتم ادا نہیں کیا تو بخدا! ان کی موت پر مجھے بے پایاں صدمہ ہوا، اور اگر کسی کا غم زندوں کو بقید حیات رکھ سکتا ہے اور کسی کا ماتم مردوں کو بقید حیات لا سکتا ہے تو میرا غم اور ماتم ضرور یہ اثر دکھائے۔ آپ یقین فرمائیں، شوق شہادت مجھے ایسے ایسے خطروں میں لے گیا جہاں بچنے کی امید نہ رہی تھی اور موت کا یقین ہو گیا تھا۔ آپ کا یہ فرمانا کہ مجاعہ نے دھوکہ دے کر مجھے صحیح طریق سے باز رکھا، تو عرض یہ ہے کہ میں نے اس موقع پر اپنی رائے غلط نہیں سمجھی۔ مجھے غیب کا علم بھی نہ تھا جو مجاعہ کے دھوکہ کو پہلے معلوم کر لیتا۔ اس صلح نامہ سے بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فائدہ پہنچایا۔ ان کو (بنو حنیفہ کی) زمین کا وارث بنایا اور ان کو اہل تقویٰ کے انعامات عطا کیے۔''

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا یہ خط سیدنا ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ لے کر مدینہ آئے۔ اس خط کو پڑھ کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا غصہ کچھ ٹھنڈا ہوا لیکن سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور زیادہ مشتعل ہوئے اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ اشتعال انگیز الفاظ کہے۔ سیدنا ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا تو انہوں نے کھڑے ہو کر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی حمایت میں ایک زوردار تقریر کی جس سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا غبار خاطر کافی کم ہو گیا۔

جنگ یمامہ کے اختتام کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اب اپنے اپ کو بہت ہی مطمئن پانے لگے اور دارالخلافہ کے مسلمانوں میں بھی اب کوئی اضطراب نہ رہا۔ اس لیے جنگ یمامہ سے فارغ ہو کر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اپنی دونوں بیویوں (مجاعہ کی بیٹی اور لیلیٰ ام تمیم) کے ساتھ یمامہ کی ایک وادی ''وبر'' میں چلے گئے اور وہاں کچھ روز آرام کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد انہیں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے حکم ملا کہ عراق جا کر ایرانیوں سے نبرد آزما ہوا جائے۔ چنانچہ آپ یہ حکم ملتے ہی عراق روانہ ہو گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ارتداد کے سلسلہ میں جس قدر لڑائیاں ہوئیں ان سب میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ پیش پیش تھے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے مرتدین کی کمر توڑ کر رکھ دی اور اس طریقہ سے وہ اسلام اور مسلمانوں دونوں کی حفاظت کا باعث بنے۔

(الصدیق اول الخلفاء: ص ۱۱۰، الکامل لابن اثیر: ۲/ ۳۸، حروب الردۃ شوقی ابوخلیل: ص ۹۷، الاکتفاء: ۲/ ۱۴، حرکۃ الردۃ، للعتوم: ص ۲۳۳، عبقریۃ خالد (العبقریات الاسلامیہ) ص ۹۲۲، الصدیق ابوبکر: ص ۱۵۷، خالد بن ولید، صادق عرجون: ص ۱۸۰)

## مسلمانوں کی کامیابی کے عوامل:

اس جنگ میں مسیلمہ کی فتح اور کامرانی کے بہت سے عوامل موجود تھے جیسا کہ نہار الرجال کی شہادت کے مطابق مسیلمہ کے حواری صدق دل سے اس کی نبوت پر ایمان لائے ہوئے تھے کیونکہ نہار الرجال نے یہ گواہی دی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ کو اپنی نبوت میں شریک کیا ہے۔ پھر بنو حنیفہ کے لوگ اپنے شہروں اور عزت و ناموس کی حفاظت کے لیے جنگ کر رہے تھے جیسے کہ مسیلمہ کے بیٹے شرجیل نے جنگ شروع ہونے سے قبل انہیں مخاطب کر کے کہا تھا۔ بنو حنیفہ کی فتح کا ایک عامل یہ بھی تھا کہ وہ اپنے علاقے اور اس کے راستوں، پہاڑیوں

اور گھائیوں سے بخوبی آشنا تھے جب کہ مسلمان بالکل ناواقف تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ فریق جو کسی علاقے کے چپے چپے سے واقف ہو ناواقف فریق کے مقابلہ میں دل جمعی کے ساتھ لڑ سکتا ہے۔ پھر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے آنے سے قبل یمامہ کی فتح کا کریڈٹ لینے کے لیے سیدنا عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا اور شکست کھائی۔ اس شکست کے بعد بنو حنیفہ کے حوصلے اور ہمتیں بڑھ گئیں۔ اس کے بعد جب انہوں نے آگے بڑھ کر سیدنا شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو بھی شکست دی تو ان کی جرأت و ہمت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ یہی وجہ تھی کہ جب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے ان پر حملہ کیا تو انہوں نے اس کا اس دلیری، جرأت اور ہمت کے ساتھ مقابلہ کیا کہ اگر حق تعالیٰ شانہ کا خاص فضل شامل حال نہ ہوتا تو مسلمانوں کی شکست اور ہزیمت میں کوئی کسر باقی نہ رہ گئی تھی۔ ان عوامل کی موجودگی میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مسیلمہ کی فتح و کامرانی کے اس قدر اسباب وعوامل مجتمع تھے اور مزید برآں اس کا لشکر بھی مسلمانوں کے لشکر سے کئی گنا بڑا تھا تو پھر اس شکست کی کیا وجوہات تھیں اور وہ کیا عوامل تھے جنہوں نے مسلمانوں کو کامیاب و کامران ہونے میں مدد دی۔ ہمارے خیال کے مطابق وہ عوامل مندرجہ ذیل تھے:

① سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا یہ حکم کہ ہر قبیلہ الگ الگ ہو کر جنگ کرے تا کہ معلوم ہو سکے کہ کس قبیلہ نے زیادہ شجاعت اور جواں مردی سے دشمن کا مقابلہ کیا ہے اور کس نے بزدلی دکھائی ہے۔ اس کارروائی کا فوج کے دل پر بڑا اچھا اثر پڑا اور اہل عرب جنہیں اپنی بزدلی اور شرافت، بہادری اور شجاعت پر ہمیشہ ناز تھا، میدان جنگ سے پیچھے ہٹنے کی جرأت نہ کر سکے۔

② لشکروں کے درمیان کھڑے ہو کر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا دعوت مبارزت دینا، گویا آپ ایک شیر کی طرح میدان جنگ میں کھڑے تھے۔ جو شخص بھی آپ کے مقابلہ میں نکلتا تھا وہ زندہ واپس نہیں جا سکتا تھا۔ جب مسلمانوں نے اپنے جرنیل کو اس طرح لڑتے دیکھا تو ان کی ہمتیں جوان اور جرأتیں بلند ہو گئیں اور ان میں ایک ولولہ اور جوش پیدا ہو گیا۔

③ جب مسیلمہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے سامنے آیا تو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے بعض شرائط اس کے سامنے پیش کیں تو مسیلمہ نے اس طرح منہ موڑا جیسے وہ اللہ تعالیٰ سے مشورہ کر رہا ہو۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اس موقع کو غنیمت جانا۔ آپ کو پتہ تھا کہ تمام لشکر کی

جان مسیلمہ ہی ہے۔ اگر وہ مارا گیا تو تمام لشکر کی ہمت پست ہو جائے گی، اس لیے آپ نے فوراً اس پر حملہ کر دیا۔ مسیلمہ بدحواس ہو کر بھاگا۔ اس کو بھاگتا دیکھ کر اس کے سپاہیوں کے بھی پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بھی بھاگنے لگے۔ اور لشکر کے پاؤں جب ایک دفعہ اکھڑ جائیں تو پھر مشکل ہی سے رکتے ہیں۔

④ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخلص لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد تھی، جنہوں نے اپنے آپ کو ہمہ تن اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ ان کی نظروں میں موت ایک نہایت حقیر شے تھی بلکہ شہد سے بھی زیادہ میٹھی شے تھی۔ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی راہ میں جانیں دینے کے لیے بے تاب تھے بلکہ دوسروں کو بھی اس شے کی دعوت دیتے تھے۔ چنانچہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ پکار پکار کر کہہ رہے تھے: "**یا اھل القرآن! زینوا القرآن بالفعال**" اے اہل قرآن! قرآن کو اپنے کارناموں کی بدولت فضیلت دو۔ ایسے ہی سیدنا زید بن خطاب رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پکار پکار کر کہہ رہے تھے۔ ان لوگوں کی بدولت ہی مسلمان فوجی اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھے ہوئے تھے، لہٰذا وہ فتح و کامرانی سے ہم کنار ہوئے۔

⑤ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سلیط رضی اللہ عنہ کو کچھ فوج دے کر مسلمانوں کے عقب کی حفاظت پر مامور فرمایا تھا۔ مسیلمہ کے لشکر سے جنگ کرنے کے دوران مسلمانوں کو پورا اطمینان تھا کہ ان کی پشت بالکل محفوظ ہے اور پیچھے سے دشمن ان پر حملہ نہیں کر سکتا۔ اس طرح ان کی تمام تر توجہ سامنے کی طرف مبذول رہی۔

⑥ جن لوگوں نے مسیلمہ کی مدد صرف قبائلی عصبیت کی وجہ سے کی تھی حالانکہ انہیں اس بات کا پورا یقین تھا کہ مسیلمہ اپنے دعویٰ نبوت میں سراسر جھوٹا ہے چنانچہ مسیلمہ کا موذن اذان میں یہ الفاظ کہتا تھا: "**اشھد ان مسیلمه، یزعم انه رسول الله**" (میں گواہی دیتا ہوں کہ مسیلمہ اپنے آپ کو اللہ کا رسول گمان کرتا ہے۔) اور طلیحہ نمری کہتا تھا:

**اشھد انك كاذب وان محمداً صادق ولكن كذاب ربيعة احب الينا من صادق مضر.**

''میں گواہی دیتا ہوں کہ مسیلمہ جھوٹا ہے اور محمد ﷺ سچے ہیں لیکن قوم ربیعہ کا جھوٹا ہم کو مضر کے صادق سے زیادہ محبوب ہے۔''

اور جو لوگ یقینی طور پر اسے جھوٹا نہیں سمجھتے تھے، کم از کم انہیں اس بارے میں شک ضرور تھا۔ ان کو متزلزل کرنے، ان کے دلوں میں ہیجان پیدا کرنے اور ان کے عزائم میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے یہ شک کافی تھا۔

ان اسباب وعوامل کے باعث سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے لیے کامیابی وکامرانی کی راہ ہموار ہوئی اور مسلمانوں نے قلت تعداد کے باوجود مسیلمہ کے لشکر جرار پر فتح حاصل کر لی اور مسیلمہ کے فتنے کو ہمیشہ کے لیے نیست ونابود کر دیا۔

# ارتداد کی دوسری جنگیں

شمالی عرب کے منکرین زکوٰۃ اور مرتدین اسلام پر جب سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فوجی حملے کر رہے تھے تو ان کے کامیاب حملوں سے وہ لوگ دوبارہ حلقہ بگوش اسلام ہو رہے تھے اور پہلے کی طرح مدینہ میں زکوٰۃ بھیجنے لگے تھے۔ وہ قبائل جو ارتداد اور بغاوت کے فتنے کا شکار ہوئے تھے، ان کا ایک طویل سلسلہ تھا جس کا آغاز شمال مشرقی حصے سے ہوتا تھا اور منتہائے مشرق میں خلیج فارس تک اور وہاں سے نیچے اتر کر مکہ مکرمہ کے جنوب مشرق تک پھیلتا چلا گیا تھا۔ مدینہ کے شمالی علاقے میں جو قبائل فروکش تھے ان کی بغاوت نے اس قدر خطرناک صورت اختیار نہیں کی تھی جس قدر بنو اسد اور بنو حنیفہ کے قبائل نے اختیار کر لی تھی۔ عرب کے جنوبی علاقے کے قبائل کا معاملہ شمالی علاقے کے قبائل سے نہایت مختلف تھا۔ شمالی علاقے کے لوگ جلد ہی راہِ راست پر آ گئے جب کہ جنوبی علاقے کے لوگ کچھ ایسے ضدی مزاج تھے کہ ایک دفعہ جو ارتداد کی راہ اختیار کر لی تو اب اسے ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان ایک طویل عرصے تک جنگ وقتال کے معرکے جاری رہے۔

جنوبی علاقوں کے لوگوں پر کچھ ایرانی حکومت کے بھی اثرات تھے کیونکہ یہ علاقے ایرانی شہنشاہیت کی توجہ کا مرکز تھے کیونکہ یہ علاقے ایران کی سرحد سے ملتے تھے یمن کا علاقہ بھی ایرانی حکومت کی نگرانی میں تھا اور ایران کی طرف سے اس کا حکمران باذان تھا جس کو بعض مؤرخین ''بدھان'' بھی کہتے ہیں۔ اس نے اسلام قبول کر لیا تھا اور سرکار دو عالم ﷺ نے اسے ہی وہاں کا حکمران رہنے دیا تھا۔ بحرین اور عمان کے علاقے بھی ایران کے ماتحت تھے اور ایرانی تہذیب و معاشرت کے اثرات وہاں نفوذ کیے ہوئے تھے۔

بحرین ایک ریگستانی علاقہ تھا جو مدینہ منورہ سے بہت دور تھا۔ اس میں متعدد عرب

قبائل بنو عبدالقیس، بنو بکر بن وائل اور بنو تمیم آباد تھے۔ ان کا سردار ایران کی طرف سے مقرر کیا جاتا تھا۔ گویا اس کی حیثیت ایک گورنر کی ہوتی تھی۔ سرکار دو عالم ﷺ کی دعوت پر منذر اور بحرین کے صدر مقام ''ہجر'' کا گورنر (مرزبان) دونوں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے۔ ان دونوں کے مسلمان ہونے کی وجہ سے یہاں آباد تمام عرب قبائل بھی مسلمان ہو گئے تھے۔ ان علاقوں کے گورنر مدینہ منورہ سے دور ہونے کی وجہ سے سرکار دو عالم ﷺ کی زندگی کے آخری سالوں میں مسلمان ہوئے۔ لہٰذا آپ ﷺ کی وفات کے بعد سب سے پہلے انہی لوگوں نے ارتداد کے دائرے میں قدم رکھا، لیکن جب بنو حنیفہ کا پورا قبیلہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے شکست کھا گیا تو یہ لوگ اب مسلمانوں کے حامی اور مددگار ہو گئے۔ بلکہ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے شکست کھانے کے بعد بنو حنیفہ کے لوگ اپنی زکوٰۃ سیدنا مدینہ منورہ بھیج چکے تھے، لیکن اب جب کہ سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ بحرین جانے کی غرض سے وہاں سے گزرے تو قیس بن عاصم وغیرہ نے دوبارہ اپنے قبیلہ سے زکوٰۃ اکٹھی کر کے سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو پیش کی اور خود بھی ایک بڑی جماعت کے ساتھ ان کی رکاب میں بحرین روانہ ہو گئے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے بحرین سے مراد اس زمانہ میں موجودہ جزیرہ بحرین نہیں تھا بلکہ بحرین کا اطلاق خلیج فارس کی اس ساحلی پٹی پر ہوتا تھا۔ جو عراق سے ڈیلٹا سے موجودہ ریاست قطر کے جنوب مشرق تک پھیلی ہوئی تھی۔

جب یہ لشکر بحرین پہنچا اور حطم کے قریب پڑاؤ ڈالا اور عبدالقیس کو جنہیں مرتدین نے محبوس کر رکھا تھا، پیغام بھجوایا کہ تمہاری امداد اور مرتدین کی سرکوبی کے لیے اسلامی لشکر آ گیا ہے، گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ نے حالات کا جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ غنیم کا لشکر تعداد میں بہت زیادہ ہے اور سامان حرب بھی اس کے پاس بافراط ہے۔ چنانچہ نہایت غور و فکر کے بعد انہوں نے اپنے لشکر کے اردگرد خندق کھدوائی اور خیمے گاڑ لیے۔ غنیم نے بھی خندق کھدوائی۔ دن کے وقت بعض دفعہ مسلمان مرتدین پر حملہ بھی کرتے ہیں لیکن پھر جلد ہی واپس آ جاتے۔ لڑائی کا کیا نتیجہ نکلے گا اس بارے میں کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ آخر ایک رات دشمن کے خیموں کی طرف سے بہت شور و غل کی آواز آئی۔ معلوم ہوا کہ دشمن کے فوجیوں نے بے انتہا شراب پی رکھی ہے اور وہ نشہ کی حالت میں دنیا سے بے خبر خوش فعلیاں کر رہے ہیں۔ سیدنا علاء رضی اللہ عنہ نے اس موقع کو غنیمت جانا اور مسلمان فوج کی ایک اچھی خاصی تعداد نے خندق عبور

کر کے دشمن پر زبردست حملہ کر دیا۔ دشمن کی فوج اس اچانک حملے سے بدحواس ہو گئی۔ بہت سے آدمی قتل کر دیئے گئے۔ ایک اچھی خاصی تعداد بھاگنے کی کوشش میں خندق میں گر پڑی اور ایک کثیر تعداد قیدی بنا لی گئی۔ ایک جگہ بنوحنیفہ کے عاصم بن قیس نے حطم (غنیم) کو دیکھا کہ نشہ میں مدہوش زمین پر گرا ہوا ہے۔ انہوں نے اسے وہیں قتل کر دیا۔ گرفتار شدہ لوگوں کو جب سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے ان سے پوچھا: ''کیا ان سب کو تم لوگوں نے دھوکہ دیا تھا؟'' یہ الفاظ سن کر ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس طرح ارتداد کے فتنہ کا ایک بہت بڑا مرکز ختم ہو گیا اور وہ مسلمان جن کو ان لوگوں نے محصور کر رکھا تھا آزاد ہو گئے۔

## دارین کی فتح:

جو لوگ اس دارو گیر سے بچ نکلے وہ کشتیوں میں سوار ہو کر بحرین کے ایک قریبی جزیرے ''دارین'' میں چلے گئے۔ سیدنا علاء رضی اللہ عنہ نے ان کا تعاقب کرنا چاہا لیکن مشکل یہ تھی کہ مسلمانوں کے پاس کشتیاں نہیں تھیں جس سے وہ سمندر عبور کر کے جزیرہ میں جا سکیں۔ چنانچہ انہوں نے اس وقت تو ان کا تعاقب نہ کیا اور انتظام وانصرام میں مشغول ہو گئے۔ جب ہر طرف امن وسلامتی کا شامیانہ تن گیا اور مرتدین نے اسلام قبول کر کے اسلامی فوج کی تعداد میں اضافہ کر دیا تو سیدنا علاء رضی اللہ عنہ نے دارین پر حملہ کرنے کا حکم دیا تاکہ ان مرتدین کو سبق سکھایا جائے۔

دارین کی آبادی زیادہ تر عیسائیوں پر مشتمل تھی اور عیسائیوں کو دعوت اسلام ہرگز نہ بھاتی تھی۔ اب مرتدین کا بھی ایک اچھا خاص گروہ وہاں پہنچ گیا تھا۔ سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ اس صورت حال سے متفکر تھے۔ دارین پر حملہ کرنے کے لیے کشتیوں کی ضرورت تھی اور مسلمانوں کے پاس کشتیاں نہ تھیں، لیکن سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ سمندر کی ہولناک اور خوفناک لہروں سے ڈرنے والے نہ تھے۔ انہوں نے ساحل سمندر پر کھڑے ہو کر مسلمانوں کو بلند آواز سے یہ کہا:

> ''لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر خشکی میں ایسے نشانات ظاہر کیے ہیں، کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ سمندر میں بھی تم پر اپنے نشانات دکھا دے۔ خشکی پر نشانات ظاہر کرنے کی وجہ صرف یہ ہے تاکہ سمندر کی موجوں میں بھی تمہارے حوصلے قائم اور مضبوط رہیں۔ اٹھو اور دشمن کا مقابلہ کرنے کا عزم کر لو اور بے خوف وخطر دریا میں کود پڑو۔ اللہ تعالیٰ

ہر حال میں تمہیں اپنی نصرت وحمایت سے نوازے گا۔"

اپنے قائد کے یہ باہمت الفاظ سن کر فوجیوں نے یک زبان ہو کر جواب دیا:

"اے ہمارے قابل احترام قائد! ہم ہر وقت اور ہر صورت میں آپ کے ارشادات پر عمل کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اگر دور دراز مسافت میں پھیلے ہوئے خوفناک لق و دق صحرا ہمارے قدم نہیں روک سکے تو اس مہیب سمندر کی ہولناک موجیں بھی ہمارے راستہ کی رکاوٹ نہیں بن سکتیں۔"

یہ کہہ کر آپ لشکر کے ساتھ دعایا کلمات پڑھتے ہوئے سمندر میں داخل ہو گئے اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ سمندر ان کے سامنے اتنا پایاب ہو گیا کہ گھوڑوں کے صرف پاؤں بھیگے تھے اور تمام اسلامی لشکر ایسے راحت و آرام کے ساتھ خوفناک سمندر کو طے کر رہا تھا گویا بھیگے ہوئے ریتے پر چل رہا ہے۔ دارین میں کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مسلمان جہازوں اور کشتیوں کے بغیر اس طرح سمندر کو پا پیادہ عبور کر کے آ پہنچیں گے۔ جب مسلمان سمندر پار کر کے جزیرہ دارین کے ساحل پر پہنچے تو اب ان کے لیے بھاگنے کی کوئی گنجائش نہ تھی، اس لیے وہ نہایت بے جگری سے لڑے لیکن مسلمانوں کی تلواروں کا لقمہ بنے۔ اس جنگ میں اس کثرت کے ساتھ مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا کہ ایک ایک سوار کو چھ چھ ہزار اور پیادہ کو دو دو ہزار ملے۔ بحرین پہنچ کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس فتح کی خوش خبری کا خط لکھا۔

(طبری: ۲/۵۱۹۔۵۲۸، کامل ابن اثیر: ۲/۱۴۲۔۱۴۳، البدایہ والنہایہ: ۶/۳۲۷۔۳۲۹، حرکۃ الردۃ للعتوم: ص ۱۲۱، دراسات فی عہد النبوۃ والخلافۃ الراشدۃ: ۳۲)

بحرین کی فتح کے بعد مسلمانوں کو اب اس نواح کے مرتدین سے کوئی خطرہ نہ رہا تاہم اب بھی دو خطرے موجود تھے۔ ایک بدوی قبائل کی لوٹ مار کا خطرہ اور دوسرا اس دور کی ایرانی حکومت کا خطرہ۔ مجموعی طور پر مسلمان مطمئن تھے کیونکہ جزیرہ دارین پر حملہ سے قبل ہی وہاں کے اکثر و بیشتر قبائل نے اسلام قبول کر لیا تھا اور ارتداد سے سچے دل سے توبہ کر لی تھی۔ وہاں جن لوگوں نے سب سے زیادہ اسلام اور مسلمانوں سے تعلق کا اظہار کیا اور عملاً بھی اس کا ثبوت بہم پہنچایا، ان میں عتیبہ بن نماس اور مثنیٰ بن حارثہ شیبانی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

## عمان کی فتح:

عمان بحرین سے قریب ہی بحر ہند کے ساحل پر واقع ہے اور یہاں کی اکثر و بیشتر آبادی قبیلہ ازد سے تعلق رکھتی تھی۔ سنہ ۸ھ میں سرکار دو عالم ﷺ نے یہاں قبیلہ خزرج کے ایک صحابی سیدنا ابوزید انصاری رضی اللہ عنہ کو اس علاقہ میں تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا۔ پھر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ یہاں کے امیر کے نام ایک مکتوب ارسال فرمایا جس میں اسے اسلام کی دعوت دی۔ وہاں کے امراء جیفر اور عبید نے اسلام کی تعلیمات کو تو نہایت پسند کیا اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی بھی تصدیق کی لیکن اپنے کچھ تحفظات کا اظہار کیا جن میں ایک یہ تھا کہ اگر ہم نے اسلام قبول کر لیا تو ہماری قوم ہماری مخالفت پر اتر آئے گی اور وہ یہ بات کسی صورت پسند نہیں کرے گی کہ یہاں کی زکوٰۃ مدینہ بھیجی جائے۔ اس کے جواب میں سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہارے ہاں زکوٰۃ کا جو مال اکٹھا ہو گیا وہ اسی علاقہ کے غرباء اور فقراء و مساکین پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ یہ بات ان دونوں کو پسند آئی چنانچہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور ان کی دعوت پر باقی عرب بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ (فتوح البلدان: ص ۸۳)

جونہی سرکار دو عالم ﷺ کا انتقال ہوا ازد سب مرتد ہو گئے اور مسلمانوں کو تنگ کرنے لگے۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تو واپس مدینہ طیبہ چلے گئے جب کہ جیفر اور عبید دونوں کو مجبوراً پہاڑوں میں پناہ لینی پڑتی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب ان حالات کا علم ہوا تو آپ نے حذیفہ بن محصن خلقانی اور عرفجہ بن ہرثمہ البارقی کو جو قبیلہ بنوازد کا ایک فرد تھا، کی کمان میں ایک اچھا خاصا لشکر بھیجا۔ دونوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ اکٹھے سفر پر روانہ ہوں، اور اپنی جنگ کی ابتداء عمان سے کریں۔ ان کے عقب میں سیدنا عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ حذیفہ اور عرفجہ کو بھی ان کی روانگی کی اطلاع دے دی اور ان دونوں کو یہ بھی تاکید کی کہ اس علاقہ میں ارتداد کے خلاف آپ لوگ جو بھی اقدام کریں اس میں عکرمہ رضی اللہ عنہ سے ضرور مشورہ کر لیں کیونکہ مسیلمہ سے شکست کھانا تو کوئی بڑی بات نہیں تھی کیونکہ اس کی فوجی طاقت بہت زیادہ تھی اور سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ ایک بہت بڑے جرنیل تھے، اس لیے ان دونوں حضرات کو سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ کے مشورہ کا پابند بنایا گیا۔ ان تینوں نے باہمی مشورہ سے پہلے تو یہ طے کیا کہ جیفر اور عبید (جو دونوں بھائی تھے) کو کہا جائے کہ وہ اسلامی لشکر میں آ کر شامل ہوں۔

لقیط بن مالک ازدی کو جب مسلمانوں کے لشکر کی آمد کا پتہ چلا تو وہ اپنا لشکر لے کر مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے نکلا۔ اس نے ''دبا'' کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ دوسری طرف اسلامی لشکر نے ''صحار'' جو کہ عمان کا دارالسلطنت تھا، پڑاؤ ڈالا۔ فریقین میں جنگ شروع ہوئی۔ آغاز میں لقیط کا پلا بھاری نظر آتا تھا جس سے مسلمان کچھ پریشان ہو گئے اور ان کی صفوں میں انتشار کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ عین اس وقت جب کہ مسلمانوں کی فوج میں شکست کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی غیبی مدد فرمائی۔ ہوا یہ کہ خریت بن راشد بنو ناجیہ کا لشکر اور سیحان بن صوحان بنو عبدالقیس کی ایک بہت بڑی جمعیت کے ساتھ اور بحرین کے بعض دوسرے قبائل مسلمانوں کی مدد کے لیے اچانک میدان میں آ گئے۔ اس تازہ دم فوج کی آمد سے مسلمانوں کے دل مضبوط ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن جلد ہی میدان سے بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔ ابن اثیر کے بیان کے مطابق غنیم کے دس ہزار فوجی کام آئے۔ عورتوں اور بچوں کو حراست میں لے لیا گیا اور کثیر تعداد میں مال غنیمت ہاتھ آیا۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ یہاں کے انتظام و انصرام کی غرض سے عمان ہی میں قیام پذیر رہے۔ (کامل ابن اثیر: ۲/ ۲۸۵)

## مہرہ کی فتح:

عمان کی فتح کے بعد سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ تو اپنا لشکر لے کر مہرہ روانہ ہو گئے کیونکہ وہاں کے لوگوں نے بھی ارتداد کی راہ اختیار کر لی تھی اور ان کی گوشمالی بھی نہایت ضروری ہو گئی تھی۔ سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ کی کمان میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جو ارتداد ترک کر کے حال ہی میں دوبارہ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ یہاں مرتدین کے دو گروہ تھے۔ دونوں مسلمانوں کے خلاف تھے لیکن یہ دونوں آپس میں بھی دست و گریبان تھے۔ دونوں میں سے ایک گروہ فوج اور اسلحہ کے لحاظ سے دوسرے سے طاقتور تھا۔ سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ ایک نہایت دور اندیش اور منجھے ہوئے جرنیل تھے۔ انہوں نے زمانے کے کئی نشیب و فراز دیکھے تھے۔ انہوں نے پلان یہ بتایا کہ چھوٹے گروہ کو ساتھ ملا کر بڑے گروہ کو شکست دی جائے۔ چھوٹی جماعت کا سردار خریت تھا جب کہ بڑی کا مصبح نام کا ایک شخص تھا۔ آپ نے خریت سے اس بارے میں گفت و شنید کی اور اسے اسلام کی دعوت دی جس کو اس نے قبول کر لیا اور وہ سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ کا ہم نوا بن گیا۔ اب سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ نے بڑی جماعت کے سردار ''مصبح'' کو اسلام کی دعوت دی لیکن اسے اپنی

کثرت تعداد پر غرور اور فخر تھا، اس لیے اس نے اسلام کی اس دعوت کو رد کر دیا چنانچہ سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ نے اس سے اعلان جنگ کر دیا۔ گھمسان کا رن پڑا لیکن اللہ تعالیٰ نے سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ کو کامیابی سے نوازا۔ مصبح قتل ہوا اور جو لوگ بچ گئے انہوں نے دامن اسلام میں پناہ لی۔ (الکامل ابن اثیر: ۲/۲۸۶)

اس جنگ میں مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت ہاتھ لگا۔ سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ یہاں کچھ روز قیام کر کے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہدایت پر یمن روانہ ہو گئے۔

## سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ کی یمن روانگی:

مہرہ کی فتح اور یہاں کے انتظام و انصرام سے فارغ ہو کر سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ نے یمن روانگی کا ارادہ فرمایا۔ ان کے ساتھ ہی مہاجر بن ابی امیہ کو بھی امیر المومنین نے ان کے پیچھے جانے کے لیے کہا۔ یمن میں بغاوت اس وقت شروع ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اسود عنسی بڑا تیز طرار اور شاطر آدمی تھا۔ اس نے اپنا لقب رحمٰن الیمن رکھا ہوا تھا جیسے مسیلمہ اپنے آپ کو رحمٰن کہتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اللہ کا فرشتہ میرے پاس آتا ہے جو مجھے دشمنوں کے بارے میں بتاتا ہے۔ بہت سے جاہل لوگ اس کے فریب میں آ گئے۔ چنانچہ وہ اپنے پیروکاروں کی ایک بہت بڑی تعداد لے کر نجران گیا اور وہاں کے مسلمان حکمرانوں خالد بن سعید رضی اللہ عنہ اور عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو شہر سے نکال دیا۔ اس کی اس کامیابی کی وجہ سے بہت سے لوگ اس کے ساتھی بن گئے۔ چنانچہ وہ ان کو ساتھ لے کر صنعاء پہنچا اور یہاں کے حاکم شہر یار ابن باذان سے مقابلہ کر کے اسے شہید کر دیا۔ اس زمانہ میں سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی یہیں تھے۔ صنعاء سے مسلمان باشندے اس صورت حال سے پریشان ہو کر مدینہ منورہ چلے تھے۔ ان میں سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ اسی اثناء میں سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ بھی نجران سے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اب پورے یمن سے بحرین اور احساء اور عدن تک اس کا قبضہ ہو گیا۔

اسود عنسی نے جب صنعاء میں شہر یار بن باذان سے مقابلہ کیا تو اس وقت اس کے ساتھیوں کی تعداد صرف سات سو تھی۔ اتنی کم تعداد کے ساتھ اس نے اتنے وسیع علاقے پر قبضہ کر لیا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ بہت بڑا نیشلسٹ تھا۔ اس نے یمن میں یہی نعرہ لگایا تھا کہ یمن صرف یمنیوں

کا ہے۔ اس نعرہ نے لوگوں کی ہمدردیاں اس کے ساتھ کر دیں اور کسی نے اس کے خلاف آواز بلند کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اس نے یہ نعرہ لگا کر لوگوں کو باور کرایا کہ تمام غیر یمنیوں کو یمن سے باہر نکال دیا جائے گا۔ اس کے نتیجہ میں یمن کے لوگ اس کے ساتھ ہو گئے۔ اس لیے مجبوراً مسلمانوں کو یمن کا علاقہ وقتی طور پر خالی کرنا پڑا۔

اسود عنسی نے اپنی دانست میں اپنی پوزیشن خوب مضبوط بنالی۔ اس کی فوجوں کے سپہ سالار کا نام قیس تھا اور دو ایرانی فیروز اور داذویہ اس کے وزیر تھے۔ یمن کے سابق حکمران شہر یار کی بیوہ ''آزاد'' سے اس نے شادی کر لی تھی۔ یہ خاتون اس کے وزیر فیروز کی چچازاد بہن تھی۔ اسود عنسی یہ سمجھ رہا تھا کہ عرب وعجم دونوں اس کے زیر نگین ہو گئے ہیں۔ اسود عنسی اس سپہ سالار اور دونوں وزیروں کو اپنے سے ہٹانا چاہتا تھا۔ اس کی بیوی کو اس کی اس نیت کا پتہ چلا تو وہ ایرانی ہونے کے ناطے اس سے بڑی نفرت کرتی تھی اور ان وزیروں کے ساتھ اسے ہمدردی تھی لہٰذا اس نے اس کی اس سازش کا ان سے انکشاف کر دیا۔ لہٰذا ان چار آدمیوں نے مل کے اسود عنسی کو قتل کرنے کی سازش کی۔ چنانچہ اسود کی بیوی آزاد کی ہدایت کے مطابق باقی تینوں افراد رات کے وقت محل کی پشت کی جانب سے محل میں داخل ہوئے اور اسود کو سوتے میں قتل کر دیا۔ صبح ہوئی تو لوگ اذانیں دینے لگے اور بلند آواز سے کہا: ''ہم گواہی دیتے ہیں محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور اسود عنسی کذاب ہے۔'' انہوں نے اسود کا سر کاٹ کر محل سے باہر پھینک دیا۔ اس کے قتل کے بعد ایک ہنگامہ بپا ہو گیا۔ آخر فیصلہ یہ ہوا کہ قیس، فیروز اور داذویہ تینوں یمن کا نظام اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کی زندگی ہی میں اسود قتل ہو گیا اور بعض کا خیال ہے کہ آپ کے انتقال کے بعد اس کا قتل ہوا۔

## اسود کے قتل کے بعد یمن میں بغاوت:

اسود عنسی تو قتل ہو گیا اور حکومت اس کے ساتھیوں کے ہاتھ میں آ گئی لیکن رسول اللہ ﷺ کے انتقال کی خبر سے یمن میں پھر بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے اور لاقانونیت اور طوائف الملوکی کا دور شروع ہو گیا۔ وجہ اس کی یہ ہوئی کہ اسود کے قتل کے بعد جو حکومت قائم ہوئی وہ متحدہ حکومت نہیں تھی بلکہ اس کے مختلف حصے مختلف گورنروں میں تقسیم کر دیئے گئے تھے۔ اسود خود تو قتل ہو گیا لیکن اس کے حواری اور رفقاء نے بعض علاقوں جیسے صنعاء اور نجران میں اپنی

خلاف اسلام سرگرمیاں جاری رکھیں۔ ان میں ایک شخص عمرو بن معدی کرب تھا جو شاعر اور بہت بڑا بہادر تھا۔ اس نے اسود کی رفاقت اور قیادت میں مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ اب اس نے قیس کو اپنا ہم نوا بنا کر فیروز کو یمن سے نکال باہر کیا اور پھر دازویہ کو بھی ملک سے بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یمن میں دوبارہ بغاوت اور ارتداد کا فتنہ کھڑا ہو گیا اور بدامنی کا عفریت ہر طرف ناچنے لگا۔

قیس اور فیروز دونوں میں ٹھن گئی۔ اب فیروز نے قیس کی وطنی عصبیت کے مقابلہ میں مذہبی عصبیت کا نعرہ لگایا اور اس میں وہ کامیاب ہو گیا۔ اس نے اپنی مدد کے لیے ان قبائل کی طرف رجوع کیا جو اسلام پر قائم تھے اور بنو عقیل بن ربیعہ وغیرہ نے اس کا ساتھ دیا۔ چنانچہ وہ ایک زبردست فوج کے ساتھ قیس کے مقابلہ کے لیے صنعاء کی طرف بڑھا۔ صنعاء کے کچھ فاصلہ پر قیس سے ان کا مقابلہ ہوا۔ قیس نے شکست کھائی اور بھاگ کر وہیں پہنچ گیا جہاں وہ اسود عنسی کے زمانہ میں تھا۔ فیروز دوبارہ صنعاء پر قابض ہو گیا اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گورنر کی حیثیت سے اس نے وہاں کی امارت سنبھال لی۔

ان حالات میں جب کہ یمن میں بغاوت و ارتداد کے شعلے دوبارہ بھڑکے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مجبور ہو گئے کہ وہ مہاجر بن امیہ رضی اللہ عنہ (یہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے) اور سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ کو بغاوت کی سرکوبی کے لیے بھیجیں۔ چنانچہ ایک طرف سے سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ نے یمن پہنچنے کا عزم کیا۔ مکہ، طائف اور نجران کے بہت سے بہادر اور جنگ جو حضرات ان کی کمان میں تھے۔ اہل یمن ان دونوں حضرات کی آمد سے سخت پریشان ہوئے۔ وہ ابھی اسی پریشانی میں تھے کہ ان کے دو قائدین عمرو بن معدی کرب اور قیس بن عبد یغوث میں اختلاف پیدا ہو گیا یہاں تک کہ دونوں ایک دوسرے کی جان کے دشمن ہو گئے۔ عمرو بن معدی کرب نے ایک روز یہ فیصلہ کیا کہ وہ مسلمانوں سے مل کر قیس کو چھٹی کا دودھ یاد کرائے گا۔ اس نے اس کے لیے ایک ترکیب سوچی اور اس پر عمل کر ڈالا۔ وہ ایک رات اپنے ساتھیوں کو لے کر قیس کے ٹھکانے پر گیا اور اس کو پکڑ کر سیدنا مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ مہاجر رضی اللہ عنہ نے قیس کے ساتھ عمرو بن معدی کرب کو بھی گرفتار کر لیا اور ان دونوں کا خود تو کوئی فیصلہ نہ کیا بلکہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ بھیج دیا۔

ابن اثیر اور طبری کی روایت میں ہے کہ ان دونوں نے سیدنا مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ

کے ہاتھوں شکست کھائی اور انہوں نے ان دونوں کو گرفتار کر کے مدینہ بھیج دیا۔ اس طرح پورا یمن نہ صرف دوبارہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا بلکہ اب اس میں فتنہ وفساد کی آگ ایسی بجھی کہ وہ امن وامان کا گہوارہ بن گیا۔ (ابن اثیر: ۲/ ۲۷۸۔۲۸۸، طبری: ۲/۵۳۲)

مرتدین یمن کے یہ دونوں سردار سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوئے۔ آپ نے ان دونوں کو معاف فرما دیا اور نہایت عزت واحترام کے ساتھ انہیں اپنے اپنے قبیلوں میں واپس جانے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ بعد میں عمرو بن معدی کرب نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں اسلامی فتوحات میں وہ کارہائے نمایاں کیے کہ تاریخ کے سینہ میں وہ آج بھی ثبت ہیں۔

## کندہ اور حضرموت کی فتح:

کندہ اپنے محل وقوع کے لحاظ سے یمن سے ملحق ہے۔ اس وجہ سے جب اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو اہل کندہ بھی اس کی نبوت کو ماننے لگے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انتقال سے کچھ عرصہ قبل مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کو کندہ کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔ وہ بعض وجوہات کی بنا پر کندہ پہنچ کر وہاں کی حکومت کی باگ ڈور نہ سنبھال سکے۔ ان کی غیر موجودگی میں وہاں کے انتظام وانصرام کی نگرانی سیدنا زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ کرتے رہے جو حضرموت کے گورنر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد جب عرب میں بغاوت وارتداد کی آگ بھڑکی تو حضرموت اور کندہ کے لوگ بھی اس کی زد میں آ گئے۔ سیدنا زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ نے ان قبائل کو جو اسلام پر قائم رہے، اپنے ساتھ ملا کر ان لوگوں پر حملہ کر دیا جنہوں نے بغاوت کے لیے سر اٹھایا تھا، اور ان کے مردوں کو قتل اور عورتوں کو قیدی بنا لیا۔ قیدی عورتوں میں سے بعض عرب کے نہایت معزز خاندانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان گرفتار شدہ عورتوں کا یہ قافلہ جب رئیس کندہ اشعث بن قیس کے قبیلہ کے پاس سے گزرا تو عورتوں نے نہایت بلند آواز سے اشعث کو امداد کے لیے آواز دی۔ عورتوں کی یہ فریاد بھری آواز اشعث کے کانوں میں پڑی تو غیرت وحمیت کے باعث اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا لہٰذا اس نے قسم کھائی کہ یا تو وہ ان عورتوں کو مسلمانوں کے قبضہ سے آزاد کرائے گا یا پھر لڑتے لڑتے مر جائے گا۔

اشعث بن قیس کندہ کا ایک بلند مرتبت رئیس تھا اور کندہ کا ہر شخص اس کو عزت و

احترام کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اس نے بنو کندہ کے ۸۰ ساتھیوں سمیت سرکار دو عالم ﷺ کے دست حق پرست پر اسلام کی بیعت بھی کی تھی اور بعد میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ام فروہ رضی اللہ عنہا سے شادی بھی کی۔ اس واقعہ کے کئی سال بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ عمرو بن معاویہ کے قبیلہ کی گرفتار شدہ عورتوں نے اسے مدد کے لیے آواز دی اور وہ یک دم مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے میدان میں آ گیا۔ اس واقعہ کے بعد اشعث کھل کر بغاوت پر اتر آیا۔ چنانچہ کندہ اور حضرموت کے بہت سے قبائل نے اس کی معاونت بھی کی۔ زیاد بن لبید انصاری رضی اللہ عنہ کو جب ان حالات کا علم ہوا تو انہیں پریشانی ہوئی۔ زیاد رضی اللہ عنہ نے مہاجر بن ابی امیہ کو جوان دنوں صنعاء میں قیام پذیر تھے، مدد کے لیے خط لکھا۔ جونہی یہ خط سیدنا مہاجر رضی اللہ عنہ کو ملا تو سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ اور مہاجر رضی اللہ عنہ دونوں ہی زیادہ انصاری رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے کندہ پہنچنے کے لیے اپنے اپنے علاقہ سے روانہ ہو گئے۔ راستہ میں مارب کے مقام پر دونوں کی ملاقات ہوگئی۔ سیدنا مہاجر رضی اللہ عنہ کو سیدنا زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ کے معاملات کا اچھی طرح علم تھا لہٰذا وہ تیزی کے ساتھ ان کے پاس جانا چاہتے تھے۔ لہٰذا یہ تھوڑی سی فوج لے کر اور باقی اپنی فوج سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ کے پاس چھوڑ کر تیزی سے سفر کرتے ہوئے بہت جلد سیدنا زیاد رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے اور جاتے ہی اشعث بن قیس کی فوج پر حملہ بول دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اشعث شکست کھا کر قلعہ ''بخیر'' میں پناہ کے لیے محصور ہو گیا۔ محصورین کی تعداد چھ سو تھی جب کہ مسلمان فوج کی تعداد بہت تھی، لہٰذا ان سب کو موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ اس دوران میں اشعث بن قیس نے سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ سے رابطہ کر کے کہا کہ اگر وہ مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ سے بات کر کے ان کے نو ساتھیوں کی جان بخشی کروا دیں تو وہ مسلمانوں کے لیے اس قلعہ کے دروازے کھول دیں گے۔ اشعث کی یہ درخواست منظور کر لی گئی اور ان نو آدمیوں کی فہرست طلب کی گئی۔ اشعث نے ایک کاغذ پر اپنے اہل وعیال اور بہن بھائیوں کے نام لکھ دیئے لیکن وہ اپنا نام لکھنا بھول گیا اور کاغذ پر مہر لگا کر سیدنا مہاجر بن امیہ رضی اللہ عنہ کو پیش کر دی۔ ان نو آدمیوں کو قلعہ سے باہر نکال دیا گیا اور قلعہ میں داخل ہو کر مسلمانوں نے باقی لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیا ایک ہزار عورتوں کو قیدی بنا لیا گیا اور بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ اشعث کو مال غنیمت کے خمس کے ساتھ مدینہ منورہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس روانہ کر دیا گیا۔

اشعث نے مسلمان جرنیل سے صرف نو آدمیوں کی جان بخشی کی درخواست کی تھی

لیکن غلطی سے وہ ان نو آدمیوں میں اپنا نام لکھنا بھول گیا تھا۔ اب سیدنا مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ اسے قتل نہ کریں بلکہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیں۔ وہ خود اس کے بارے میں فیصلہ کریں۔

مدینہ میں اشعث کو بارگاہِ خلافت میں پیش کیا گیا اور آپ نے اس کو قتل کرنا چاہا تو اس نے بارگاہ خلافت میں نہایت عجز وانکساری کے ساتھ عرض کی کہ میری خطا معاف فرمائی جائے اور میری قوم کی قیدی عورتوں کو رہا کیا جائے۔ لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ التجا منظور نہ کی۔ اس نے دوبارہ نہایت لجاجت اور نرم لہجے میں درخواست کی کہ مجھے ایک موقع دیا جائے آئندہ آپ کو کسی قسم کی شکایت کا موقع نہ دوں گا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی درخواست منظور فرماتے ہوئے اسے معافی دے دی اور عورتوں کو بھی رہا کر دیا، اور اپنی بیٹی ام فروہ رضی اللہ عنہا دوبارہ اس کے عقد میں دے دی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اپنے قبیلے میں واپس چلے جاؤ، لیکن اب وہ کون سا منہ لے کر اپنے قبیلے میں جاتا۔ چنانچہ اس نے مدینہ منورہ ہی میں سکونت اختیار کر لی۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اس نے اس قدر کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ مسلمانوں میں اس کی قدر ومنزلت پھر سے بحال ہوگئی۔

سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ نے اس وقت تک ان علاقوں میں قیام کیے رکھا جب تک کہ وہاں امن وامان بحال نہ ہو گیا۔ اسی طریقہ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد جزیرہ نمائے عرب میں بغاوت وارتداد کی جو لہر اٹھی تھی اس کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام کے اس غلبے اور اسلامی ریاست کے اس استحکام سے بہت خوش تھے اور وہ اس کو اللہ کا ایک خاص عطیہ سمجھتے تھے۔ اب پورے خطۂ عرب میں کوئی طاقت اسلامی ریاست کی ٹکر کی نہ تھی اور اب پورے خطۂ عرب میں اسلامی احکام سے روگردانی کرنے والا کوئی نہ رہا۔ تمام جھوٹے مدعیان نبوت کا خاتمہ ہو گیا۔ ان میں صرف طلیحہ اسدی زندہ رہا جو مسلمان ہو گیا۔ یہ سارے فتنے جو وسیع وعریض علاقے میں پھیلے ہوئے تھے، پروفیسر ہٹی (Hitti) کی رائے کے مطابق چھ ماہ کی قلیل مدت میں یک قلم ختم ہو گئے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا یہ واقعہ انسانی تہذیب ومعاشرت اور فکر ونظر کا وہ عظیم الشان واقعہ ہے جس کی نظیر تاریخ عالم میں کہیں نہیں ملتی۔ اس عظیم الشان انقلاب کے ہیرو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے جو ایک طرف تو اتنے رقیق القلب تھے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ نماز کی امامت

کو کھڑے ہوتے تو آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی لیکن جب خلافت کے منصب پر براجمان ہوئے تو خون کی روشنائی سے اسلام کی عظمت وحقانیت کی دستاویز مرتب کرتے۔ پورے گروہ صحابہ میں اس قہرومہر، شدت ورقت اور رحم وتشدد کا یہ حسین امتزاج صرف ایک انسان میں تھا جسے تاریخ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نام سے موسوم کرتی ہے۔ یہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سیاست محمدی کا اعجاز تھا کہ صرف چھ ماہ کے قلیل عرصہ میں پورے جزیرہ نما عرب سے بغاوت وارتداد کا خاتمہ ہو گیا۔ تمام مستشرقین اس تیزی اور سرعت پر انگشت بدنداں ہیں۔

(Hitti, History of the Arabs, P.141)

اندرونی بغاوت وارتداد سے فراغت کے بعد اب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی توجہ دوسری طرف فرمائی کہ تمام دنیا کو دین اسلام سے روشناس کرایا جائے اور ہر شہر اور علاقہ میں اسلامی تعلیمات کو لوگوں میں عام کر کے حق کو بلند کیا جائے جس کا ذکر آئندہ صفحات میں آ رہا ہے۔

# عراق پر لشکر کشی

سرکار دو عالم ﷺ کے انتقال کے بعد جب عرب میں ارتداد و بغاوت کی آگ بھڑکی تو بحرین میں ایک قبیلہ بنو بکر تھا۔ وہ قبیلہ بھی ارتداد کے اس سیلاب میں بہہ گیا۔ اس قبیلہ کے ایک نہایت معزز شخص مثنیٰ بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ثابت قدم رہے اور دوسرے لوگوں کو بھی ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتے رہے۔ اس دوران میں سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے مرتدین کی سرکوبی کے لیے بحرین بھیجے گئے۔ انہوں نے بحرین پہنچ کر مرتدین کے مقابلہ کے لیے جہاں مقامی مسلمانوں سے مدد لی وہاں مثنیٰ کو بھی لکھا کہ وہ راستوں کی نگرانی کریں۔ (طبری:۲/۵۲۶)

مثنیٰ نے اس فرض کو نہایت احسن طریق سے انجام دیا اور آٹھ ہزار مسلمانوں کی ایک جمعیت کو اپنے گرد اکٹھا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ بحرین میں بغاوت وارتداد کی سرکوبی کی مہم ختم ہوئی۔ لیکن مثنیٰ بن حارثہ خاموش نہ رہا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کی معیت میں خلیج فارس کے ساتھ ساتھ شمال میں عراق تک بڑھنا شروع کیا اور ان عرب قبائل کے دروازوں تک چلا گیا جو دجلہ اور فرات کے علاقے میں سکونت پذیر تھے۔ اس نے ان قبائل کے ساتھ کچھ ایسے اسلوب کے ساتھ بات کی کہ اس سے متاثر ہو کر وہ ایرانیوں سے تعلقات منقطع کر کے اسلامی حکومت کی حمایت کرنے پر تیار ہو گئے۔

مثنیٰ بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ کے ان کارناموں کی اطلاع بارگاہ خلافت میں بھی پہنچی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پہلے ہی سے عراق اور شام پر فوج کشی کے لیے تیار ہو رہے تھے، لیکن مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی کامیابیوں نے اہل مدینہ کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا کہ وہ تھوڑی سی فوج کے ساتھ پیش قدمی کرتا ہوا دجلہ اور فرات کے دہانہ تک پہنچ گیا ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مثنیٰ بن

حارثہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بالکل کوئی معلومات نہ تھیں۔ اب جو ان کے بارے میں یہ اطلاعات پہنچیں تو ان میں تجسس بڑھا اور آپ نے اس کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کی کوشش فرمائی۔ آپ کو بتایا گیا کہ مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کوئی معمولی آدمی نہیں بلکہ یہ اپنے قبیلے میں نہایت پر اعتماد اور قابل احترام و اکرام ہے۔ جب یہ ساری معلومات سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فراہم ہوگئیں تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر نئے انداز سے سوچنا شروع کر دیا اور اس بات پر بھی غور و فکر کرنا شروع کر دیا کہ مسلمان فوج کو عرب حدود سے باہر بھیجنا مناسب رہے گا یا نہیں، اور یہ کہ مثنیٰ رضی اللہ عنہ اتنی طاقت رکھتا ہے کہ وہ عراق کی حدود میں داخل ہو کر مسلمانوں کے لیے ایرانی حکومت کے دروازے پر دستک دے سکے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ابھی ان مختلف پہلوؤں پر غور و خوض اور سوچ بچار ہی کر رہے تھے کہ ایک روز اچانک سیدنا مثنیٰ رضی اللہ عنہ بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ خود آپ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہو گئے اور انہیں وہاں کے تمام حالات سے تفصیلاً آگاہ کیا۔ انہوں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ شام کی نسبت عراق کو فتح کرنا زیادہ آسان ہے کیونکہ عربوں کو عراق میں وہ خطرات پیش نہیں آئیں گے جن کے شام میں پیش آنے کا امکان ہو سکتا ہے۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بتایا کہ دجلہ اور فرات کا درمیانی علاقہ اپنی زرخیزی اور قدرتی مناظر کے حسن میں شام سے بہت زیادہ ہے۔ غرض کہ سیدنا مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے عراق کی زرخیزی اور قدرتی مناظر کے حسن و جمال کا اپنے الفاظ میں کچھ ایسا نقشہ کھینچا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ حیران رہ گئے۔ انہوں نے خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ ایسی معلومات فراہم کیں جو جنگی لحاظ سے بہت مفید تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ جو عرب قبائل دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقہ میں آباد ہیں وہ وہاں کے مقامی لوگوں کے رویہ اور سلوک سے نہایت پریشان ہیں اور اس وجہ سے شدید مصائب کا شکار ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ عربوں کی اکثریت زراعت پیشہ ہے۔ فصل جب پک کر تیار ہو جاتی ہے تو عرب کسان اپنی فصل کو اطمینان بھری نظروں سے اس خیال سے دیکھتا ہے کہ اس میں اس کے بال بچوں کی سال بھر کی روزی موجود ہے، لیکن ایرانی زمیندار اور جاگیردار تمام غلہ اٹھا کر لے جاتا ہے اور وہ غریب کاشت کار اور ہاری اور بے بس مزارع جس نے دن رات ایک کر کے اس فصل کی آبیاری کی اور اس کے پکنے کے انتظار میں اپنی رات کی نیندیں اور دن کا سکون برباد کیا تھا، انہیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ تمام کاشت کاروں کے حصہ میں وہی کچھ آتا ہے جو زمینوں کے مالک رحم کھا کر خود انہیں دے

جاتے ہیں۔ چنانچہ عرب کاشت کاروں کو وہاں جاگیرداروں سے سخت نفرت ہے۔ اگر عرب کی یہ اسلامی ریاست عراق کے خلاف فوج کشی کرے تو اے خلیفہ رسول! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہاں کے تمام عرب قبائل آپ کا ساتھ دیں گے اور وہ یہ سمجھیں گے کہ یہ لوگ انہیں ان ظالم اور گرگ صفت جاگیرداروں سے نجات دلانے کے لیے آئے ہیں۔ پھر اسلام کی دعوت میں بھی ان کے لیے جاذبیت ہے کیونکہ اس نے اخوت اور مساوات کا سبق دیا ہے۔

سیدنا مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے دلائل، حقائق اور گفتگو کی دلآویزی سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت متاثر ہوئے، لیکن پھر بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معمولی سی غلطی پوری اسلامی ریاست کو خطرے میں ڈال سکتی تھی، لہٰذا انہوں نے مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے حقائق و دلائل پر خود بھی غور وفکر کرنا شروع کر دیا اور بالآخر وہ ذاتی طور پر عراق پر لشکر کشی کے لیے رضامند ہو گئے۔ سب سے زیادہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جس بات نے عراق پر لشکر کشی پر آمادہ کیا وہ سیدنا مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی یہ بات تھی کہ "اے خلیفہ رسول! طویل مدت سے جو عرب قبائل ایرانی حکومت اور اس کے جاگیرداروں کے مظالم کی چکی میں پس رہے ہیں، آپ کے اس حملہ سے انہیں ان مظالم سے نجات حاصل ہوگی۔ اگر ان پر یہ احسان کیا جائے تو پوری پوری امید ہے کہ وہ اس کے بدلہ میں اسلام کی دعوت کو دل و جان سے قبول کر لیں گے کیونکہ اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جو دردمندوں کے نالے اور مظلوموں کی آہیں سنتا ہے۔ وہ کسی کی تباہ حالی کو نہیں دیکھ سکتا۔ اسلام جب کسی زمیندار اور سرمایہ دار کی آنکھوں میں غرور وتکبر جھلکتا اور چہرہ پر رنگ برستا دیکھتا ہے تو اس کی نگاہ فوراً اس طرف جاتی ہے کہ یہ رنگ کسی غریب کے خون اور ہڈیوں کی کشید تو نہیں؟ وہ دولت مندوں کی خوب صورتی کو قوم کے چہرے پر برص کا داغ سمجھتا ہے کیونکہ برص کا داغ اپنی ذات میں اگرچہ خوب صورت ہے لیکن حسن کے لیے بدنما داغ ہے۔

آخر میں مثنیٰ بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ نے ایک بات اپنے بارے میں کی، اس بات کا تعلق بھی دین اسلام ہی سے تھا۔ آپ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی کہ مدینہ کی حکومت کی طرف سے ان کو ان کی قوم کا سردار اور امیر بنا دیا جائے تاکہ وہ اہل ایران سے اور ان کے اطراف واکناف میں جو دشمن ہیں ان کے ساتھ جنگ کر سکیں۔ (الاصابہ: ۳/۳۴۱)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ چونکہ اس سے قبل مثنیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات اور ان کے کارناموں کی شہرت قیس بن عاصم منقری سے سن چکے تھے اور اب خود بھی ان کی مدلل اور دور اندیشی اور دور بینی کی گفتگو سن چکے تھے، اس لیے آپ نے بلا تامل انہیں پروانۂ امارت لکھ کر عطا فرما دیا۔

## سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت:

اگرچہ ذاتی طور پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی تجویز سے اتفاق کیا لیکن یہ معاملہ چونکہ اسٹیٹ کا تھا اور وہ بھی دوسرے ملک میں اسلامی فوجوں کے بھیجنے کا، لہٰذا اس کے لیے مجلس شوریٰ کا اجلاس بلایا گیا اور اراکین شوریٰ کے سامنے اس معاملہ کو رکھا گیا تاکہ وہ اس کے تمام پہلوؤں پر غور و فکر کر کے صحیح صورت حال سے آگاہ کریں۔ انہیں یہ بھی بتایا گیا کہ مثنیٰ رضی اللہ عنہ تو پہلے ہی اہل ایران سے جنگ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ کسی نئے حملے کی ضرورت نہیں صرف معاملہ یہ ہے کہ مثنیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنی فوجوں کا امیر بنا کر اسلامی ریاست کی طرف سے اسے جنگ کرنے کا موقع دیا جائے کیونکہ درحقیقت وہ اسلام ہی کے لیے لڑ رہے ہیں۔ ان کی کوئی ذاتی منفعت نہیں ہے۔

مجلس شوریٰ کے اراکین عراق کے سیاسی اور جغرافیائی حالات سے قطعاً واقف نہ تھے لہٰذا سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ''عقرباء'' سے بلایا گیا اور اس مسئلہ کو ان کے سامنے رکھا گیا۔ انہوں نے مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی تجویز کی تائید کی لہٰذا بلاپس و پیش فوری طور پر عراق پر حملہ کر دینا چاہیے۔ اس میں اسلام اور مسلمانوں دونوں کی بہتری ہے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے جنگی نقطۂ نگاہ سے بھی اس تجویز کی حمایت کی، لہٰذا تمام اصحاب شوریٰ نے متفقہ طور پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہا کہ وہ مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں عراق فوجیں بھیجیں۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار مقرر کر کے اسلامی فوجوں کو ان کی امداد کے لیے روانہ کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ اس طریقہ سے ایران و عراق پر مسلمان فوجوں کے حملوں کا آغاز ہوا۔

(طبری: ۲/ ۵۲۶، فتوح البلدان: ص ۲۵)

سیدنا مثنیٰ رضی اللہ عنہ کو رخصت کرتے ہوئے یہ کہا گیا کہ وہ فی الحال عرب قبائل کو دعوت اسلام دیں اور عراق میں پیش قدمی کو ابھی معرض التوا میں ڈال دیں اور مدینہ سے اسلامی فوج کی امداد کا انتظار کریں۔ چنانچہ انہوں نے وقتی طور پر عراق میں اپنی پیش قدمی کو روک دیا۔

مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے جانے کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو جو اب مدینہ میں مقیم تھے، یہ حکم دیا کہ وہ دس ہزار کا لشکر لے کر عراق کا رخ کریں۔ دوسری طرف آپ نے مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اور مذعور بن عدی کو جنہیں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی قوم پر

ان کی درخواست کے مطابق امیر بنا دیا تھا، ہدایات بھیجیں کہ وہ خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ پورے طور پر مطیع وفرمان بردار ہو کر رہیں۔ اس کے علاوہ سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کے نام فرمان جاری کیا جو اس وقت نباج اور حجاز کے درمیان کہیں مقیم تھے، کہ وہ فوری طور پر خالد رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچیں اور ان کی قیادت میں کام کریں۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو عراق روانہ کرنے سے قبل سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں کچھ ہدایات دیں جن کو حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔ ان ہدایات سے خلیفۂ رسول کے سیاسی تدبر، فوجی مہارت اور بیدار مغزی کا پتہ چلتا ہے۔

(ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ: ۶/ ۳۴۲، معارک خالد بن الولید ضد الفرس، عبدالجبار السامرائی: ص ۳۵، ابوبکر الصدیق، نزار الحدیثی: ص ۴۵، التاریخ الاسلامی: ۹/ ۱۳۰، تاریخ الدعوۃ الی الاسلام: ص ۳۴۲)

# عراق کی فتح

بارگاہِ خلافت سے عراق کا حکم نامہ پا کر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کا جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ ان کی تعداد صرف دو ہزار ہے۔ یہ دو ہزار فوجی عراق کے لیے کم تھے۔ اب آپ نے قبائل مضر اور ربیعہ سے آٹھ ہزار نئے افراد فوج میں بھرتی کیے جن کی وجہ سے ان کے لشکر کی تعداد دس ہزار ہو گئی۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے پہلے مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے پاس آٹھ ہزار فوجی تھے۔ اب یہ کل اٹھارہ ہزار ہو گئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جنگ کی ابتداء ابلہ سے کریں۔ ابلہ خلیج فارس میں بصرہ کے قریب واقع تھا اور ہندوستان اور سندھ جانے والے عرب تجارتی قافلے سب سے پہلے ابلہ ہی میں وارد ہوتے تھے۔ یہاں سے جنگ کی ابتداء کرنے میں ایک مصلحت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں یہ بھی تھی کہ ابلہ میں شاہ ایران کا تمام سامان حرب جمع تھا اور اس کی حیثیت ایک چھاؤنی کی تھی۔ امام لغت اصمعی کا یہ قول یاقوت حموی نے نقل کیا ہے کہ دنیا میں تین جنتیں ہیں۔ غوطہ دمشق، نہر بلخ اور ابلہ۔ (معجم البلدان: ۱/ ۹۷)

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کے انتخاب میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ ہر کام کے لیے نہایت موزوں آدمی منتخب فرماتے تھے۔

(التاریخ الاسلامی: ۹/ ۱۲۹)

## جنگ ذات السلاسل:

سب سے پہلی جنگ جو عراق میں ایرانیوں سے مسلمانوں کی لڑی گئی اس کو جنگ حفیر یا جنگ ذات السلاسل کہتے ہیں۔ یہاں کا حاکم ہرمز تھا جو کہ حکومت ایران کی طرف سے یہاں کا گورنر تھا۔ اگرچہ ہرمز حسب ونسب اور شرف و مرتبہ کے لحاظ سے ایک بڑا شخص تھا اور

ایرانیوں کے ہاں انتہائی احترام سے دیکھا جاتا تھا لیکن عرب اسے نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ کیونکہ ہرمز کا معاملہ اور سلوک عرب قبائل کے ساتھ نہایت برا تھا۔ وہ ان پر بہت ظلم ڈھاتا تھا۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ سے دس ہزار کے لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب وہ عراق کی سرحد پر پہنچے تو دیکھا کہ مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ آٹھ ہزار کی فوج کے ساتھ ان کے استقبال کے لیے موجود ہیں۔ اب کل فوج کی تعداد اٹھارہ ہزار تھی۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے آتے ہی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا اور تینوں حصوں کو حکم کہ وہ مختلف راستوں سے حفیر میں داخل ہوں۔ ایک حصہ کے سالار مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے۔ دوسرے کے سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ اور تیسرا حصہ خالد رضی اللہ عنہ نے اپنی ماتحتی میں رکھا۔ یہ تینوں لشکر دو اور تین روز کے وقفہ سے روانہ ہوئے۔ سب سے آخر میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی روانگی ہوئی، لیکن روانگی سے قبل انہوں نے ہرمز کے نام ایک خط بھیجا جس میں اسے کہا گیا کہ اول تو اسلام لے آؤ، امن و سلامتی میں رہو گے، اگر یہ منظور نہیں تو ذمی کی حیثیت سے تم اور تمہاری قوم جزیہ ادا کرے۔ اگر یہ بات بھی منظور نہیں تو پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ میں ان لوگوں کو تیرے پاس لے کر آیا ہوں جو موت کو ایسا ہی محبوب رکھتے ہیں جیسا تم لوگ زندگی کو محبوب رکھتے ہو۔

(طبری: ۴/۱۶۴، البدایہ والنہایہ: ۶/۳۴۴، ابوبکر الصدیق، خالد الجنابی: ص ۴۶)

ہرمز کو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا یہ خط بھی مل گیا اور ساتھ ہی اسے مسلمان فوجوں کی نقل و حرکت کی اطلاع بھی ملی۔ اس نے فوری طور پر شہنشاہ ایران سے رابطہ کیا اور تمام حالات سے اسے آگاہ کیا۔ پھر وہ ایک لشکر جرار لے کر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لیے چل پڑا۔ راستہ میں اسے پتہ چلا کہ خالد رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو "حفیر" کے مقام پر جمع ہونے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ وہ بھی حفیر کی طرف چل پڑا اور پوری تیز رفتاری کے ساتھ سفر کر کے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے پہلے حفیر پہنچ گیا، اور جاتے ہی یہاں پانی کے ایک گھاٹ پر پڑاؤ ڈالا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ جب حفیر پہنچے تو انہیں پڑاؤ کے لیے وہ جگہ ملی جہاں پانی نہیں تھا۔ آپ کے فوجیوں نے اس سلسلہ میں کچھ کہا تو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "کوئی بات نہیں، بے جگری سے لڑو بالآخر ان شاء اللہ پانی پر ہمارا ہی قبضہ ہوگا۔" اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی فریاد سن لی اور تھوڑی دیر کے بعد بارش ہوگئی جس سے پانی ہی پانی ہو گیا۔ (البدایہ والنہایہ: ۶/۳۴۷، طبری: ۴/۱۶۵)

اب دونوں فریقوں نے میدان جنگ میں صف بندی کی۔ ہرمز کے میمنہ اور میسرہ پر ایران کے شاہی خاندان کے دو ممتاز جرنیل قباذ اور انوشجان متعین کیے گئے اور تمام مردان کارزار نے اپنے آپ کو آپس میں زنجیروں میں جکڑ لیا تاکہ بھاگ نہ سکیں۔ اس وجہ سے اس جنگ کا نام ''جنگ ذات السلاسل'' ہے۔ لڑائی شروع ہونے سے قبل ہرمز نے اپنی صفوں سے باہر نکل کر دعوت مبارزت دی۔ وہ سمجھتا تھا کہ اگر خالد رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا تو مسلمانوں کی ساری فوج کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور ایرانی فوج کو فتح حاصل ہو جائے گی۔ وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ خالد رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا کوئی آسان کام نہیں لہٰذا ازراہِ فریب اس نے پہلے ہی سے اپنے چند سواروں کو تیار کر رکھا تھا کہ جب خالد رضی اللہ عنہ اکیلے ہرمز سے مصروف جنگ ہوں تو وہ خالد رضی اللہ عنہ پر حملہ کر کے انہیں قتل کر دیں۔ چنانچہ ہرمز نے جب خالد کو مبارزت کے لیے بلایا تو وہ فوری طور پر گھوڑے سے اتر کے پیدل ہی اس کے مقابلہ کے لیے چل پڑے۔ جونہی خالد رضی اللہ عنہ اس کے قریب پہنچے تو انہوں نے تلوار کھینچ کر اس پر حملہ کر دیا۔ اسی اثناء میں ہرمز کے مقرر کردہ آدمی بھی سامنے آ گئے لیکن سیدنا قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ فوری طور پر صف سے نکل کر اس زور سے اور تیزی سے ایرانی سواروں پر جھپٹے جیسے بھوکا باز چڑیوں پر جھپٹتا ہے [1]۔ اتنے میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے ہرمز پر ایسی ضرب کاری لگائی کہ وہ وہیں کھیت ہو گیا۔ اب ہرمز تو قتل ہو گیا اس سے ایرانی فوج کی ہمتیں اور حوصلے ٹوٹ گئے۔ اب مسلمانوں نے یک بارگی ایرانی فوج پر اس زور سے حملہ کیا کہ ایرانی جلد ہی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس وقت رات چھا چکی تھی اور چاروں طرف اندھیرا تھا لیکن مسلمانوں نے رات کی تاریکی میں بھی ایرانیوں کا تعاقب جاری رکھا اور دریائے فرات کے بڑے پل تک دشمن کا قتل جاری رکھا۔ شاہی خاندان کے دونوں بڑے جرنیل قباد اور انوشجان بھی بھاگنے والوں میں سے تھے۔ ایرانیوں کی بہت بڑی تعداد مسلمانوں کی تلواروں کا لقمہ بن گئی۔ اس جنگ میں بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا۔ اس میں ایک ہاتھی اور ہرمز کا بیش قیمت تاج بھی تھا۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے مال غنیمت کا پانچواں حصہ، ایرانی سپہ سالار کی بیش قیمت ٹوپی اور ایک ہاتھی جسے مسلمانوں نے جنگ کے دوران پکڑا تھا، بھی مدینہ منورہ بارگاہِ خلافت میں

---

[1] سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ قعقاع رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے تھے کہ ''جس لشکر میں ان جیسا آدمی ہو اس کو کبھی شکست نہیں ہو سکتی۔'' (طبری:۴، ۱۶۳)

بھیجا۔ اہل مدینہ ہاتھی کو دیکھ کر بہت حیران ہوئے کیونکہ انہوں نے اس سے قبل کبھی ہاتھی نہیں دیکھا تھا۔ چنانچہ ہاتھی کو مدینہ کی گلیوں اور شاہراہوں میں گھمایا گیا۔ مدینہ کے بوڑھے، بچے اور عورتیں اس کو دیکھ دیکھ کر خوش بھی ہوتے اور حیران بھی۔ بعد میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو واپس بھیج دیا۔

(طبری: ۴: ۱۶۵، ابن اثیر: ۲/۲۶۲، البدایہ والنہایہ: ۶/۳۴۴، التاریخ الاسلامی: ۹/۱۳۳، الصدیق، اول الخلفاء، ص ۱۳۱)

کسی غیر ملک کے ساتھ مسلمانوں کی یہ پہلی جنگ تھی اور پہلی ہی فتح تھی۔ یہ جنگ دشمن کی سرزمین میں لڑی گئی۔ اس میں دونوں فریقوں کو اپنی اپنی طاقت اور قوت کا پتہ چل گیا۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ اس زمانہ ایک سپر پاور مسلمانوں کی فوج سے شکست کھا کر بھاگ اٹھی ہے۔ اس جنگ کے بعد مسلمانوں کے دلوں میں ایک نئے ولولے اور نئے جوش نے کروٹ لی اور ان میں ایک نیا عزم اور نیا جذبہ پیدا ہوا جس نے مستقبل کی جنگوں میں بہت کام کیا۔

## جنگ ندار:

سیدنا مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ جب بھاگنے والوں کا تعاقب کر رہے تھے اور ان کی خواہش تھی کہ مدائن پہنچنے سے پہلے ہی ان لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ اسی دوران انہیں پتہ چلا کہ مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے مدائن سے ایک بڑے جرنیل کی زیر قیادت جس کا نام قارن ہے، ایک بہت بڑا لشکر آرہا ہے، یہ لشکر ہرمز کی مدد کے لیے ایرانی شہنشاہ اردشیر نے روانہ کیا تھا۔ اس کے مختلف دستوں کی قیادت ایران کے اشراف و امراء کر رہے تھے۔ سیدنا مثنیٰ ابن حارثہ رضی اللہ عنہ کو جب اس لشکر کے آنے کی اطلاع مل گئی تو وہ وہیں رک گئے۔ اس لشکر کا سپہ سالار قارن تھا۔ قارن جب لشکر لے کر آرہا تھا تو اسے ہرمز کے قتل کی اطلاع ملی اور اسے یہ بھی پتہ چل گیا کہ قباذ اور انوشجان میدان سے بھاگے چلے آرہے ہیں۔ چنانچہ وہ دونوں قارن کو راستہ میں مل گئے۔ قارن نے دیکھا کہ وہ دونوں بالکل ہی حوصلہ ہار چکے ہیں۔ اس نے ان دونوں کو تسلی دی اور انہیں اپنی قیادت میں لے کر آگے بڑھا۔ اس نے ندار کے مقام پر قیام کیا جو ایک ندی کے کنارے واقع ہے اور یہ ندی دجلہ اور فرات کو آپس میں ملاتی ہے۔

سیدنا مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو جب پتہ چلا کہ قارن نے ایک لشکر جرار کے ساتھ ندار

کے مقام پر پڑاؤ ڈالا ہے تو وہ ندار کے قریب ہی رک گئے۔ انہوں نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نہایت تیزی کے ساتھ ندار پہنچے۔ قارن ہرمز کا جلد از جلد انتقام لینا چاہتا تھا لیکن جب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ فوج لے کر پہنچ گئے تو قارن سخت پریشان ہو گیا، لیکن پھر بھی وہ نہایت پرامید تھا کہ اسلامی لشکر کو شکست دے کر وہ عراق کی حدود سے انہیں نکال باہر کرے گا۔ ادھر مسلمان اللہ پر بھروسہ کیے ہوئے تھے۔

مختصر یہ کہ دونوں فوجوں میں جنگ شروع ہوئی۔ ایرانی فوج کی طرف سے ایران کا نامور بہادر قارن خود مقابلہ کے لیے نکلا۔ ادھر سے معقل بن الاعمش آگے بڑھے۔ قارن مسلمان بہادر کے ہاتھوں قتل ہو گیا اور سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے قباذ کو اور سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ نے انوشجان کو قتل کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ: ۶ / ۳۴۵)

ابن اثیر کا بیان ہے کہ قارن، قباذ اور انوشجان ایران کے اتنے بڑے لوگ تھے کہ ان کے بعد پھر کسی جنگ میں ایران کا ان جیسا بہادر اور بلند مرتبہ شخص مسلمانوں کے ہاتھوں سے نہیں مارا گیا۔ (ابن اثیر: ۲/ ۲۶۳، طبری: ۴/ ۱۶۸، التاریخ الاسلامی: ۹/ ۱۳۱)

جنگ میں حصہ لینے والے ایرانی فوج کے بہت سے لوگ گرفتار کر لیے گئے جن میں عام لوگ بھی تھے اور کاشت کار اور مزارعین بھی، لیکن ان کے ساتھ نہایت نرمی کا سلوک کیا گیا۔ وہ لوگ جزیہ دینے پر راضی ہو گئے لہٰذا ان کو فوری طور پر چھوڑ دیا گیا اور ان کی زمینیں انہی کے پاس رہنے دی گئیں۔

## جنگ دلجہ:

ندار کی شکست نے ایرانیوں کو پاگل اور حواس باختہ کر دیا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اب کیا کیا جائے، کیونکہ ان کے چار بڑے جرنیل جو شاہی خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے مجد و شرف میں بھی نہایت اونچے مقام کے حامل تھے، قتل ہو گئے تھے۔ جس کی وجہ سے فوج کے حوصلے بھی نہایت پست ہو گئے تھے۔ اردشیر کو جب اس شکست کی خبر ملی تو وہ بہت سٹپٹایا۔ اب وہ عیسائی قبیلوں کو مسلمان عربوں کے مقابلہ میں لانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے عیسائی عرب قبائل کی ایک فوج مرتب کر کے دلجہ کی طرف روانہ کر دی۔

ان کی روانگی کے بعد اردشیر کو یہ خیال آیا کہ صرف ان عربوں کا میدان میں آنا

ہماری بہت بڑی توہین ہے کیونکہ اگر یہ قبائل کامیاب ہو گئے تو دنیا کیا کہے گی کہ مجوسی حکومت ناکام ہوگئی عیسائی عرب قبائل کامیاب ہو گئے۔ اس وجہ سے اس نے اپنا بھی ایک بہت بڑا لشکر اپنے ایک مشہور سپہ سالار بہمن جاذویہ کی زیر قیادت تیار کیا اور اس کو اس پہلے لشکر کے پیچھے بھیجا۔ بکر بن وائل عیسائی عربوں نے حیرہ اور دجلہ کے درمیان رہنے والے قبائل، کاشت کاروں اور مزارعین کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس طرح ایک بہت بڑا لشکر اپنے ہم وطنوں سے جنگ کرنے کے لیے دلجہ میں اکٹھا ہو گیا۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ ابھی ندار ہی میں مقیم تھے کہ انہیں ایرانی لشکر کی اس کارروائی کا پتہ چلا۔ انہوں نے اپنے کمانڈروں کو پیغام بھجوایا کہ پوری تیاری کریں اور اس خوش فہمی میں نہ رہیں کہ ہم نے دو دفعہ ایرانیوں کو شکست دی ہے اس لیے وہ اب بھی ہم سے شکست ہی کھائیں گے۔ اس پیغام کے بعد اب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ خود بھی ایرانیوں کی اس فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے دجلہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور سوید بن مقرن رضی اللہ عنہ کو لشکر کے عقب کی حفاظت اور مفتوحہ علاقے کی نگرانی کے لیے ندار چھوڑ آئے۔

ایرانیوں اور عرب قبائل دونوں کے لشکر الگ الگ تھے اور ہر ایک لشکر کا سردار اسی قوم سے تھا لیکن ان سب کا سپریم کمانڈر ایرانی بہمن جاذویہ تھا۔ جنگ شروع ہوئی اور فریقین نے اپنی اپنی بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھائے لیکن کسی ایک فریق کے بارے میں کامیابی کی پیش گوئی نہیں کی جا سکتی تھی۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے ندار سے روانہ ہوتے وقت اپنے دو سرداروں کو اپنے سے الگ کر کے یہ حکم دیا کہ وہ دو مختلف راستوں سے ایرانی لشکر کے عقب کی طرف سے میدان جنگ میں پہنچیں۔ یہ تدبیر بہت کامیاب رہی۔ ٹھیک اس وقت جب کہ میدان کارزار بہت گرم تھا اور گھمسان کا رن پڑا ہوا تھا، ان کے مقرر کردہ دونوں جرنیل اپنا اپنا دستہ لے کر ایرانی لشکر کے عقب میں پہنچ گئے۔ مسلمانوں کی فوج کے ان تازہ دم دستوں نے دشمن کو اپنی تلواروں کی باڑ پر رکھ لیا اور سامنے سے مسلمان فوج تلواریں چلا رہی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن بری طرح شکست کھا کر بھاگا۔ ان کی بہت بڑی تعداد قتل ہوئی اور ایرانیوں کو شکست کی ذلت کا منہ دیکھنا پڑا۔

اس معرکہ میں قبیلہ بنو بکر بن وائل کے کئی عربی النسل عیسائی کمانڈر مارے گئے۔ اس واقعہ نے عیسائی عربوں کو آتش زیر پا کر دیا۔ انہوں نے طیش میں آ کر خود بھی جنگ کی تیاریاں

شروع کر دیں اور ایرانی دربار سے بھی مدد کے لیے درخواست کی۔

(ابن اثیر: ۲/۵۲، ابوبکر الصدیق، خالد الجنابی: ص ۴۸، البدایہ والنہایہ: ۶/۳۵۰، التاریخ الاسلامی: ۹/ ۱۳۸-۱۳۹)

ایک روایت میں ہے کہ دلجہ کی جنگ میں خالد رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے ایرانی کو قتل کیا جو اپنے کو ہزار بہادروں کے برابر سمجھتا تھا۔ (التاریخ الاسلامی: ۹/ ۱۳۹)

## جنگ اُلیس:

اس تیسری شکست نے تو ایرانیوں کو بدحواس کیا ہی تھا لیکن سب سے زیادہ اثر عراق کے عرب قبائل پر پڑا، اس لیے کہ جنگ دلجہ میں قبیلہ بنو بکر بن وائل کو اپنے ہی ہم قوم اور اہل وطن کے مقابلہ میں شکست فاش ہوئی تھی۔ ان عیسائی عرب قبائل کی شکست کے باعث دوسرے عیسائی قبائل بھی عربوں کے سخت خلاف ہو گئے اور ان کے دلوں میں مسلمان فوج کے خلاف بغض وعناد اور غیظ وغضب کی ایک لہر دوڑ گئی۔ چنانچہ انہوں نے ایک دفعہ پھر مسلمانوں کے خلاف برسرپیکار ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ اب انہوں نے اردشیر اور دوسرے ایرانی جرنیلوں سے خط وکتابت کے ذریعہ بڑے پیمانے پر جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ انہوں نے بنو عجلان کے ایک شخص عبدالاسود کو اپنا قائد اور امیر لشکر بنایا اور اُلیس کے مقام پر اپنی فوجیں جمع کرنا شروع کر دیں جو حیرہ اور ایلہ کے درمیان واقع ہے۔ انہوں نے چونکہ شہنشاہ ایران سے بھی مدد طلب کی تھی۔ اس لیے اس نے اپنے سپہ سالار بہمن جاذویہ کے نام فرمان جاری کیا وہ زیادہ سے زیادہ فوج کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ میں عیسائیوں کی مدد کرے۔ یہ دراصل عیسائیوں کی مدد نہ تھی بلکہ خود ایرانیوں کی مدد تھی۔ جرنیل بہمن جاذویہ نے اردشیر کے فرمان کی تعمیل میں ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا۔ بہمن خود تو اردشیر سے بعض معاملات پر مشورہ کرنے کی غرض سے اردشیر کے پاس مدائن چلا گیا اور اپنی طرف سے جابان نامی سردار کو یہ کہہ کر فوج کے ساتھ بھیج دیا کہ جب تک وہ واپس نہ آ جائے جابان جنگ میں پیش قدمی نہیں کرے گا۔

جابان ایک بہت بڑی فوج لے کر اُلیس کے مقام پر آ گیا جہاں پہلے سے عیسائیوں کا لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ بہمن خود تو اردشیر کے ساتھ ملاقات کے لیے مدائن گیا۔ ان دنوں اردشیر سخت بیمار تھا۔ اس حالت میں اردشیر کے ساتھ ملاقات کرنا ممکن نہ تھا۔ لہٰذا اسے کچھ روز

مدائن میں رکنا پڑا لیکن اپنی اس مجبوری کی اطلاع وہ جابان کو نہ دے سکا۔ چنانچہ جابان اُلیس پہنچ کر بہمن کا انتظار کرنے لگا۔

دوسری طرف سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو پتا چلا کہ بنوعجلان، بنوتمیم اور بنوضیعیہ نے بھی اپنی فوج کو جمع ہونے کا حکم دیا ہے اور تمام عیسائی قبائل مسلمانوں کے مقابلہ میں اکٹھے ہو رہے ہیں تو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ پہلے تو اپنے لشکر کے ساتھ حفیر پہنچے تا کہ وہاں کے انتظام وانصرام کا جائزہ لے سکیں۔ کسی طرف سے وہاں حملے کا کوئی خطرہ تو نہیں اور کوئی طاقت معاملات کو بگاڑنے کی کوشش تو نہیں کر رہی۔ وہاں سے فارغ ہو کر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے اُلیس پہنچے۔ جونہی خالد اُلیس پہنچے انہوں نے دشمن کو سوچنے اور غور وفکر کا موقع دیئے بغیر جنگ شروع کر دی۔ عیسائی فوج کا بہادر مالک بن قیس آگے بڑھا لیکن سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے ایک ہی کاری وار کر کے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائی فوج میں افراتفری پیدا ہوگئی اور ان کے پاؤں بھاگنے کے لیے اکھڑنا شروع ہو گئے۔ بھلا تثلیث کے پجاری توحید کے متوالوں کا کیسے مقابلہ کر سکتے تھے۔ ایرانیوں کو عیسائیوں کی اس گھبراہٹ کا جب علم ہوا تو انہیں سخت پریشانی ہوئی۔ جابان ایرانی فوج کا ایک دستہ لے کر میدان جنگ میں آیا اور عیسائی فوج کو جوش دلاتے ہوئے مسلمانوں سے لڑنے کی تلقین کرتا رہا، لیکن اکھڑے ہوئے پاؤں روکنے سے مشکل ہی رکتے ہیں۔ اب جابان نے چند آدمیوں کو یہ اعلان کرنے پر مقرر کر دیا کہ جرنیل بہمن جاذویہ ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ تم لوگوں کی مدد کے لیے پہنچنے والا ہے لہٰذا ان کے پہنچنے تک تم لوگ نہایت استقلال اور ثابت قدمی کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ میں ڈٹے رہو۔ اس اعلان سے عیسائیوں کو کچھ سکون واطمینان تو ہوا اور وہ قدرے سنبھل بھی گئے اور بہادری سے لڑنے بھی لگے لیکن اب عیسائیوں کی بہادری کا تمام دارومدار بہمن کے آنے پر تھا جس کے آنے کا ابھی تک پتہ نہیں چل رہا تھا اور جابان بھی پریشان تھا کہ بہمن ابھی تک کیوں نہیں آیا۔

دوسری طرف سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں سے کہا کہ وہ بھرپور طاقت کے ساتھ غنیم پر حملہ کر دیں۔ اللہ تعالیٰ ضرور ان کی مدد فرمائیں گے۔ اس اعلان کے بعد مسلمانوں کے حملہ سے دشمن کی صفوں میں انتشار پیدا ہونے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اعلان کر دیا کہ بھاگنے والوں کا تعاقب کیا جائے اور ان کو زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور قتل صرف انہی کو کیا گیا جو گرفت میں نہیں آ رہے تھے۔

اس دوران ایک واقعہ یہ رونما ہوگیا کہ لڑائی شروع ہونے سے قبل ایرانی فوجوں کے لیے کھانا تیار ہو رہا تھا بلکہ تیار کیا گیا تھا اور وہ نہایت سے بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے موقع کو غنیمت جان کر نہایت جوش وخروش سے حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کے حملہ کی تاب نہ لا کر وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور وہ پکا پکایا کھایا مسلمانوں کے ہاتھ آیا جس کا نام انہوں نے ''الرقاق البیض'' رکھا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے مسلمان فوجیوں سے کہا: ''اللہ نے یہ کھانا تمہارے لیے تیار کرایا تھا۔ اب تم اسے اطمینان سے کھاؤ۔'' وہ نہایت عجیب اور لذیذ کھانا تھا۔ سادہ زندگی بسر کرنے والے عربوں نے پوری زندگی کبھی اس قسم کا کھانا نہیں کھایا تھا۔ مسلمان اس کو کھاتے جاتے اور اللہ کا شکر ادا کرتے جاتے تھے۔

(طبری: ۴/۳/۱۷۴، البدایہ والنہایہ: ۶/۳۵۱، ابن اثیر: ۲/۵۲، ابوبکر الصدیق، خالد الجنابی: ص ۴۹)

## امنیشیا کی فتح:

الیس کی فتح کے بعد سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے ایک اور شہر امنیشیا جو دریائے فرات اور نہر بادقلی کے سنگم پر واقع تھا، اور ایک نہایت ترقی یافتہ شہر تھا، کا رخ کیا کیونکہ اس شہر نے الیس کی جنگ میں عیسائیوں اور ایرانیوں کی مالی مدد کی تھی۔ خالد رضی اللہ عنہ جونہی امنیشیا پہنچے۔ وہاں کے باشندے خالد رضی اللہ عنہ کی آمد کی خبر سن کر بھاگ گئے اور جس کا جدھر سینگ سمایا چل دیا۔

یہ شہر چونکہ مال دار لوگوں کا تھا اس لیے یہاں سے مسلمانوں کو اس قدر مال غنیمت حاصل ہوا کہ جنگ ذات السلاسل کے بعد حاصل نہیں ہوا۔ مال غنیمت کی تقسیم کے بعد اس کا پانچواں حصہ بارگاہِ خلافت میں بھیج دیا گیا۔ کچھ قیدیوں کو بھی مدینہ بھیج دیا گیا۔ جو شخص مال غنیمت اور قیدیوں کو لے کر گیا اس کا تعلق بنو عجل سے تھا۔ اس کا نام ''جندل'' تھا۔ اس نے مدینہ پہنچ کر قیدی اور مال غنیمت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا اور سیدنا خالد کی جنگی عظمت، حکمت عملی، ان کے فتوحات کے واقعات اور مسلمان فوجیوں کی بہادری اور شجاعت کے واقعات بھی بیان فرمائے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی جنگی مہارت اور ان کے کارناموں کو سن کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ آپ نے اسی خوشی کی حالت میں فرمایا:

عـدا اسـدكـم عـلـى الاسد فغلنبه علىٰ خراذيله، إعجرت النساء أل

ینسلن مثل خالد. (التاریخ الاسلامی:۹/۱۴۴)

''(اے گروہ قریش!) تمہارے شیر نے ایک دوسرے شیر پر حملہ کر دیا اور اس کے کچھار میں گھس کر اس کو مغلوب کر لیا، اب عورتیں خالد رضی اللہ عنہ جیسا بہادر پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خالد رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ قول نہایت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لوگوں کی بہت پہچان تھی۔ اور سیدنا صدیق بھی کوئی معمولی شخص نہیں تھے یعنی مسلمانوں کے سب سے بڑے خلیفہ، وہ بھی سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی عبقریت، شجاعت و بہادری اور ان کی جنگی مہارت کو ان الفاظ میں بیان کرتے تھے۔ (خالد بن الولید، صادق عرجون: ص ۲۱۶)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبری: ۴/ ۱۷۵، ابن اثیر: ۲/۲۶۴، البدایہ والنہایہ: ۶/ ۳۴۶، التاریخ الاسلامی: ۹/ ۱۴۴)

## اردشیر کی موت:

شہنشاہ ایران اردشیر ان دنوں سخت بیمار تھا۔ اپنی فوج کی پے در پے شکستوں سے پریشان ہو کر وہ چند ہی روز میں مر گیا۔ اب ایرانیوں کے لیے دو صدمے تھے۔ ایک اردشیر کی موت اور دوسرا صحرائے شام اور دجلہ وفرات کے درمیانی علاقے میں مسلمانوں کی پیش قدمی اور ایرانی افواج کی پے در پے شکستوں کا صدمہ۔ ایرانی حکومت کی سمجھ میں اب نہیں آتا تھا کہ کیا کیا جائے۔ جن علاقوں پر درفشِ کادیانی کے بجائے سبز ہلالی پرچم لہرا رہا تھا، ان کی واپسی کا اب انہیں کوئی امکان نہیں رہا کیونکہ مسلمانوں نے وہاں جو نظم ونسق قائم کیا تھا اس سے وہاں کی رعایا نے سکھ کا سانس لیا تھا اور ان کی تمام ہمدردیاں اب ایرانیوں کے بجائے مسلمانوں کے ساتھ تھیں۔

## حیرہ کی فتح:

الیس کی جنگ کے بعد سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی دوربین نگاہیں مستقبل کے خطرات کو بھانپ گئی تھیں، وہ یہ کہ عیسائیوں کو مسلمانوں سے مقابلہ میں اردشیر لایا تھا ورنہ وہ تو کسی صورت بھی مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اب عیسائیوں کو جو شکستیں ہوئیں انہوں

نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف انتقام کی آگ بھردی۔خطرہ تھا کہ انتقام کی یہ آگ کہیں شعلۂ جوالہ نہ بن جائے، لہٰذا ان تمام راستوں کو بند کر دیا جائے جن کے ذریعہ سے یہ مسلمانوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔لہٰذا حیرہ پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔حیرہ پر قبضہ سے دریائے فرات کے مغربی جانب جزیرہ نمائے عرب کی مغربی حدوں تک کے تمام علاقوں پر مسلمانوں کے قدم اچھی طرح جم جائیں گے اور عیسائی عربوں کی طرف سے حملہ کا کوئی خطرہ باقی نہیں رہے گا۔ چنانچہ امنیشیا کی مہم سے فراغت کے بعد سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے حیرہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔

حیرہ کا گورنر اس وقت آزاذبہ نامی ایک ایرانی تھا۔اس کا اندازہ تھا کہ خالد کشتیوں کے ذریعہ حیرہ پہنچیں گے، لہٰذا اس نے دریائے فرات کا پانی رکوا دیا اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے سپاہیوں کی کشتیاں زمین سے لگ گئیں۔ پتہ چلا کہ ایرانیوں نے دریا پر بند باندھ کر دریا کا پانی روک دیا ہے۔اور دریا کا پانی ان نہروں میں چھوڑ دیا گیا ہے جو اس کے مختلف مقامات سے نکالی گئی ہیں۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کشتیوں سے اترے اور فوج کا ایک دستہ لے کر دریا کے دہانہ پر آئے۔ دیکھا کہ وہاں آزاذبہ کا لڑکا فوج کا ایک دستہ لے کر دریا کے دہانہ پر کھڑا ہے اور پانی کے رخ کو موڑنے کی نگرانی کر رہا ہے۔سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اس پر حملہ کر کے اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس کے ساتھیوں کو بھی قتل کر دیا اور خود کھڑے ہو کر دریا کا بند کھلوا کر پانی چلوایا۔ چنانچہ آپ کی کشتیاں خورنق کے مقام پر پہنچ گئیں اور انہوں نے خورنق کے محل کے بالکل سامنے خیمے گاڑ دیے۔

آزاذبہ کے لیے یہ وقت نہایت نازک تھا۔ایک طرف اردشیر کی موت اور دوسری طرف اس کے بیٹے اور اس کے ساتھیوں کا قتل۔لہٰذا اس کو سوائے بھاگنے کے اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے پہلے تو خورنق اور نجف پر قبضہ کیا جو امرائے حیرہ کے گرمیوں کا صدر مقام تھا۔اس کے بعد انہوں نے حیرہ کے باہر پڑاؤ ڈال دیا، اور باشندگان حیرہ اپنے چار قلعوں میں محصور ہو کر رہ گئے۔ گورنر حیرہ تو بھاگ گیا اور شہر کے لوگوں نے باہمی مشورہ سے مسلمانوں کے ساتھ صلح کر لی۔

مسلمانوں نے ان کے سامنے تین شرطیں پیش کیں۔ یا تو اسلام قبول کر لو جس کو لوگوں نے قبول نہ کیا۔عیسائی راہبوں نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو پیغام بھجوایا کہ ہم صلح کے بارے

میں آپ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ سیدنا نے ان کے پیغام کے جواب میں انہیں صلح کی دعوت دی۔ طبری کی روایت کے مطابق عمرو بن عبدالمسیح اور ایاس بن قبیصہ معززین شہر کو کو ساتھ لے کر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے بات چیت کی۔

طبری اور ابن اثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ عمرو بن عبدالمسیح جب صلح کی گفتگو کرنے کے لیے آیا تو اس کے خادم کے ساتھ ایک تھیلی میں زہر تھا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اور اسے کیوں ساتھ لایا؟ اس نے جواب دیا کہ ''سم ساعۃ'' (فی الفور ہلاک کرنے والا زہر ہے) اور یہ اس لیے ساتھ لایا تھا کہ اگر میں تم لوگوں کے ایسے حالات نہ دیکھتا جو اب دیکھ رہا ہوں تو میں اپنی قوم کے لیے کسی مکروہ بات کا ذریعہ نہ بنتا بلکہ زہر کھا کر ہلاک ہو جاتا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے زہر کو اپنی تھیلی میں رکھ کر فرمایا کہ کوئی شخص اجل معین سے پہلے نہیں مرتا اور نہ ہی کوئی شے بلا حکم خداوندی اثر کرتی ہے اور یہ کہہ کر آپ نے یہ دعا پڑھی:

بسم اللہ خیر الاسماء، رب الارض ورب السماء، الذی لیس یضر مع اسمہ داء الرحمن الرحیم۔

اور زہر کو نگل لیا۔ عمرو بن عبدالمسیح نے اگرچہ ایک حیرت انگیز اور تعجب خیز بات دیکھی تھی لیکن وہ خود عالم اور تجربہ کار آدمی تھا، اس لیے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے کہا: ''بخدا! تم میں سے ایک بھی جب تک ایسا رہے گا تم اپنی مراد کو پہنچتے رہو گے۔'' اور پھر اہل حیرہ سے کہا: ''میں نے آج تک کوئی ایسی واضح بات نہیں دیکھی۔'' اس کے بعد اس نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے ایک سالانہ رقم معین کر کے صلح کر لی اہل حیرہ کے جان و مال کی محافظت مسلمانوں کے جان و مال کی طرح کی جائے گی۔

(تاریخ الدعوۃ الی الاسلام: ص ۳۴۸، ابن اثیر: ۲/۱۵۰، طبری: ۴/۱۸۱، التاریخ الاسلامی: ۹/ ۱۴۸، ابوبکر الصدیق، طنطاوی: ص ۳۳)

اہل حیرہ نے اسلام قبول کرنے کی شرط کو تو قبول نہ کیا البتہ جزیہ دینا قبول کر لیا۔ چنانچہ ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ جزیہ پر اہل حیرہ سے صلح ہو گئی۔ اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے درج ذیل صلح نامہ لکھ کر ان کے حوالے کیا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ''یہ وہ عہد نامہ ہے جو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے سردارانِ حیرہ عمرو بن عدی، عدی بن عدی، عمرو بن عبدالمسیح، ایاس بن قبیصہ اور جری بن اکال سے کیا

ہے۔ اہل حیرہ نے اس عہد نامہ کو قبول کر لیا ہے اور اپنے سرداروں کو اس کی تکمیل کے لیے مجاز گردانا ہے۔ عہد نامہ کے مطابق اہل حیرہ کو ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ جزیہ ادا کرنا ہوگا۔ یہ جزیہ ان کے پادریوں اور ان کے راہبوں سے بھی وصول کیا جائے گا، البتہ محتاجوں، اپاہجوں اور تارک الدنیا راہبوں کو معاف ہوگا۔ اگر یہ جزیہ باقاعدہ ادا کیا جاتا رہا تو اہل حیرہ کی حفاظت کی پوری ذمہ داری مسلمانوں پر ہوگی۔ اگر وہ ان کی حفاظت کرنے میں ناکام رہے تو پھر ان سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ اگر قول یا فعل کے ذریعہ بدعہدی کی گئی تو یہ ذمہ داری ختم سمجھی جائے گی۔ یہ معاہدہ ربیع الاول ۱۲ھ میں لکھا گیا۔''

(طبری: ۴/ ۱۷۸، تاریخ الدعوۃ الی الاسلام: ص ۳۴۸)

بعض روایات میں ہے کہ فتح حیرہ کے بعد جب تمام معاملات مکمل ہو گئے تو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رب العزت میں شکرانے کے آٹھ نوافل پڑھے۔ بعد ازاں اپنے رفقاء سے فرمایا:

''جنگ موتہ کے روز میرے ہاتھ سے یکے بعد دیگرے نو تلواریں ٹوٹی تھیں لیکن مجھے جتنا شدید مقابلہ اہل فارس کا کرنا پڑا ہے اس سے پہلے کسی اور جنگ میں نہیں کرنا پڑا۔ اہل فارس میں سے انہیں کے باشندوں نے جس جوانمردی، شجاعت اور بہادری سے میرا مقابلہ کیا اس کی مثال میں نے پہلے کسی مقابلہ میں نہیں دیکھی۔'' (طبری: ۴/ ۱۷۹)

## جزیرۂ عرب سے باہر فوجی ہیڈ کواٹر:

حیرہ ہر لحاظ سے ایک نہایت اعلیٰ مقام تھا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اس کو اردگرد کے مفتوحہ علاقہ کے لیے عرب سے باہر اپنا پہلا فوجی ہیڈ کوارٹر بنایا، لیکن آپ نے مفتوحہ علاقوں کے انتظامی معاملات وہاں کے مقامی لوگوں کے سپرد کر دیئے جس سے وہ بہت خوش ہو گئے۔ حیرہ کے گردونواح کے لوگوں نے جب دیکھا کہ وہاں کے لوگ نہایت فارغ البال اور امن و سکون کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور یہاں کے لوگوں کو پوری مذہبی اور تجارتی آزادی ہے تو وہ نہایت متاثر ہوئے اور مسلمانوں کے ماتحت رہنے پر از خود تیار ہو گئے۔ اسلامی حکومت میں امیر وغریب کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ ہر شخص اپنی جگہ خوش تھا۔ اس وجہ سے ان کے دلوں میں مسلمانوں

کے لیے محبت کے جذبات پیدا ہو گئے۔ چنانچہ کئی علاقوں کے لوگوں نے ازخود اس بات کا اظہار کیا کہ ہمارے ساتھ بھی اسی طرح کا معاہدہ کیا جائے جس طرح کا معاہدہ اہل حیرہ کے ساتھ کیا گیا ہے۔ (خالد بن الولید، صادق عرجون: ص۲۲۲)

## بسما اور بانقیا کا معاہدہ:

ان جنگوں نے مسلمانوں کے حوصلوں کو بڑھاوا دیا۔ ان کی ہمتیں جوان ہو گئیں، لہٰذا سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے سامنے اب سب سے بڑا مرحلہ ایرانی دار الحکومت مدائن کی فتح کا تھا لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حکم آ گیا کہ جب تک عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ ان سے آ کر نہ مل جائیں اور جب تک میں نہ کہوں اس وقت تک مدائن کی طرف پیش قدمی نہ کی جائے۔ اس لیے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے حیرہ کو اپنی فوج کا ہیڈ کوارٹر بنایا اور کم و بیش سال بھر یہاں مقیم رہے۔ اس قیام کے بہت فائدے ہوئے۔ سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کا حسن سلوک دیکھ کر کئی علاقوں کے لوگوں نے مسلمانوں سے صلح کے معاہدات کیے۔ سب سے پہلے اس سلسلہ میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے جس شخص نے معاہدہ کیا وہ دیرناطف کا پادری تھا جس کا نام صلوبا بن نسطونا تھا۔ اس کا تعلق بانقیا اور بسماء کے دو قصبات سے تھا۔ اس نے اپنی قوم کی طرف سے دس ہزار درہم سالانہ جزیہ ادا کرنے کا معاہدہ کیا۔ (طبری: ۴/۱۸۰)

صلوبا کے اس معاہدہ کے بعد دوسرے دیہات اور علاقوں کے زمینداروں نے بھی سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے صلح کے معاہدے کر لیے۔ چنانچہ بعض علاقوں سے بیس لاکھ درم سالانہ کا معاہدہ ہوا۔ معاہدۂ مصالحت میں یہ بھی طے پایا کہ آل کسریٰ کی تمام املاک مسلمانوں کی ملکیت ہوں گی۔ جو لوگ وطن چھوڑ کر ان کے ساتھ چلے گئے وہ اس مصالحت سے خارج ہوں گے اور ان کی املاک بھی مسلمانوں کی ملکیت ہوں گی۔ (طبری: ۴/۱۸۷)

## سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے عمال و امراء:

جزیے اور خراج کے جو معاہدات سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اہل حیرہ اور دوسرے علاقوں کے لوگوں سے کیے ان کے جزیہ وغیرہ کی وصول یابی کے لیے عمال اور امراء کو مقرر فرمایا جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

① فلالیج کے علاقہ کے لیے عبداللہ بن وثیمہ
② بانقیا کے علاقہ کے لیے جریر بن عبداللہ
③ نہرین کے علاقہ کے لیے بشیر بن الخصاصیہ
④ تستر کے لیے سوید بن مقرن
⑤ روزستان یک لیبی اُط بن ابی اُط

اس انتظام کے باعث تمام علاقوں کا خراج اور جزیہ پچاس روز کے اندر اندر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ جاتا۔

سرحدوں کی حفاظت کے لیے مندرجہ ذیل امراء کا تقرر کیا گیا:

① ضرار بن الازور رضی اللہ عنہ
② مثنیٰ بن حارثہ الشیبانی رضی اللہ عنہ
③ ضرار بن الخطاب رضی اللہ عنہ
④ ضرار بن مقرن رضی اللہ عنہ
⑤ قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ
⑥ بسر بن ابی رہم رضی اللہ عنہ
⑦ عتیبہ بن نہاس رضی اللہ عنہ

یہ لوگ سرحدی چھاؤنی پر پہنچ کر مملکت کی سرحد کے ساتھ ساتھ قیام پذیر ہو گئے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے انہیں حکم دیا تھا کہ دشمن پر یورش کرتے رہو اور اسے چین سے نہ بیٹھنے دو۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی سرحد سے آگے دجلہ کے کنارے تک سارا علاقہ دشمن سے چھین لیا تھا۔

(ابوبکر الصدیق، خالد الجنابی: ص ۵۱۔۵۲)

## دو مکتوب:

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حیرہ میں بیٹھے ہوئے قریباً ایک سال ہو گیا۔ وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے احکام کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہدایات کے تحت ہی حیرہ میں مقیم تھے۔ وہ ایک ماہر جرنیل تھے۔ اور ایک جرنیل کے لیے بیکار بیٹھنا بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ حیرہ میں بیکار بیٹھنے سے وہ سخت پریشان تھے۔ کئی دفعہ انہوں نے اس کا اظہار بھی اپنے رفقاء

سے فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے میرے پاؤں باندھ رکھے ہیں ورنہ مدائن کب کا فتح ہوگیا ہوتا۔
جب وہ بیٹھے بیٹھے زیادہ ہی اکتا گئے تو انہوں نے دو مکتوب دو آدمیوں مرہ اور حزقیل کے ہاتھ ملوک ایران اور دوسرے امراء اور عمال ایران کے نام بھیجے۔ ملوک ایران کے نام مکتوب لے کر مرہ گیا اور اسے کہا کہ میرا یہ خط ملوک ایران کے پاس پہنچا دو۔ مجھے پوری پوری امید ہے کہ یا تو وہ ان کے عیش و آرام کو تلخ کر دے گا، یا وہ لوگ اسلام قبول کر لیں گے یا پھر ہم سے مصالحت کر لیں گے۔ دونوں خطوط کا مضمون قریباً ایک جیسا ہی ہے۔ ایرانی امراء و عمال کے نام جو خط آپ نے حزقیل کے ہاتھ بھیجا اس میں لکھا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! یہ خط خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایرانی امراء اور حکام کے نام ہے۔ تم لوگ اسلام قبول کر لو سلامت رہو گے، یا پھر جزیہ ادا کرو، ہم تمہاری حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے، ورنہ یاد رکھو، میں ایک ایسی قوم کے ساتھ تمہاری طرف آنے والا ہوں جو موت پر اتنی ہی فریفتہ ہے جتنے تم لوگ شراب نوشی پر۔''

**(قد جئتکم بقوم یحبون الموت کما تحبون شرب الخمر)**

(طبری:۴/۵۷۲، البدایہ والنہایہ:۶/۳۴۶)

## فتح انبار (ذات العیون)

اس زمانے میں جب مسلمان دجلہ کے اس طرف فتح پر فتح حاصل کر رہے تھے، اہل فارس اردشیر کی موت کے باعث اندرونی تشتت و افتراق میں الجھے ہوئے تھے۔ ان کی ژولیدہ حالی کی وجہ سے تخت ایران پر قبضہ کرنے کے لیے جوتیوں میں دال بٹ رہی تھی۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے دل میں مدائن کو فتح کرنے کی ایک تڑپ تھی۔ جب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا خط ان کے پاس پہنچا تو ان کی آنکھیں کھلیں اور انہوں نے اپنے اختلافات اور تنازعات ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلے کے مطابق فرخ زاد کو عارضی طور پر سلطنت کا نگران مقرر کیا تاکہ ایرانی دستور کے مطابق آل کسریٰ میں سے کسی شہزادے پر سب متفق ہو سکیں۔

دوسری طرف جب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو مفتوحہ علاقوں کے انتظام و انصرام کے بارے میں پورا پورا اطمینان ہوگیا تو انہوں نے سیدنا قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کو حیرہ میں اپنا نائب بنا کر خود سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کی اعانت کے لیے روانہ ہو گئے کیونکہ وہ کافی مدت سے دومۃ الجندل

میں پھنسے ہوئے تھے۔ مقدمۃ الجیش پر سیدنا اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ مقرر تھے۔ حیرہ سے چل کر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سب سے پہلے فلوجہ پہنچے۔ وہاں سے کربلا گئے۔ یہاں آپ نے کچھ روز قیام کیا۔ اس کے بعد یہاں سے انبار پہنچے۔ انبار بغداد کے مغرب میں دس فرسخ کے فاصلہ پر دریائے فرات کے کنارے واقع ہے۔ انبار کو انبار کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں غلہ اور اناج کے انبار لگے رہتے ہیں۔ نعمان بن منذر کے خاص لوگ اور اس کے دست کاروں کو یہیں سے غلہ فراہم کیا جاتا تھا۔ (فتوح البلدان، بلاذری: ص ۲۵۵)

انبار میں بڑی آبادی عربوں کی تھی جن کے آباء واجداد بخت نصر کے عہد حکومت میں یہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔ یہ لوگ عربی لکھنا بھی جانتے تھے۔

(فتوح البلدان: ص ۲۵۵، طبری: ۲/۵۷۶)

انبار کے لوگوں کو جب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی آمد کی خبر پہنچی تو وہ شہر کے اردگرد خندق کھود کر قلعہ بند ہو گئے اور اس طرح وہ اپنے کو محفوظ سمجھ کر اطمینان سے بیٹھ رہے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ مقدمۃ الجیش کے ساتھ ہی وہاں پہنچ گئے خندق کے کنارے کنارے آپ نے قلعہ کا ایک چکر لگایا اور جنگ شروع کر دی۔ آپ کی عادت تھی کہ جہاں کہیں جنگ کا موقع نظر آتا تھا تو آپ سے ضبط نہ ہو سکتا تھا۔ آپ نے اپنے تیر اندازوں سے کہا کہ تم غنیم کی آنکھوں کو تاک تاک کر انہیں نشانہ بناؤ۔ چنانچہ تیر اندازوں نے ایسا ہی کیا اور ایک روز میں اہل انبار کے ایک ہزار جوانوں کی آنکھیں بیکار ہو گئیں۔ اسی وجہ سے اس جنگ کا نام ''ذات العیون'' بھی ہے۔

(البدایہ والنہایہ: ۶/۳۵۳، ابن اثیر: ۲/۳۶۹، طبری: ۴/۱۹۱)

اہل انبار کا قائد اور سپہ سالار شیرزاد تھا جو نہایت مدبر اور عقل مند آدمی تھا۔ اس نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو صلح کی پیش کش کی جو کہ ناکام رہی کیونکہ شیرزاد کے جو شرطیں پیش کیں وہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے لیے ناقابل قبول تھیں۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اس شہر کو جلد فتح کرنا چاہتے تھے چنانچہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ فوج کے ساتھ اس مقام پر آئے جہاں خندق تنگ تھی۔ آپ نے حکم دیا کہ لشکر کے مریض اونٹ ذبح کر کے خندق میں پھینک دیے جائیں۔ چنانچہ آپ نے فوج کو ساتھ لے کر خندق کو پار کر کے ایرانی فوج کو قلعہ میں محصور کر دیا۔ یہ حالت دیکھ کر شیرزاد نے پھر صلح کے لیے سلسلہ جنبانی کی اور یہ پیش کش کی کہ اگر اس کی جان بخشی کر دی جائے تو وہ سواروں کے ساتھ بغیر کچھ سامان لیے خالی ہاتھ شہر سے باہر نکل جائے گا۔ اس کی یہ پیش کش منظور کر لی گئی۔ شیرزاد

شہر سے نکل گیا اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ انبار کے نواحی علاقے کے لوگوں نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے خود بخود صلح کر لی۔

(طبری: ۴/ ۱۹۱، ابن اثیر: ۲/ ۲۶۹، البدایہ والنہایہ: ۶/ ۳۵۳، تاریخ الدعوۃ الی الاسلام: ص ۳۵۰)

## معرکہ عین التمر :

انبار کی فتح سے فارغ ہو کر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے زبرقان بن بدر کو اپنا نائب مقرر کر کے خود عین التمر کا رخ کیا۔ عین التمر کوفہ کے مغرب میں انبار کے قریب ایک قصبہ ہے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ تین روز کی مسافت کے بعد یہاں پہنچے۔ بہرام چوبین کا لڑکا مہران یہاں کا گورنر تھا۔ اس کے بعد ایرانیوں کی فوج کے علاوہ بنو تغلب، بنو نمر اور بنو ایاد کے بدوی قبائل اور بادیہ شام کے عربی النسل عیسائی قبائل بھی موجود تھے جن کی قیادت عقبہ بن ابی عقہ اور بذیل کے سپرد تھی اور ان سب کا سپریم کمانڈر مہران تھا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ جب عین التمر پہنچے تو عقہ نے مہران سے کہا: ''ہم عرب کے رہنے والے ہیں اور عربوں سے کس طرح لڑا جا سکتا ہے اس کو ہم بخوبی جانتے ہیں۔ تم ہمیں مسلمانوں سے لڑنے دو۔ مہران نے اس کی یہ بات مان لی۔ صرف اتنا کہا کہ اگر ہماری ضرورت پڑی تو ہم بھی تمہاری مدد کے لیے حاضر ہیں۔ ایران کے فوجی مہران کی بات کی تہہ تک نہ پہنچ سکے، اس لیے انہوں نے اس جواب کو مہران کی دون ہمتی اور بزدلی پر محمول کیا اور مہران کو اس کے جواب پر ملامت کی۔ مہران نے کہا: ''مجھے ملامت نہ کرو میں نے تمہارے فائدے کی بات کی ہے۔'' مسلمانوں کا جو شخص لڑائی کے لیے آ رہا ہے اس کا نام خالد بن ولید ہے۔ اس نے تمہارے بڑے بڑے جرنیلوں اور فوجی امراء کو قتل کیا ہے۔ اس نے تمہاری سلطنت کی چولیں ہلا کر رکھ دی ہیں۔ تم تماشا دیکھو اور عربوں کو عربوں سے لڑنے دو۔ اگر عقہ اور اس کا لشکر کامیاب ہو گیا تو پھر بھی ہماری فتح ہو گی ورنہ عقہ اور مسلمان فوج لڑتے لڑتے کمزور ہو جائے گی اور ہم تازہ دم ہوں گے اور مسلمانوں کی فوج پر حملہ کر کے انہیں نہایت آسانی سے شکست دے دیں گے۔ مہران کی یہ بات سن کر ایرانی امراء خاموش ہو گئے۔

(البدایہ والنہایہ: ۶/ ۳۵۴)

چنانچہ عقہ اپنی فوج لے کر خالد رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھا۔ عقہ اور مہران کے درمیان چند

میلوں کی مسافت تھی۔ عقہ نے ایک مقام پر پہنچ کر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا راستہ روکا اور اپنی فوج کو ترتیب دینے لگا۔ مقابلہ میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی فوج کی صف بندی کی۔ اب عقہ نے آگے بڑھ کر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا، لیکن خالد رضی اللہ عنہ نے عقہ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر گرفتار کر لیا۔ عقہ کی گرفتاری نے اس کی فوج کے پاؤں اکھاڑ دیئے۔ عقہ کی فوج بدحواس ہو کر بھاگی۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا۔ کافی لوگوں کو گرفتار بھی کیا اور قتل بھی۔ مہران نہایت اطمینان کے ساتھ عین التمر کے قلعہ میں بیٹھا مسلمانوں کی شکست اور عقہ کی کامیابی کی خبر سننے کا منتظر تھا۔ لیکن جب اسے عقہ کی گرفتاری اور اس کی فوج کی ہزیمت کی خبر پہنچی تو وہ بہت پریشان ہوا اور اپنی فوج کو ساتھ لے کر قلعہ سے بھاگ گیا وہاں معمولی فوج یا پھر عقہ کی بھاگی ہوئی فوج کے سپاہی رہ گئے۔ وہ محصورین تو کچھ دیر تک پتھروں سے مسلمان فوج کا مقابلہ کرتے رہے آخر غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیئے۔ جونہی قلعے کے دروازے کھلے تو تمام لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا اور قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ عقہ اور اس کے سخت پرداز ساتھیوں کو تو قتل کر دیا گیا اور قلعہ کے تمام مال و اسباب پر قبضہ کر لیا گیا۔ اس قلعہ میں ایک گرجا تھا جس میں چالیس لڑکے تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ جب مسلمان قلعہ میں داخل ہوئے تو گرجا کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ دروازہ کھلوایا تو اندر سے چالیس لڑکے انجیل پڑھتے ہوئے ملے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' انہوں نے کہا: ''ہم اس کلیسا کے لیے وقف ہیں۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے ان کو وہاں سے نکال کر فوجیوں میں تقسیم کر دیا۔ ان لڑکوں میں سے بعض بہت اونچے لوگ بنے جیسے امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا غلام حمران، اور عظیم شہرت یافتہ جرنیل فاتحہ اندلس موسیٰ بن نصیر تھے۔ یہ وہ عظیم لوگ ثابت ہوئے جنہوں نے اسلامی سلطنت کے استحکام کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو مال غنیمت کا خمس اور فتح کی خوش خبری کے ساتھ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس بات کا کوئی علم نہ تھا کہ خالد رضی اللہ عنہ حیرہ سے نکل کر ایرانی فوجوں کا مقابلہ کر رہے ہیں سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو وہ وجہ بھی بتائی جس کے باعث خالد رضی اللہ عنہ حیرہ سے نکل کر انبار اور پھر عین التمر کی فتح پر مجبور ہوئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ واقعات کی تفصیل سن کر خاموش ہو گئے۔ لیکن سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ جو قریباً ایک سال سے دومۃ الجندل میں رکے ہوئے تھے۔ ان کے بارے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سخت تشویش تھی۔ (البدایہ والنہایہ: ۳۵۴/۵۶)

## خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دومۃ الجندل میں:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی باتوں سے حالات کا تجزیہ کیا اور پھر ولید رضی اللہ عنہ کو بجائے عین التمر جانے دومۃ الجندل جانے کے لیے فرمایا۔ دومۃ الجندل پہنچنے کے بعد ولید رضی اللہ عنہ نے ایک عجیب حالت دیکھی کہ سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ نے دومۃ الجندل کا محاصرہ کیا ہوا ہے اور مسلمان فوجوں کے اردگرد مختلف قبائل کے لشکر بٹھا کر ان کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ مسلمان بھی محاصرہ میں ہیں۔ اور محاصرہ کو قریباً ایک سال ہو چکا ہے۔ سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے جنگی صورت حال کا جائزہ لیا اور پھر سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کو کہا کہ اگر تم خالد رضی اللہ عنہ سے مدد کی درخواست کرو تو اس مصیبت سے نجات مل سکتی ہے۔ خالد رضی اللہ عنہ اس وقت عین التمر کی فتح سے فارغ ہو چکے تھے۔ جب سیدنا عیاض رضی اللہ عنہ کا خط سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے جواب میں لکھا: ''میں بہت جلد تمہارے پاس آ رہا ہوں۔ یوں سمجھ لو کہ ایسی اونٹنیاں تمہارے پاس آنے والی ہیں جن پر کالے زہریلے ناگ سوار ہیں۔'' انہوں نے عویم بن کاہل الاسلمی کو اپنا نائب مقرر کیا اور فوج کی ایک بھاری جمعیت لے کر دومۃ الجندل روانہ ہوئے۔

دومۃ الجندل اسلام دشمن عناصر کا ایک اڈا تھا کیونکہ یہ شہر حیرہ اور شام کی راہوں کے سنگم پر واقع تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش تھی کہ شام اور عرب کی سرحدیں ہر صورت میں پر امن رہیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بھی یہی خواہش تھی۔ اسی وجہ سے آپ نے سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کو اس کے فتح کے لیے دومۃ الجندل بھیجا جس کو وہ ایک سال تک فتح نہ کر سکے بلکہ خود محصور ہو گئے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ دومۃ الجندل پہنچے۔ بڑا طویل سفر تھا۔ عین التمر سے دومۃ الجندل تین سو میل کی مسافت پر ہے۔ یہ سفر آپ نے دس روز سے بھی کم مدت میں طے کیا۔ آپ کو لق و دق صحرا اور خوفناک جنگلوں میں سے گزرنا پڑا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے دومۃ الجندل پہنچنے سے پہلے یہاں کے باشندوں کو ان کے آنے کی اطلاع مل گئی تھی اور وہ حیرانگی اور پریشانی کے عالم میں تھے۔ بنو غسان اور بنو تغلب کے جن قبائل نے عراق کے محاذوں پر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے شکست کھائی تھی، وہ سب یہاں آ گئے تھے۔ ان کے علاوہ بھی دوسرے عربی قبائل یہاں موجود تھے۔ وہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے کھائی ہوئی شکست کا بدلہ سیدنا عیاض بن غنم سے لینا چاہتے تھے۔

دومۃ الجندل کی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ایک حصہ کی قیادت اکیدر بن عبدالملک کے ہاتھ میں تھی جب کہ دوسرے حصے کی کمان جودی بن ربیعہ کے ہاتھ میں تھی۔ اکیدر نے جب اسلام قبول کیا تھا تو اسے دومۃ الجندل کا حاکم مقرر کیا گیا تھا لیکن جب وہ مرتد ہو گیا تو سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کو اس کی سرکوبی کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اکیدر کو جب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی آمد کا پتہ چلا تو وہ بہت پریشان ہوا۔ وہ فوری طور پر جرنیل جودی بن ربیعہ کے پاس گیا جو عراق سے یہاں دومۃ الجندل آیا تھا۔ اس نے جودی سے کہا میں تمہاری نسبت خالد رضی اللہ عنہ کو بہت زیادہ جانتا ہوں۔ آج دنیا میں خالد رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی شخص خوش بخت سپہ سالار اور فنون حرب سے ماہر نہیں۔ جو قوم خالد رضی اللہ عنہ سے مقابلہ کرتی ہے وہ ناکام ہو جاتی ہے خواہ اس کی تعداد کم ہو یا زیادہ، لہٰذا تم میری بات مانو اور خالد رضی اللہ عنہ سے صلح کر لو۔ اکیدر کی یہ رائے بالکل صائب اور سابقہ تجربوں پر مبنی تھی، لیکن وہ لوگ گذشتہ جنگوں کی شکست کے انتقام میں مبتلا تھے، اس لیے انہوں نے صلح سے یک قلم انکار کر دیا۔ چنانچہ اکیدر ان لوگوں سے علیحدہ ہو گیا اور اپنی راہ لی۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو جب اس کا پتہ چلا تو آپ نے عاصم بن عمرو کو اس کے تعاقب میں بھیجا۔ عاصم نے اکیدر کو گرفتار کر کے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا، چونکہ وہ باغی اور مرتد تھا لہٰذا سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔ (ابن اثیر: ۲/۲۷۰، البدایہ والنہایہ: ۶/۲۵۰)

ایک اور روایت میں ہے اور یہی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کہ جودی سے الگ ہو کر اکیدر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے خیمہ میں آیا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اسے گرفتار کر کے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے معاف کر دیا۔ اور عین التمر کے نزدیک ایک شہر ''دومہ'' میں سکونت اختیار کر لی اور آخر تک وہیں رہا۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے دشمن کی فوج کا ماہرانہ جائزہ لیا۔ پھر اپنی فوج کی صف بندی کی۔ صف بندی کچھ اس طرح کی کہ دومۃ الجندل کو اپنی اور سیدنا عیاض رضی اللہ عنہ کی فوج کے گھیرے میں لے لیا۔ جودی بن ربیعہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے بالمقابل اور ابن الحدرجان عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کے بالمقابل صف آرا ہوئے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے جودی اور سیدنا اقرع بن حابس نے دوسرے جرنیل ودیعہ کلبی کو گرفتار کر لیا۔ باقی لوگ قلعہ کے اندر بدحواس ہو کر بھاگے لیکن وہاں سمانے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ چنانچہ ایک بہت بڑی تعداد جو قلعہ سے باہر رہ گئی وہ مسلمانوں کی تلواروں کا لقمۂ اجل بن گئی۔ جودی بن ربیعہ جو قبائل عرب کا سردار تھا قتل کر دیا گیا۔ (فتوح البلدان: ص ۶۹)

اس طرح دومۃ الجندل جو ایک سال سے فتح نہیں ہو رہا تھا سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں چند دنوں میں فتح ہو گیا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے قرع بن حابس رضی اللہ عنہ کو واپس انبار بھیج دیا اور خود یہیں مقیم رہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ: ۶/۳۵۵، طبری: ۴/۱۹۵، التاریخ الاسلامی: ۹/۱۶۳، خالد بن ولید، صادق عرجون: ص۲۳۱، ابوبکر الصدیق، خالد الجنابی: ص۵۴، التاریخ الاسلامی: ۹/۱۶۴)

## عراق بغاوت کی زد میں:

حیرہ سے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی غیر حاضری کے بعد ایرانیوں اور عراق کے عرب قبائل نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ بنو تغلب جن کا سردار عقہ بن ابی عقہ عین التمر کے معرکہ میں مارا گیا تھا، ان میں پیش پیش تھے۔ انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم مسلمانوں سے ضرور انتقام لیں گے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو دومۃ الجندل میں اس بغاوت کی اطلاع موصول ہوئی کہ ایرانی اور عرب قبائل نے اپنے چھنے ہوئے علاقے واپس لینے کا عزم کیا ہوا ہے۔ چنانچہ انہوں نے فوری واپسی کی تیاری شروع کر دی۔ سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کو انہوں نے اپنے ساتھ لے لیا۔ آپ نے حیرہ پہنچتے ہی حیرہ کی زمام انتظام سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی اور سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ کو حصید کی طرف جانے کا حکم دیا جہاں عرب قبائل اور ایران کے لوگوں نے مفتوحہ علاقوں کی واپسی پر غور کرنے کے لیے اجتماع طلب کر رکھا تھا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے بنو تغلب کو سخت سزا دینے کا تہیہ کر لیا۔

ایرانی اور عربی سرداروں نے اپنے آپ کو کئی محاذوں پر تقسیم کر دیا تھا۔ ایرانی سرداروں نے انبار کا رخ کیا اور دوسرے فوجی دستے انبار کے قرب و جوار میں تھے جو ان میں بغاوت کی آگ بھڑکا رہے تھے۔ جب اہل عراق کو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی واپسی کا پتہ چلا تو ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ جس طرح بادشاہ ترکتازی کے بعد واپس چلے جایا کرتے ہیں اسی طرح مسلمان بھی لوٹ مار کرنے کے لیے آئے تھے اور اب جلد ہی واپس چلے جائیں گے۔ لیکن خالد رضی اللہ عنہ کی عراق واپسی نے ان کے اس خیال کو غلط ثابت کر دیا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے حیرہ پہنچتے ہی مختلف محاذوں پر مختلف کمانڈروں کو بھیج دیا اور انہیں ہدایت کی کہ بھڑکانے والوں کو گھیر کر ایک جگہ جمع کر دیں تاکہ ایک ہی ہلے میں ان کا صفایا کر سکیں لیکن ایسا نہ ہو سکا۔

سیدنا قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ ایرانی سردار روزمہر اور روز بہ اپنی جگہ سے ہلنے کا نام نہیں لیتے تو وہ حصید کی طرف بڑھے۔ حصید عراق کی حدود پر جزیرہ کی جانب ایک قصبہ تھا۔ اس جگہ ایرانی اور عربی دونوں فوجوں کا سردار روز بہ تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ قعقاع رضی اللہ عنہ ان کی طرف بڑھتے چلے آ رہے ہیں تو اس نے روزمہر سے امداد طلب کی۔ روزمہر اس کی امداد کے لیے حصید روانہ ہو گیا۔ حصید میں دونوں فوجوں کا زبردست مقابلہ ہوا جس میں ایرانیوں کو شکست ہوئی۔ جن لوگوں کو قتل کیا گیا ان میں روزمہر اور روز بہ بھی شامل تھے۔ بہت سے لوگ بھاگ گئے۔ خنافس کے محاذ پر دشمن کا جو لشکر جمع تھا اس کی کمان جس ایرانی سردار کے ہاتھ میں تھی، اس کی جانب ابو لیلیٰ روانہ ہوئے۔ جب اس ایرانی کمانڈر مہبوذان نے مسلمانوں کی آمد کی خبر سنی تو وہ اپنے لشکر سمیت مصیخ نامی ایک مقام پر بھاگ گیا اور وہاں ہذیل بن عمران کے دامن میں پناہ لی جو وہاں کا حاکم تھا، چنانچہ خنافس پر بغیر کسی جنگ کے قبضہ ہو گیا۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو جب ان محاذوں پر فتح کی اطلاع ملی اور یہ بھی پتہ چلا کہ ہذیل بن عمران کے ہاں اب مصیخ میں ایرانی اور عربی فوجیں اکٹھی ہو رہی ہیں تو انہوں نے اپنے کمانڈروں کو جو مختلف محاذوں پر فتح حاصل کر چکے تھے، یہ حکم دیا کہ فلاں رات اور فلاں وقت مصیخ میں جمع ہو جائیں۔ جب یہ سب جرنیل جمع ہو گئے تو آپ نے تین اطراف سے ہذیل کی بے خبر سوئی ہوئی فوج پر شب خون مار دیا۔ ہذیل اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ بھاگنے میں کامیاب ہو گیا لیکن دوسری فوج کے اکثر سپاہی لقمہ اجل بن گئے جس سے میدان پٹ گیا۔

(ابن اثیر: ۲/ ۵۹، ابوبکر الصدیق خالد الجنابی: ص ۵۵، طبری: ۴/ ۱۹۹)

مصیخ کے شب خون میں جو لوگ قتل ہوئے ان میں دو آدمی ایسے بھی تھے جن کے مسلمان ہونے کی تصدیق خود سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کی تھی، سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کا خون بہا ادا کر دیا اور حکم دیا کہ ان کی اولاد کے ساتھ حسن سلوک سے کام لیا جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو جس طرح مالک بن نویرہ کے قتل کا مجرم قرار دیا تھا اسی طرح اب وہ ان کو ان دو آدمیوں کے قتل ناحق کا الزام بھی لگاتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ: ۶/ ۳۵۶، ابن اثیر: ۲/ ۲۷۲)

طبری میں ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کا خون بہا ادا کیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا میں خون بہا ادا کرتا ہوں حالانکہ یہ میرے ذمہ ضروری نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں دار الحرب میں مقیم تھے اور ان کے مہمان تھے۔ (طبری: ۴/ ۲۰۰)

## بنوتغلب پر حملہ:

چونکہ بغاوت کا یہ سارا فتنہ بنوتغلب کا پیدا کردہ تھا اور انہوں نے یہ تہیہ کر رکھا تھا کہ وہ عقہ بن ابی عقہ کے قتل کا بدلہ مسلمانوں سے ضرور لیں گئے، چنانچہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے مصیخ کی فتح سے فراغت کے بعد قعقاع رضی اللہ عنہ اور ابو لیلیٰ رضی اللہ عنہ کو مختلف راستوں سے بنوتغلب کی طرف روانہ کیا اور حملہ کرنے کے لیے رات کا وقت مقرر کیا۔ بنوتغلب اس وقت ثنی اور زمیل میں تھے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ خود بھی جرنیلوں کے پیچھے روانہ ہوئے۔ چنانچہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے مل کر بنوتغلب پر تین اطراف سے حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں بنوتغلب کا کوئی شخص دوسروں تک ان کی خبر پہنچانے والا بھی نہ بچا، اس حملہ میں جو عورتیں گرفتار ہوئیں ربیعہ حاکم ثنی کی بیٹی بھی تھی۔ یہ سب عورتیں مال غنیمت میں مدینہ پہنچیں تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ بنت ربیعہ کو جس کا نام الصہبا اور کنیت ام حبیب تھی، خرید لیا اور اس کے بطن سے آپ کا بیٹا عمر اور بیٹی رقیہ پیدا ہوئے۔

(البدایہ والنہایہ: ۶/ ۲۵۲)

ثنی سے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ الزمیل روانہ ہوئے جہاں عتاب ایک لشکر جرار کے ساتھ موجود تھا۔ ربیعہ اور اس کی تمام فوج کے قتل کی خبر اسے مل چکی تھی۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے یہاں بھی رات کو تین جانب سے حملہ کیا اور دشمن کے کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ مال غنیمت کا خمس صباح المزنی کے ہاتھ مدینہ طیبہ روانہ کر دیا۔

## جنگ، فراض:

فراض وہ مقام ہے جو عراق اور شام کی سرحد پر دریائے فرات کے انتہائی شمال میں واقع ہے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ عراق کی بغاوت فرو کرنے کے بعد فراض پہنچے اور دریائے فرات کے کنارے خیمہ زن ہو گئے۔ فراض میں اگرچہ وہ دشمن کے نرغے میں تھے لیکن خالد رضی اللہ عنہ کو کسی قسم کا کوئی خطرہ لاحق نہ تھا حالانکہ آپ کے مشرقی جانب ایران تھا اور مغرب کی طرف سلطنت روم تھی، لیکن وہ ایک ماہ سے بے خوف وخطر فراض میں اپنی تھوڑی سی فوج لیے بیٹھے تھے۔ رومیوں نے ایران کی ان فوجی چوکیوں سے مدد کی درخواست کی جو سرحدی مقامات کے قریب واقع ہیں۔ ایرانیوں نے نہایت خوشی سے ان کی مدد کی۔ رومی نہایت غصے میں تھے۔ وہ کسی صورت

بھی یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ مسلمان اس طرح بے خوف وخطر دریائے فرات کے کنارے فراض میں بیٹھے رہیں۔ چنانچہ ایرانیوں کی مدد سے ایک بہت بڑا لشکر مسلمانوں کے خلاف تیار کیا گیا اور ۱۵ ذی قعدہ سنہ ۱۲ھ تک دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں۔ ان کے درمیان صرف ایک دریائے فرات حائل تھا۔ پہلے تو رومی لشکر کے کمانڈر نے مسلمانوں کے سپہ سالار کو پیغام بھجوایا کہ تم لوگ دریا عبور کر کے ہماری طرف آؤ گے یا پھر ہم تمہاری طرف آئیں؟ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ تم ہماری طرف آجاؤ۔ چنانچہ رومیوں نے دریائے فرات عبور کر کے فراض کے میدان میں مسلمانوں کے سامنے خیمے لگا لیے۔

جنگ شروع ہونے سے قبل رومی کمانڈر نے فوج کو حکم جاری کیا کہ ہر قبیلہ الگ الگ ہو جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ کس قبیلے نے زیادہ جرأت وشجاعت سے جنگ لڑی ہے۔ دوسری طرف اسلامی سپہ سالار نے اپنی فوج کو یہ ہدایت دی کہ دشمن کو چاروں طرف سے گھیر لیا جائے اور اس کی تمام فوج پر نہایت تیزی سے حملے کیے جائیں۔ جنگ شروع ہوئی تو نہایت گھمسان کا رن پڑا۔ مسلمان فوج نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی ہدایات پر عمل کیا اور دشمن کی فوج کو منتشر نہ ہونے دیا بلکہ اس کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ پھر اس تیزی کے ساتھ اس پر حملے شروع کر دیئے کہ دشمن کے اوسان خطا ہو گئے اور جلد ہی رومی، ایرانی اور عرب قبائل میدان جنگ سے دم دبا کر بھاگے۔ اس معرکہ میں مؤرخین کے مطابق ایک لاکھ آدمی مارے گئے۔ عراق میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی یہ آخری جنگ تھی۔

فتح کے بعد سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے فراض میں دس روز تک قیام فرمایا۔ دس روز کے بعد اپنی فوج کو حیرہ کی جانب کوچ کرنے کا حکم دیا کیونکہ حیرہ کو آپ نے اپنا فوجی ہیڈ کوارٹر بنایا تھا۔ مختلف جرنیلوں کو لشکر پر متعین فرمایا اور اپنے بارے میں یہ ظاہر کیا کہ جیسے ساقہ کے ساتھ آرہے ہیں لیکن اصل میں آپ لشکر کو چھوڑ کر حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہو گئے۔

یہ پہلی لڑائی تھی جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں رومیوں سے لڑی گئی۔ اس میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی جب کہ رومی ان سے کئی گنا زیادہ تھے، لیکن سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے میدان جنگ میں ان کو اتنی زبردست شکست دی کہ دشمن مہینوں تک اس کے زخم چاٹتا رہا۔

(طبری: ۴/۲۰۱، التاریخ الاسلامی: ۹/۳/۱۷۱، خالد بن الولید، عرجون: ص ۳۰۶، معارک خالد بن الولید ضد الفرس، عبدالجبار السامرائی: ص ۱۲۳)

## سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی حج کو روانگی:

اللہ تعالیٰ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو عراق میں بہت سی کامیابیاں اور فتوحات عطاء فرمائیں۔ اس کے لیے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے دل میں اللہ تعالیٰ کے شکر و امتنان کے لیے بے پناہ جذبات موجزن تھے۔ اس لیے وہ حج بیت اللہ کے ذریعے سجدۂ شکر ادا کرنا چاہتے تھے۔ لیکن اس کے لیے ان کے راستہ میں بہت سے خطرات تھے۔ خطرہ تھا کہ ان کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پھر کہیں بغاوت کا فتنہ سر نہ اٹھا لے۔ اگر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حج کی اجازت طلب کرتے تو ممکن تھا کہ وہ اجازت نہ دیتے کیونکہ خالد رضی اللہ عنہ عراق کی فوجوں کے سپریم کمانڈر تھے، اور جتنا بڑا عہدہ ہوتا ہی زیادہ ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ اجازت نہ ملنے کی صورت میں شوق حج پورا نہیں ہو سکے گا۔

چنانچہ ۲۵ ذی قعدہ ۱۲ھ کو فراض میں دس روز قیام کے بعد انہوں نے اپنے جرنیلوں کو حیرہ روانہ کر دیا اور انہیں یہ محسوس کرایا کہ وہ ''ساقہ'' کے ساتھ آ رہے ہیں۔ لیکن وہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہو گئے اور لشکر میں سے کسی سپاہی کو اس کا علم نہ ہو سکا۔ سفر میں بھی وہ آبادیوں سے دور دور رہے تا کہ انہیں کوئی پہچان نہ سکے۔ فرض سے مکہ مکرمہ کا راستہ خطرناک بھی تھا اور دشوار گزار بھی، لیکن خالد رضی اللہ عنہ اللہ پر توکل کر کے بغیر کسی راہبر و راہ نماز کے وادیوں، جنگلوں، ٹیلوں اور صحراؤں میں اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے اور منزلوں پر منزلیں طے کرتے ہوئے حج سے چند روز قبل مکہ مکرمہ پہنچے۔ تمام مناسک حج نہایت اچھے طریقے سے ادا کیے۔ مکہ میں قیام کے دوران بھی کسی شخص کو ان کی موجودگی کا علم نہ ہو سکا۔ اس سال امیر حج خود سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، ان کو بھی پتہ نہ چل سکا کہ خالد حج کے لیے آئے ہوئے ہیں۔

حج سے فراغت کے بعد سیدنا خالد رضی اللہ عنہ جس راستہ سے آئے تھے اسی راستہ سے حیرہ واپس چلے۔ ابھی لشکر کا آخری حصہ حیرہ پہنچا بھی نہ تھا کہ وہ ساقہ سے آ ملے اور اس کے ساتھ ہی حیرہ شہر میں داخل ہوئے۔ اس طرح کسی کو بھی پتہ نہ چل سکا کہ خالد رضی اللہ عنہ حج پر گئے تھے۔ چنانچہ جب وہ اپنے جرنیلوں کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے تو وہ بہت خوش تھے۔ فتوحات کی خوشی بھی اور حج بیت اللہ کی مسرت بھی۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے لشکر کو اس طرح چھوڑ کر حج بیت اللہ پر چلے

جانے کا علم ہو گیا تھا۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ خالد رضی اللہ عنہ سے یہ فعل اس لیے سرزد ہوا ہے کہ انہیں ہر مرحلہ پر اپنی فتح اور دشمن کی ناکامی کا پورا پورا یقین ہوتا ہے اور دشمن کی حیثیت بہت معمولی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے خالد رضی اللہ عنہ کو ایک عتاب نامہ لکھا اور سخت تاکید کی کہ مستقبل میں ایسی کوئی حرکت سرزد نہ ہو۔

واپس حیرہ پہنچ کر خالد رضی اللہ عنہ ذہنی طور پر نہایت مطمئن تھے اور اب وہ مدائن پر حملہ کرنے کی منصوبہ بندی میں مشغول ہو گئے۔ لیکن اللہ کو منظور تھا کہ اب وہ اپنی توجہ کا مرکز عراق کی بجائے شام کو بنائیں۔ عراق میں وہ ایک سال دو ماہ رہے۔

(البدایہ والنہایہ: ۶/ ۳۵۷، طبری: ۴/ ۲۰۶، تاریخ الدعوۃ الی الاسلام: ص ۲۹۵)

# فتوحات شام

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ صرف ایک عظیم فاتح ہی نہ تھے بلکہ ایک عظیم مدبر بھی تھے اور ایک عظیم منتظم بھی۔ اگرچہ میدان میں ان کی تلوار نے بڑی خون آشامیاں کیں کیونکہ قوت اور زندگی کا سرچشمۂ آب حیات خون کی ندیوں ہی میں ہے، کیونکہ عدل کے قیام کے لیے، محبت کے قیام کے لیے، نوع انسانی کی عالم گیر اخوت کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ جنگ کا وجود ہو، لڑائی کا وجود ہو اور قتال کا وجود ہو۔ جو خدا کی زمین کو پامال کرنا چاہیں، جن کا وجود دنیا میں ظلم کے لیے ہے بلاشبہ ان کے وجود کی گندگی اور غلاظت سے زمین کو پاک کرنے کی ضرورت ہے کہ تلوار بھی ہو اور وہ سرخی بھی ہو جو انسانوں کے خون سے تلوار پر جمتی ہے۔ بہرحال سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی یہ تمام فتوحات، مہمات اور جنگیں انسانیت کی تعمیر کے لیے تھیں۔ مظلوموں کی دادرسی کے لیے تھیں نہ کہ ظالموں کا ہاتھ بٹانے کے لیے۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے عراق میں ایرانی افواج کو پے در پے شکستیں دیں، انہوں نے جہاں مسلمانوں میں خوشی اور مسرت کے جذبات کو جنم دیا وہاں رومی سلطنت کو پریشان کر کے رکھ دیا۔ کیونکہ رومی حکومت ایک سپر پاور ہونے کے ناطے ان تمام حالات سے بے خبر نہیں رہ سکتی تھی۔ پھر ان کے حالات بھی ایرانی حکومت کی طرح تھے۔ شام کی سرحد پر بھی عرب قبائل مدتوں سے آباد چلے آ رہے تھے۔ یہ قبائل ان حکومتوں کے لیے ایک ڈھال کا کام دیتے تھے۔ رومی حکومت جنگ موتہ میں مسلمانوں کی بہادری اور جرأت سے روشناس ہو چکی تھی جب کہ تین ہزار افراد پر مشتمل مسلمان فوج نے دو لاکھ عیسائیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور کامیاب و کامران ہو کر واپس آئے۔

تاریخ ابن عساکر وغیرہ میں ہے کہ مسلمانوں کے حملوں سے بچنے کے لیے قیصر روم

نے اپنی سرحدات کو مضبوط بنانا شروع کر دیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نگاہ بڑی دور بین تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد جب ارتداد و بغاوت کی لہر اٹھی تو اس وقت ہر لمحہ یہ خطرہ تھا کہ کہیں اندرونی خلفشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رومی فوجیں اسلامی ریاست کی سرحدوں کو عبور کر کے ملک کے اندر گھس نہ آئیں۔ اس خطرے کی پیش بندی کے لیے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو جو السابقون الاولون میں سے تھے، شام کی سرحد پر ایک چوکی تمیلاء کا امیر بنا کر بھیجا تا کہ اسلامی سرحد کی حفاظت کر سکیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ

''سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو ارتداد کے دنوں میں شام کی چوٹیوں (Heights) کا انچارج مقرر کیا تھا۔'' (الاصابہ تذکرہ خالد بن سعید رضی اللہ عنہ)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ حکم دیا تھا کہ میرا دوسرا حکم پہنچنے سے پہلے وہ یہاں سے نہ ہٹیں مگر یہ کہ دشمن ان پر حملہ نہ کر دے۔ البتہ گردونواح کے قبائل کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کریں۔ چنانچہ انہوں نے خلیفۂ رسولؐ کے حکم ثانی تک ایسا ہی کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت ہی کم عرصہ میں ان کی ایک عظیم فوج تیار ہوگئی۔ تاجدار روم ہرقل بھی مسلمانوں کی طاقت اور نقل و حرکت پر گہری نگاہ رکھتا تھا۔ چنانچہ جب اسے معلوم ہوا ایک چھوٹی سی چوکی کے کمان دار نے ایک بہت بڑی فوج تیار کر لی ہے تو اسے بڑی فکر دامن گیر ہوئی اور اس نے تیزی سے جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔

ہرقل کی جنگی تیاریوں کے بارے میں سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مطلع کیا۔ دوسرے ذرائع سے بھی آپ کو ہرقل کی ان تیاریوں کا علم ہو گیا۔ چنانچہ آپ نے بھی اپنے دفاع کے لیے تیاری شروع کر دی۔ اس بات کا انتہائی خطرہ تھا کہ رومی فوجیں کسی لمحے بھی سرحد پار کر کے مسلمانوں کے علاقے پر حملہ کر دیں، اس لیے قبل اس کے کہ وہ ہم پر حملہ کریں ہمیں رومی سرحد پار کر کے ان پر حملہ کر دینا چاہیے سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے اس بات کی اجازت بارگاہِ خلافت سے طلب کی۔ جونہی یہ خط سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ملا تو وہ اس بارے میں سوچ میں پڑ گئے کیونکہ مقابل میں جو قوت تھی وہ اس زمانہ کی ایک عظیم قوت تھی۔ اس کے وسائل لامحدود تھے۔ لہٰذا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے معاملہ کے تمام پہلوؤں پر غور و خوض کیا کیونکہ رومن طاقت ایرانی طاقت سے بہت زیادہ تھی۔ البتہ ایک بات ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں تھی کہ فوج کی تعداد کو بڑھایا جائے اور فوج کے لیے اسلحہ بھی کہیں سے فراہم کیا جائے۔ لیکن یہ سب کچھ کرنے کے باوجود بھی اسلحہ، فوج اور افرادی قوت رومیوں کے برابر نہیں ہو سکتی۔

## شوریٰ سے مشورہ:

آپ نے اس غیر معمولی مہم کے لیے اپنی مجلس شوریٰ کا اجلاس بلایا آپ نے اس مجلس مشاورت کے سامنے تمام حالات و واقعات رکھے اور فرمایا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے برگزیدہ صحابہ ہیں لہٰذا اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ (فتوح الشام: ص۴، ابن اثیر: ۲/۲۲۶)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بات معقول تھی اور اسلامی سرحدات کو خطرہ تھا۔ پھر انہوں نے صحیح حالات کا صحیح تجزیہ کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا تھا۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا: ''آپ کی یہ تمام باتیں درست اور صحیح ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ مشیت خداوندی بھی یہی ہے کہ مسلمان ملک شام کو فتح کریں۔ لہٰذا میری تجویز ہے کہ آپ لوگوں کی ایک کثیر تعداد کو بھرتی کریں۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلام کو فتح و ظفر سے نوازے گا اور جو وعدے رسول اللہ ﷺ سے کیے ہیں ان کی ضرور تکمیل ہو گی۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نگاہ اب سیدنا عبدالرحمٰن عوف رضی اللہ عنہ کی طرف اٹھی جو نہایت نپی تلی بات کرتے اور مشورہ میں ان کا ایک منفرد انداز تھا۔ انہوں نے کہا: ''اے خلیفۂ رسول! یہ مسئلہ نہایت اہم ہے۔ میرے خیال میں اس کے مقابلہ میں یک دم فوجیں بھیج دینا کوئی مناسب بات نہیں ہے۔ کیونکہ رومیوں کی قوت دنیا میں اس وقت سب سے بڑی قوت ہے۔ اس لیے میری رائے یہ ہے کہ ابتداء میں فوج کے چند دستے بھیجے جائیں جو سرحدی علاقوں پر چھاپے ماریں اور سرحد کے قریب رہنے والے لوگوں کو خوف زدہ کریں۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ اہل شام ہمارے ان متواتر اور مسلسل حملوں سے خوف زدہ ہو جائیں گے اور وہ بھائی جو مسلمان ہیں ان کے حوصلوں کو بڑھاوا ملے گا۔''

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی باتیں بھی دور بینی اور بصیرت پر مبنی تھیں لہٰذا اہل شوریٰ نے ان کو نہایت غور و فکر سے سنا۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے بھی کہا:

''اے ابوبکر! آپ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ ہیں اور آپ کا دل مسلمانوں کی خیر خواہی اور بہتری کے جذبات سے معمور ہے۔ آپ کی زندگی کا اصل مقصد اسلام کی حمایت اور سربلندی ہے۔ اگر آپ نے اس مسئلہ کے بارے میں کوئی قطعی رائے قائم کر لی ہے تو آپ اس پر عمل کرنے کا حکم فرمائیں نتیجہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ مجھے اللہ

تعالیٰ کی کریمی سے امید ہے کہ نتیجہ بہتر ہوگا۔آپ کی اطاعت ہم پر واجب ہے۔
آپ جہاں کہیں بھی جانے کا حکم فرمائیں گے اس کا بجالانا ہمارا فرض ہوگا۔''

تمام حاضرین نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی اس تجویز کی متفقہ حمایت کی اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یقین دلایا کہ جو کچھ بھی آپ کریں گے ہم میں سے کوئی بھی اس سے اختلاف نہیں کرے گا۔اب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں تم لوگوں پر چند افراد کو امیر مقرر کرتا ہوں۔تمہارے لیے ضروری ہے کہ اپنے اللہ کی اطاعت کرو اور اپنے امراء کی بات مانو۔ اللہ کی مدد اس کے تقویٰ شعار بندوں کو حاصل ہوتی ہے۔''

بعض روایات میں ہے کہ اس زمانہ میں لوگ رومیوں سے اتنے مرعوب تھے کہ خلیفہ وقت کا حکم سن کر بھی کچھ دیر کے بعد مجلس پر خاموشی چھائی رہی۔آخر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر فرمایا: ''مسلمانو تم خاموش کیوں ہو۔تم خلیفہ وقت کی بات کا جواب کیوں نہیں دیتے۔وہ تمہاری بہتری کی باتیں کررہے ہیں۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ان باتوں نے لوگوں کو جھنجھوڑ دیا اور وہ اٹھے اور شام کی سرحد پر لڑائی کی تیاری کے لیے مصروف ہوگئے۔سب سے پہلے خالد بن سعید رضی اللہ عنہ اٹھے اور انہوں نے سب سے پہلے شام کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا۔ چنانچہ مدینہ منورہ کے باہر ایک کیمپ کھول دیا گیا جہاں لوگ جمع ہونے شروع ہوگئے۔ان میں غلام اور موالی بھی تھے۔ کیمپ میں سپاہیوں کی تعداد بڑھنے لگی۔سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لشکروں کے لیے جو سردار مقرر کیے وہ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور سیدنا شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ وغیرہ تھے۔ بھرتی کی رفتار سست تھی اور کئی ہفتے گزرنے کے بعد بھی جب تعداد میں خاطر خواہ اضافہ نہ ہوا تو اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یمن کے مسلمانوں کے نام ایک خط لکھا جس میں انہیں جہاد کی دعوت دی۔

(فتوح الشام ازدی:ص ۱۔۶،ابن عساکر:۱/ ۱۲۸،التاریخ الاسلامی حمیدی:۹/ ۱۸۸)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قاصد نے یہ خط یمن جا کر لوگوں کو سنایا۔ خط کے الفاظ نے لوگوں کو بہت متاثر کیا اور وہ بڑی خوش دلی اور جوش وخروش کے بعد اس دعوت کو لبیک کہتے ہوئے مدینہ منورہ آنا شروع ہوگئے۔ چنانچہ ذوالکلاع حمیری نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خط کا مضمون سنا ہی تھا کہ فوراً اپنی قوم اور یمن کے چند دوسرے قبائل کو ساتھ لے کر اور ہتھیار سجا کر

اور گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر شام کے جہاد میں شرکت کی غرض سے مدینہ روانہ ہو گیا۔ اسی طرح دوسرے قبائل کے لوگ بھی مدینہ میں آنا شروع ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص سیدنا انس رضی اللہ عنہ آپ کے یہ خطوط لے کر گئے تھے۔ انہوں نے واپس آ کر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ آپ کی دعوت جہاد پر لوگوں نے اس طرح لبیک کہا ہے کہ قبائل یمن جس حالت میں تھے اسی میں وہ اپنی عورتوں، بال بچوں اور مال و منال کو لے کر روانہ ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر آپ کو از حد خوشی ہوئی۔

دوسرے روز آپ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دوسرے اہل مدینہ کے ساتھ مجاہدین کے استقبال کے لیے مدینہ سے باہر تشریف لائے۔ قبائل یمن میں سب سے پہلے قبیلہ حمیر مدینہ پہنچا جو ہتھیاروں سے لیس تھا۔ اس کے رئیس ذوالکلاع حمیری ایک عمامہ باندھے اس قبیلہ کی پیشوائی کر رہے تھے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ ابھی ان کا استقبال کر ہی رہے تھے کہ دوسرے قبیلے بھی مسلسل اور لگاتار آنے شروع ہو گئے۔ مدینہ سے باہر مقام جرف پر ان کے قیام کے لیے خیمے لگا دیئے گئے اور وہیں ان قافلوں کو نہایت عزت و احترام سے ٹھہرایا۔ ان مجاہدین کی آمد نے امیر المومنین اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں خوشی کی ایک لہر دوڑا دی۔

(فتوح الشام ازدی: ص ۷، فتوح الشان واقدی: ص ۳۔۴، ابن عساکر: ۱/ ۱۲۹، ابن اثیر: ۲/ ۶۴، الیمن فی صدر الاسلام: ص ۳۰۱۔۳۰۲، الصدیق الاول الخلفاء: ص ۱۱۴، ابو بکر، للطنطاوی: ص ۲۱۸، مروج الذہب للمسعودی: ۲/ ۳۰۵)

قیصر روم کو بھی مسلمانوں کی اس تیاری کی اطلاع مل رہی تھی۔ یہ بات رومی حکومت کے لیے باعث تشویش تھی۔ چنانچہ رومیوں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ روم کی سرحد پر بنو غسان اور دوسرے عرب قبائل کو نہایت سختی سے ہدایت کی کہ نہایت ہوش و حواس سے سرحدوں کی حفاظت کا فریضہ انجام دیں اور مسلمانوں کو کسی صورت بھی سرحد پار نہ کرنے دی جائے۔ چنانچہ بنو غسان اور دوسرے عرب قبائل کی ایک اچھی خاصی تعداد سرحد پر اکٹھی ہو گئی۔ سیدنا خالد بن سعید الاموی رضی اللہ عنہ کا تیماء میں جو ایک بڑا نخلستان تھا اور مدینہ سے دمشق جانے والی شاہراہ پر شام کی سرحد سے متصل واقع تھا، وہ سرحدی چوکی کے انچارج تھے، تیماء کے آس پاس بہت سے عرب قبائل آباد تھے۔ سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ہدایات کے مطابق یہاں بہت سے قبائل کو مسلمان کر کے شام میں جنگ کے لیے اپنی فوج میں بھرتی کر لیا

اور ایک اچھی خاصی فوج تیار ہو گئی تھی۔ یہ انہوں نے اس مقصد کے لیے کیا تھا کہ جب خلیفہ رسول ان کو شام میں داخل ہونے یا کسی دوسرے جرنیل کی معاونت کرنے کا حکم دیں تو اس حکم کی فوری تعمیل کی جائے۔ ان کے اس فوجی کیمپ کا مقصد ہی یہی تھا اور اس کیمپ کی روز افزوں ترقی کی خبریں بھی شام کی مرکزی حکومت کو پہنچ رہی تھیں۔

اب صورت حال یہ تھی کہ دونوں فوجیں سرحد کے آر پار کھڑی تھیں لیکن رومی اپنی فوجوں کو مسلمان فوجوں پر حملہ آور ہونے کا حکم دینے میں بہت متامل تھے کیونکہ انہیں علم تھا کہ عراق میں مسلمان فوجوں نے عراقی فوجوں کا مار مار کر بھرکس نکال دیا ہے۔ رومی فوجوں نے بالآخر یہ عزم کر لیا کہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنا ہے۔ سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے بارگاہ خلافت میں عرض کیا کہ قبل اس کے کہ رومی فوجیں ہم پر حملہ آور ہوں، ہمیں پیش قدمی کی اجازت دی جائے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے خط کے جواب میں لکھا:

''آگے بڑھو، پیچھے نہ ہٹو، تمہیں شامی سرحدوں کی طرف پیش قدمی کی اجازت دی جاتی ہے۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی امداد کے طالب رہنا کیونکہ ہر شے اسی کے ہاتھ میں ہے۔'' (طبری: ۲/ ۵۸۷)

شام کی جنگ کے سلسلہ میں یہ پہلا حکم تھا جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قلم سے صادر ہوا۔ اسی دوران میں اتمام حجت کی خاطر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قیصر روم کے پاس ایک سفارت بھیجی جس کے ذریعہ آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی، اور فرمایا:

''خدا نے یہ علاقہ ہمارے جد امجد (سیدنا ابراہیم علیہ السلام) اور ان کی ذریت کو عطا کیا تھا، تو اس پر بہت دنوں سے قابض ہے۔ وہ ہمیں صلح و آشتی کے ساتھ واپس کر دے۔ پھر ہم تیرے ملک میں نہیں آئیں گے۔''

قیصر نے انکار کیا اور وہ جواب نہیں دیا جس کی سفیر کو توقع تھی۔ قیصر نے کہا: ''یہ ملک میرا ہے اور تیرا حصہ تو صحرا ہے جا وہاں امن سے رہ۔

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی: ص ۲۶۰، ڈاکٹر حمید اللہ)

## شام میں اسلامی لشکر کی پہلی فتح:

بارگاہ خلافت سے سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو پیش قدمی کی اجازت موصول ہوئی تو

آپ نے اپنی اور غنیم کی فوج کا جائزہ لیا۔ دشمن کی فوج تعداد میں بہت زیادہ تھی، لیکن نصرت خداوندی پر بھروسہ کرتے ہوئے فوج کے ساتھ شامی حدود میں داخل ہو گئے۔ رومیوں نے جونہی مسلمان فوجوں کو آگے بڑھتے دیکھا تو وہ اپنے مورچے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ ان کے خالی مورچوں میں گئے اور ان کا چھوڑا ہوا تمام اسلحہ اپنے قبضہ میں لے لیا۔ شامی علاقہ میں یہ مسلمانوں کی پہلی فتح تھی۔ آپ نے اس فتح کی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی۔ آپ بہت خوش ہوئے اور ہدایت جاری فرمائی:

''پیش قدمی جاری رکھو لیکن جب تک دارالخلافہ سے مزید فوجیں نہ پہنچیں دشمن پر حملہ نہ کرو۔'' (ابوبکر الصدیق، طنطاوی: ص ۲۱۹)

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ پیش قدمی جاری رکھو لیکن دشمن کے علاقہ میں زیادہ دور تک نہ گھس جانا تاکہ وہ تم پر عقب سے حملہ نہ کر سکے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے پیش قدمی جاری رکھی اور چلتے چلتے بحر مردار (Dead Sea) کے مشرقی ساحل کے قریب پہنچ گئے۔ وہاں انہیں ایک رومی لشکر ملا جو انہیں دیکھ کر پیچھے ہٹ گیا اور وہ برابر آگے بڑھتے گئے۔ ان کی اس طرح پیش قدمی سے رومی حکومت مرعوب ہو گئی اور انہوں نے مسلمانوں سے جنگ کی تیاریاں تیز کر دیں۔

اس پہلی فتح سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے۔ اب انہوں نے قریش مکہ کو اس مہم میں داخل کرنے کے لیے اہل مکہ کو ایک خط لکھا جس میں انہیں اس جہاد میں شرکت کی ترغیب دی۔ (فتوح الشام ازدی: ۱/ ۱۵۔۱۶)

## مدینہ میں قبائل کی بے قراری:

یمن اور دوسری جگہ کے تمام قبائل جوش جہاد میں مدینہ منورہ کے قریب کیمپوں میں پڑے ہوئے تھے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ان فوجوں کی ترتیب، اسلحہ اور دیگر ساز و سامان کی فراہمی کے لیے شب و روز مصروف تھے۔ شوریٰ کے ایک رکن سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ ''رومی نہایت تیز دھار اور مضبوط ستون ہیں۔'' اس لیے خلیفہ رسول اس مہم کے لیے جو قدم بھی اٹھاتے وہ نہایت حزم و احتیاط سے اٹھاتے۔ اس وجہ سے فوجوں کی روانگی میں کچھ تاخیر ہو گئی۔ یمن اور حجاز کے جو قبائل مقام جرف میں خیمہ زن تھے ان کی بے قراری کا یہ عالم تھا کہ

جب کچھ زیادہ روز ہو گئے تو قیس بن ہبیرہ اور دوسرے چند لوگوں کو اپنا نمائندہ بنا کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور انہیں کہلا بھیجا کہ ہمارا صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے، یا تو ہمیں جلد شام بھجیں یا پھر ہمیں واپس اپنے گھروں کو جانے کی اجازت دیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہاری روانگی میں تاخیر تمہارے ہی سفر کے انتظامات کی تکمیل کی وجہ سے ہو رہی ہے۔

## لشکروں کی ترتیب اور روانگی:

آخر کار سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لشکروں کی ترتیب شروع کر دی۔ شام کے لیے جو لشکر روانہ ہوئے ان میں تجربہ کار اور جنگی ماہرین کو زیادہ سے زیادہ شامل کیا گیا۔ چنانچہ ان میں تین سو کے قریب ایسے بہادر اور اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شامل کیا گیا جو بدر و احد کے علاوہ دوسرے بڑے بڑے غزوات میں شرکت کا شرف حاصل کر چکے تھے۔ پھر یمن اور حجاز کے بہادر قبائل بھی شامل تھے۔ سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ جو کندہ اور حضرموت کے حروب ارتداد کے ہیرو، سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا ذوالکلاع حمیری جیسے لوگ تھے۔ فوجوں کو ترتیب دینے کے بعد ان کی روانگی کا وقت آیا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک ٹیلہ پر چڑھ کر اس عظیم لشکر کا جائزہ لیا۔ ان کے جوش و خروش اور ولولہ کو دیکھ کر ان کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ آپ نے ان مجاہدین کو چار لشکروں میں تقسیم کیا۔
(البدایہ والنہایہ: ۷/۳)

## لشکر یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ:

بلاد شام کی طرف آپ نے سب سے پہلا لشکر سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بھیجا۔ ان کا ہدف دمشق قرار دیا۔ اس لشکر میں ابتداء میں تو تین ہزار افراد تھے پھر بڑھتے بڑھتے سات ہزار ہو گئے۔ لشکر کو رخصت کرنے سے آپ نے سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو بہت سی نصیحتیں فرمائیں جن کو ابن اثیر وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ فرمایا: ''میں نے تجھے اس لیے اس لشکر کا امیر بنایا ہے تا کہ میں دیکھوں کہ تم کیسی قیادت کرتے ہو۔ اگر تو نے اچھا کام کیا تو تمہیں اس عہدہ پر برقرار رکھا جائے گا اور اگر تمہارا کام اچھا نہ ہوا تو میں خود تمہیں معزول کر دوں گا۔ اللہ سے ڈرتے رہنا کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے باطن کو بھی اسی طرح جانتا ہے جس طرح تمہارے ظاہر کو جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے اچھے لوگ

وہ ہیں جو اس سے شدید محبت کرتے ہیں اور قرب خداوندی ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو اپنے عمل سے اس کا تقرب حاصل کرتے ہیں۔ میں تمہیں خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کی جگہ پر بھیج رہا ہوں، جاہلیت کے عیوب یعنی تعصب وغیرہ سے بچنا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان عیوب اور ان عیوب میں مبتلا لوگوں کو ناپسند فرماتا ہے۔ جب تم اپنے لشکر کے ساتھ جاؤ تو ان سے اچھا سلوک کرنا۔ جب تم انہیں کوئی وعظ ونصیحت کرو تو مختصر کرو کیونکہ لمبی نصیحت کے اکثر حصے آدمی بھول جاتا ہے۔ اپنے نفس کی اصلاح کرتے رہنا اللہ تعالیٰ تیرے لیے لوگوں کی اصلاح کر دیں گے۔ نماز وقت پر پڑھنا اور اس کے رکوع وسجود اور خشوع وخضوع کو پورے اہتمام سے ادا کرنا۔ جب تمہارے پاس دشمن کا کوئی سفیر اور پیغام بر آئے تو اس کی عزت وتکریم کرنا اور اس کو اپنے لشکر میں زیادہ وقت نہ ٹھہرنے دینا چنانچہ جب وہ تیرے لشکر سے جائیں تو انہیں تیرے لشکر کو تعداد اور قوت سے ناآشنا ہوں۔ اور ان پر اپنے عیوب اور کمزوریاں ہرگز ظاہر نہ ہونے دینا۔ ان کو وہاں رکھو جہاں انہیں تمہارے لشکر کی قوت مرعوب کر سکے۔ اپنا بھید ان پر ظاہر نہ ہونے دینا۔ اگر کوئی تجھ سے مشورہ طلب کرے تو اس کو اچھا اور صحیح مشورہ دینا۔ رات کو اپنے ساتھیوں سے باتیں کرنا اس سے تمہیں کئی مخفی باتوں کا پتہ چلے گا۔ اس قسم کی اور بہت سی نصیحتیں کیں اور جنگ کے بارے میں مفید ہدایات دیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ابن اثیر: ۶۴/۲، التاریخ الاسلامی: ۹/ ۱۹۱۔۱۹۷)

دوسرا لشکر آپ نے سیدنا شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت بھیجا۔ تیسرا لشکر سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور چوتھا لشکر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت بھیجا۔ ان کے علاوہ اور بھی دو تین لشکروں کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ ایک لشکر سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں تھا اور ایک لشکر ذوالکلاع حمیری کی قیادت میں تھا۔ جو ان کے ساتھ یمن سے آیا تھا۔ اسے بھی آپ نے شام کی سرحد پر جانے کی اجازت دی۔ یہ لشکر بھیجنے کا اصل مقصد سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کی مدد کرنا اور انہیں یہ اطمینان دلانا تھا کہ ان کی امداد کے لیے مزید فوج بھیجی جائے گی۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مرتدین کا فتنہ فرو کر کے قضاعہ میں قیام پذیر تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک خط لکھا:

''ابو عبداللہ! میں تمہارے سپرد ایک کام کرنا چاہتا ہوں جو دینی اعتبار سے بھی تمہارے لیے بہتر اور دنیوی لحاظ سے بھی، لیکن میں ہر حال میں تمہاری خواہش کا

احترام کروں گا۔‘‘

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس خط کا نہایت عمدہ جواب دیا۔ لکھا:

’’اے خلیفہ رسول! میری حیثیت اسلام کے تیروں میں سے ایک تیر کی ہے۔ میرے نزدیک آپ تیرانداز ہیں۔ جس طرف آپ اس تیر کو چلانا چاہیں، بلاتوقف چلا دیجیے۔ یہ بڑا سخت اور جگر چھلنی کرنے والا تیر ہے۔‘‘

(طبری: ۲/ ۵۸۸، اتمام الوفاء لسیرۃ الخلفاء: ص ۵۵)

اسی طرح آپ نے ایک اور خط سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو بھی لکھا۔ انہوں نے جو جواب دیا اس کے الفاظ بھی اخلاص و ایثار میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں بھی لشکروں کے ساتھ شام کی طرف روانہ کر دیا۔

ان سب لشکروں کو آپ نے الگ الگ روانہ کیا اور ان کو الوداع کہنے کے لے مدینہ منورہ کے باہر تک پا پیادہ تشریف لے جاتے تھے۔ رخصت کرنے سے پہلے ہر ایک لشکر کو خاص خاص ہدایات ارشاد فرماتے۔ پھر ان کے حق میں بارگاہِ رب العزت میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ دعا فرماتے۔ ان لشکروں کو آپ نے جو ہدایات دیں ان میں یہ ہدایت بڑی اہم تھی کہ وہ سب مختلف راستوں سے جائیں۔ چنانچہ سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ جن کو دمشق کے محاذ پر بھیجا تھا ان کو حکم فرمایا کہ تبوک کے راستہ سے جائیں۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جو فلسطین کے محاذ پر گئے تھے، انہیں ایلہ کی راہ جانے کے لیے فرمایا، اور باقی امراء جو حمص اور دوسرے محاذوں کے لیے نامزد ہوئے تھے وہ بلقاء کے راستہ سے گئے۔

شام کے لیے آپ نے جو چار لشکر تیار کیے وہ اس لحاظ سے ترتیب دیے تھے کہ آپ نے شام کو چار محاذوں میں تقسیم کیا۔ حمص (شمال) دمشق (وسط) اردن (جنوب وسط) اور فلسطین (جنوب)۔ حمص کا محاذ سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا، دمشق کا سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے، اردن کا سیدنا شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے اور فلسطین کا سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بحر قلزم کے ساحلی راستے سے فلسطین کا رخ کیا۔ دوسرے سپہ سالار دوسرے راستوں سے اپنے محاذوں پر روانہ ہوئے۔ اس چار طرفہ یورش کی خبر قیصر روم کو ہوئی تو اس کو شدید پریشانی ہوئی اور وہ پورے اہتمام سے فوجیں جمع کرنے میں لگ گیا۔ کئی ہفتوں کی دن رات کوششوں کے بعد ایک بڑا لشکر تیار ہوا۔ اس کی تعداد طبری کی

روایت کے مطابق دو لاکھ چالیس ہزار تھی۔ اور مسلمانوں کے کل لشکروں کی تعداد اٹھائیس یا چھیالیس ہزار۔ رومیوں نے اپنے کر کے کئی حصے کیے اور ہر حصے کو ایک تجربہ کار جرنیل کی قیادت میں عربوں سے لڑنے کے لیے بھیج دیا۔ مسلمانوں کے جو لشکر بھیجے گئے تھے ان کی تعداد قیصر کے لشکر کے مقابلہ میں بہت کم تھی۔ ان لشکروں کی روانگی یکم صفر ۱۳ھ کو ہوئی۔

(فتوح البلدان: ص ۱۱۴)

قیصر کے لشکر کے مقابلہ میں ان لشکروں کی تعداد بہت کم تھی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب قیصر کی جنگی تیاریوں کا علم ہوا تو انہوں نے بعد میں مزید فوج روانہ کی اور رفتہ رفتہ ہر جرنیل کی کمان میں سات سات ہزار کا لشکر ہو گیا۔ اس لحاظ سے کل تعداد تیس ہزار بنتی ہے۔

(فتوح البلدان: ص ۱۱۵)

## رومیوں سے پہلا مقابلہ:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو دشمن کی سرزمین میں گھسنے کی اجازت دی لیکن یہ تاکید کی کہ دشمن کے علاقہ میں زیادہ دور تک نہ جانا تاکہ وہ عقب سے تم پر حملہ نہ کر سکے۔
(طبری: ۲/ ۵۸۷، ابن عساکر: ۱/ ۱۳۱)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عکرمہ رضی اللہ عنہ، سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ذوالکلاع حمیری رضی اللہ عنہ کی کمان میں متعدد رسالے بھیجے۔ اس کمک سے حوصلہ پا کر سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ جادۂ احتیاط سے ہٹ گئے اور جوش میں آ کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہدایت کو نظر انداز کر دیا اور سرحد پار رومیوں کے علاقہ میں دور تک گھس گئے۔ باہان جو کچھ عرصہ قبل سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں شکست کھا چکا تھا، ان کی گھات میں بیٹھا تھا۔ اس نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے کوئی تعرض نہ کیا، لہٰذا سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ رومی علاقے کے خوب اندر تک آ گئے۔

باہان بڑا چالاک اور نامور ماہر جنگ تھا۔ اس نے پسپا ہوتے ہوئے دمشق کا رخ کر لیا۔ خالد رضی اللہ عنہ بھی اسی طرف اس کے تعاقب میں چل پڑے۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ واقوصہ اور دمشق کے درمیان "مرج الصفر" کے نام سے جو مقام ہے وہاں پہنچ کر دم لیں گے اور اس کو اپنی فوجی قیام گاہ بنائیں گے۔ لیکن دراصل باہان کی یہ پسپائی نہ تھی بلکہ ایک نہایت خطرناک جنگی چال تھی۔ چنانچہ ابھی ابھی خالد بن سعید رضی اللہ عنہ مرج الصفر کے قریب ہی تھے کہ باہان اچانک

راستہ بدل کر اسلامی فوج کے عقب میں آ گیا اس طرح اس نے تمام مسلمان فوج کو گھیرے میں لے لیا۔ اب واپس جانے کی بھی کوئی گنجائش نہ تھی۔ اسلامی فوج کا ایک دستہ فوج کے پیچھے رہ گیا تھا، اس میں خالد رضی اللہ عنہ کا بیٹا سعید بھی تھا۔ باہان نے ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ خالد رضی اللہ عنہ کو بیٹے کے اس طرح مارے جانے کا کچھ اس قدر صدمہ ہوا کہ اس کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے اور مدینہ کے قریب ذوالمرہ کے مقام پر جا کر دم لیا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس بات کا سخت صدمہ ہوا اور خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو نہایت سخت الفاظ میں خط لکھا اور مدینہ آنے سے روک دیا۔ اس واقعہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حوصلہ پست نہ ہونے دیا۔ انہیں جب معلوم ہوا کہ عکرمہ رضی اللہ عنہ اور ذوالکلاع حمیری فوج کو دشمن کے نرغے سے بحفاظت نکال کر شام کی سرحد پر لے آئے ہیں اور اب وہ دارالخلافہ سے مدد کا انتظار کر رہے ہیں تو آپ نے فوراً فوج بھیج دی۔

## مدینہ طیبہ سے بھیجے ہوئے لشکروں کے محاذ:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شام کی مہمات کے لیے چار لشکر بھیجے تھے۔ یہ چاروں لشکر مختلف سپہ سالاروں کی قیادت میں مختلف محاذوں پر پہنچے۔ یہ چاروں لشکر اگرچہ ایک دوسرے سے الگ الگ تھے لیکن باہمی مراسلت کا سلسلہ ان کے امراء میں برابری جاری تھا۔ ان تمام لشکروں کی مجموعی تعداد تیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ قیصر روم کو جب ان لشکروں کا علم ہوا تو اس نے ان کے مقابلہ میں ایک بہت بڑا لشکر ترتیب دیا۔ اس کی بنیادی پالیسی یہ تھی کہ یہ چاروں لشکر الگ الگ ہی رہیں ایک جگہ اکٹھے نہ ہو سکیں۔ اگر یہ اکٹھے ہو گئے تو پھر ان کی اجتماعی قوت سے مقابلہ مشکل ہو جائے گا۔ لہٰذا اس نے فیصلہ یہ کیا کہ ان چاروں کا مختلف محاذوں پر مقابلہ کیا جائے کیونکہ مختلف محاذوں پر ہٹ کر مسلمان رومی فوج کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ ہرقل خود حمص آیا جہاں شام کی ایک عظیم الشان چھاؤنی تھی، اور یہاں بیٹھ کر اس نے لشکروں کی ترتیب اور ان کے اسلحہ اور دیگر ساز و سامان کی فراہمی خود اپنی نگرانی میں کی اور پھر اس نے بھی اپنے چار لشکر مسلمانوں کے چاروں محاذوں اور چاروں لشکروں کے مقابلہ کے لیے اس طرح روانہ کیے۔

سب سے بڑا لشکر جو نوے ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لیے بھیجا گیا۔ اس لشکر کی قیادت ہرقل کا بھائی تھیوڈورس جس کا نام عربی تاریخوں

میں ''تذارق'' لکھا ہے، کر رہا تھا۔ اس نوے ہزار کے رومی لشکر کے مقابلہ میں سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس صرف آٹھ ہزار سپاہی تھے جو کہ نہایت ناکافی تھے۔

دوسرا لشکر ساٹھ ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ یہ لشکر سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لیے بھیجا گیا۔ اس لشکر کا جرنیل پیئر تھا۔ اس کے مقابلہ میں سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا لشکر سات آٹھ ہزار کے قریب تھا۔

تیسرا لشکر چالیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا اور اس کی قیادت ''دارقص'' کر رہا تھا۔ یہ سیدنا شرجیل بن حسنہ کے مقابلہ کے لیے بھیجا گیا تھا جب کہ شرجیل رضی اللہ عنہ کی فوج سات ہزار کے لگ بھگ تھی۔

چوتھا لشکر سرجیس (Serguis) کی قیادت میں تھا۔ عرب مؤرخین نے اس جرنیل کا نام جرجہ لکھا ہے۔ یہ سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لیے بھیجا گیا تھا۔

ہرقل خود حمص میں بیٹھا ان تمام لشکروں کی نگرانی کر رہا تھا اور لمحہ لمحہ حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔ ہرقل کی حمص میں آ کر بیٹھنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اسے میدان جنگ کی خبریں نہایت عجلت کے ساتھ ملتی رہیں۔ ہرقل نے کچھ عرصہ قبل کسریٰ ایران کو شکست فاش دی تھی۔ اب اس کی خواہش یہ تھی کہ اب میرا بھائی تھیوڈورس عربوں کی ذلت آمیز شکست سے تواضع کرے۔

مسلمانوں کو ان لشکروں کی کثرت تعداد کا علم ہوا تو انہیں پہلے تو اپنی قلت تعداد کے باعث گھبراہٹ ہوئی۔ لیکن ان لوگوں کا اللہ پر توکل تھا اور انہیں یاد تھا کہ فتح کثرت وقلت کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ جذبہ ایمانی اور اللہ کے حکم سے ہوتی ہے۔ انہوں نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اس صورت حال میں کیا کرنا چاہیے۔ اسی اثناء میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دشمن کی کثرت تعداد کی اطلاع دی۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مسلمان جرنیلوں کے خطوط کے جواب میں انہیں لکھا کہ اتنی بڑی فوج سے الگ الگ مقابلہ کرنا مناسب نہیں لہٰذا مسلمانوں کے تمام لشکروں کو ایک مقام پر اکٹھے ہو کر اس کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ اگر ہم ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں تو دشمن اپنی کثرت تعداد کے باوجود بھی ہمارے مقابلہ میں قدم نہیں جما سکتا۔ اور اگر ہم نے الگ الگ مقابلہ کیا تو پھر کامیابی کی امید بہت کم ہے۔

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا یہ مشورہ بالکل درست تھا کیونکہ بارگاہِ خلافت سے بھی یہی ہدایت آئی کہ ''آپ سب اکٹھے ہو کر ایک لشکر ہو جائیے۔ آپ خدا کے اعوان ہیں اور اللہ

اپنے اعوان (مددگار) کی ضرور مدد کرتا ہے اور باغیوں کو اپنی نصرت کا مستحق نہیں سمجھتا۔''
(طبری: ۲/۵۹۰، البدایہ والنہایہ: ۷/۵)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق مسلمانوں کے چاروں لشکروں نے دریائے یرموک کے بائیں کنارے جا کر اپنے خیمے گاڑ دیے۔ قیصر روم کے لشکروں نے واقوصہ کے مقام پر اپنے خیمے لگا دیئے جو ایک وسیع نشیبی علاقہ ہے اور جسے تین اطراف سے بلند و بالا پہاڑوں نے گھیر رکھا ہے۔ قیصر روم کی فوجوں کا یہ انتخاب جنگی نقطہ نگاہ سے نہایت غلط تھا کیونکہ اس جگہ کو تین اطراف سے پہاڑوں نے گھیر رکھا تھا۔ رومی فوج کی کل تعداد دو لاکھ چالیس ہزار تھی جو تین اطراف سے پہاڑوں میں محصور ہو کر رہ گئی اور اس کے سامنے جو راستہ تھا اس کو مسلمان فوجوں نے گھیر رکھا تھا۔ چونکہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فنون حرب میں نہایت مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے جب رومی فوج کے پڑاؤ کی یہ صورت حال دیکھی تو فرط مسرت سے فرمایا: ''مسلمانو! خوش ہو جاؤ، رومی تمہارے گھیرے میں آ گئے ہیں، تجربہ بتاتا ہے کہ گھری ہوئی فوج کا گھیرنے والی فوج کی گرفت سے نکل جانا نہایت مشکل ہوتا ہے۔''

رومیوں کی اس دو لاکھ چالیس ہزار فوج کا سپریم کمانڈر ہرقل کا بھائی تھیوڈورس تھا، اور اس کے ہراول دستہ کا انچارج سرجیس، میمنہ اور میسرہ کے انچارج باہان اور دارقص اور پورے میدان کا انچارج پیٹر تھا۔ دونوں فوجوں کو ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے قریباً دو ماہ ہو گئے۔ اس درمیان میں کھل کر کوئی لڑائی نہ ہوئی۔ دو ماہ تک دونوں فوجوں کا آمنے سامنے بیٹھے رہنا کوئی خوش آئندہ بات نہ تھی۔ اس صورت حال کا باقی رہنا مایوسی کا باعث ہوسکتا تھا۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس بارے میں مطلع کیا گیا اور مزید کمک بھیجنے کی بھی درخواست کی گئی۔

جب یہ ساری اطلاعات مدینہ منورہ پہنچیں تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس صورت حال سے فکر مند ہوئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا گیا۔ مختلف آراء سامنے آئیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس بارے میں خود بڑے زیرک تھے۔ انہیں احساس تھا کہ شام کے محاذ پر متعین ہر جرنیل عاقل اور ذہین ہے لیکن ان میں سے کسی نے اتنی بڑی فوج سے جنگ نہیں لڑی۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک ایسا جرنیل ہے جس پر پورا اعتماد کیا جا سکتا ہے کیونکہ جنگ کوئی معمولی جنگ نہ تھی۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ عراق کے محاذ پر اس قسم کے کئی مقابلے کر چکے تھے۔ یہ خالد رضی اللہ عنہ ہی تھے جنہوں نے جنگ موتہ میں دو لاکھ رومیوں کے مقابلہ میں اپنے صرف تین ہزار آدمیوں کو فتح و کامرانی سے ہم

کنار کر دیا تھا۔ چنانچہ آپ نے فیصلہ کیا کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو عراق کے محاذ سے بلا کر شام کے محاذ لانا چاہیے۔ آپ نے مجلس شوریٰ کے سامنے اپنی یہ تجویز رکھی اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ شام کا یہ وسیع علاقہ مسلمانوں کے زیر نگین آنے کے لیے خالد رضی اللہ عنہ کی تلوار کا منتظر ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی قیادت اور فن حرب وضرب اور ان کی جنگی مہارت پر اس قدر اعتماد تھا کہ بقول حافظ ابن کثیر آپ نے فرمایا:

**واللہ لا شغلن النصاریٰ عن وساوس الشیطان بخالد بن ولید.**

(البدایہ والنہایہ: ۵/۷)

## سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے نام خط:

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تجویز کو سراہا اور اس سے پورا پورا اتفاق کیا۔ چنانچہ آپ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو اس بارے میں ایک خط لکھا کہ میرا یہ خط ملتے ہی یرموک میں اسلامی لشکر سے جا ملو۔ خدا کے فضل سے کوئی دوسرا شخص دشمن کی زندگی تمہاری طرح منغض نہیں کر سکتا اور نہ کوئی دوسرا تمہاری طرح مسلمانوں کی پریشانی اور گھبراہٹ دور کر سکتا ہے۔

(طبری: ۴/ ۲۱۸، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو العملیات التعریفیۃ والدفاعیۃ عند المسلمین: ص ۱۴۸، حروب الاسلام فی الشام، احمد محمد: ص ۴۵، تاریخ الدعوۃ الی الاسلام: ص ۳۵۹، الفن العسکری الاسلامی: ص ۱۸۹، ابوبکر الصدیق، الحدیثی: ص ۶۰)

ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اور باتوں کے علاوہ یہ بھی لکھا کہ تین ہزار سواروں کو ساتھ لے کر عراق سے چل دو اور شام جا کر اپنے بھائیوں کی مدد کرو۔ یہ کام پوری عجلت سے ہونا چاہیے۔ اور شام کا ایک دیہات جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح کروایا میری نظر میں عراق کے ایک قصبے سے بہتر ہے۔

(ابن عساکر: ۱/ ۱۴۷)

جس وقت سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو یہ خط ملا اس وقت وہ عراق میں مصروف جہاد تھے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ دراصل اس وقت عراق کی سرزمین چھوڑنا نہیں چاہتے تھے جب تک کہ عراق کا دارالحکومت مدائن فتح نہیں ہو جاتا۔ چنانچہ جب انہیں شام جانے کا خط ملا تو انہیں کچھ ذہنی دھچکا لگا۔ اس خط نے ان کے عراق کی بابت ذہنی منصوبوں کو مسمار کر دیا۔ خط پڑھ کر سب سے پہلی

بات ان کے ذہن میں یہ آئی کہ یہ سارا کام عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہے جو نہیں چاہتے کہ عراق میری جدوجہد سے فتح ہو۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس بات کا پورا پورا احساس تھا کہ اس خط سے خالد رضی اللہ عنہ کے دل میں ضرور تکدر کے آثار ابھرے ہوں گے، لیکن شام میں بھی رومی فوج کے مقابلہ میں ان کی سخت ضرورت تھی۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے خط پڑھ کر شام جانے کا عزم فرما لیا کیونکہ یہ خلیفہ رسول کا حکم تھا جس کی تعمیل وہ ضروری سمجھتے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خط کے آخر میں لکھا تھا کہ مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بنا دیں۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ عراق کے معاملات سے فارغ ہو کر شام کے لیے روانہ ہو گئے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ عراق سے اپنے ساتھ کتنی فوج لے کر آئے اس میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ چھ ہزار، آٹھ سو، پانچ سو (ابن اثیر: ۲/۲۷۹) بلاذری نے آٹھ سو سے پانچ سو کی تعداد بتائی ہے۔ (فتوح البلدان: ص ۱۱۶)

## شام کو روانگی:

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ عراق سے شام کے لیے روانہ ہوئے ہی تھے کہ ایک اور مسئلہ در پیش ہوا کہ راستہ کون سا اختیار کیا جائے؟ کوئی ایسا راستہ ہونا چاہیے جو دشمن سے محفوظ ہو، بے خطر ہو اور بعد از جلد منزل مقصود تک پہنچا جا سکے۔ عراق سے شام جانے کے دو ہی راستے تھے ایک راستہ لق و دق صحرا اور طویل و عریض جنگل کا تھا دوسرا راستہ یہ تھا کہ عراق سے پہلے عرب پہنچا جائے اور پھر وہاں سے شام جایا جائے۔ لیکن یہ راستہ بہت طویل تھا۔ ایک شخص نے ایک اور راستہ کی نشان دہی کی۔ خالد رضی اللہ عنہ نے اس راستہ کو اختیار کیا۔ انہوں نے یرموک کے قریب جا کر اپنے رفقائے سفر سے پوچھا کہ کوئی ایسا راستہ بتائیں جس پر چل کر ہم جلد از جلد اپنی منزل مقصود پر پہنچ کر رومی فوجوں کے عقب میں جا کر کھڑے ہوں، لیکن راستہ میں رومی فوجوں سے تصادم نہ ہو ورنہ ہم منزل پر تاخیر سے پہنچیں گے۔ کچھ لوگوں نے بتایا کہ ایک راستہ تو ہے لیکن یہ راستہ اس قدر تنگ ہے کہ بیک وقت صرف ایک ہی شخص گزر سکتا ہے اس لیے بہتر یہ ہے کہ وہ راستہ اختیار نہ کیا جائے کیونکہ ایسے راستہ سے لشکر کو نقصان پہنچنے کا شدید خطرہ ہے لیکن سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو خطرات سے محبت تھی۔ چنانچہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے وہی پر خطر راستہ اپنانے پر اصرار کیا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اس لشکر میں کوئی ایسا شخص ہے جو اس پر خطر راستہ پر سفر کرنے کے لیے ہماری راہ نمائی کر سکے؟ لوگوں نے رافع بن عمیر طائی کا نام لیا، اس نے بھی اس پر خطر راستہ پر

سفر کرنے کی مخالفت کی لیکن خالد رضی اللہ عنہ بضد تھے کہ ہم اسی خطرناک راستہ سے سفر کریں گے۔
چنانچہ وہ اسی خطرناک راستہ سے سفر کر کے بصریٰ پہنچے یہاں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اس شہر کا محاصرہ کیے ہوئے تھے لیکن وہ فتح نہیں ہو رہا تھا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے آتے ہی اس زور کا حملہ کیا کہ رومیوں کا جرنیل رومانس پسپا ہو کر بصریٰ کے اندرونی حصہ میں پناہ گزین ہو گیا اور شہر فتح ہو گیا۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ بعد میں مسلمان ہو گیا اور دین اسلام کی حمایت میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔

## معرکہ اجنادین [1]:

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ دمشق کی طرف پیش قدمی کی جائے لیکن انہیں اچانک یہ اطلاع ملی کہ قیصر روم نے ایک لاکھ کا لشکر اجنادین میں اکٹھا کیا ہوا ہے۔ اس کے تمام باشندے اور وہ عرب قبائل جو شام میں مقیم ہیں، رومی فوجوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ عیسائی پادریوں اور راہبوں نے تمام ملک کا دورہ کر کے لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف مشتعل کر کے دلوں میں ایک آگ لگا رکھی تھی۔ یہ خبر سن کر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے جو اب شام میں موجود تمام مسلمان فوجوں کے سپریم کمانڈر تھے، فوج کے تمام جرنیلوں کو حکم دیا کہ اجنادین کے محاذ پر جمع ہو جائیں۔ سیدنا خالد جس وقت اجنادین پہنچے ٹھیک اسی وقت وردان جو ایک نامور ماہر رومی سپہ سالار تھا، ایک لشکر جرار کے ساتھ اجنادین پہنچ گیا۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے اجنادین پہنچنے کے وقت سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور سیدنا شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ بھی سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی دعوت پر اپنی فوجوں کے ساتھ اجنادین پہنچ گئے۔ اجنادین پہنچتے ہی سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے تمام فوجوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی۔ آپ نے پیدل فوج کی قیادت سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کی۔ میمنہ پر سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو مامور کیا، میسرہ پر سیدنا سعد بن عامر رضی اللہ عنہ کو متعین کیا اور سوار فوج پر سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا تقرر عمل میں لایا گیا۔ دونوں طرف کی فوجیں ایک دوسرے کے سامنے کھڑی حکم کی منتظر تھیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ وہ عموماً جنگ نماز ظہر کے بعد شروع کرتے تھے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اس سنت نبوی پر عمل کرنے کے خیال سے اپنی فوج کو حکم دیا کہ نماز ظہر تک

[1] اجنادین فلسطین کے نواح میں ایک شہر تھا۔) (معجم البلدان، یاقوت حموی: ۱/۱۰۳)

جنگ شروع نہ کی جائے لیکن رومیوں نے اس سے قبل ہی مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ میمنہ کے افسر سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور میسرہ پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بھتیجے سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ تھے۔ رومیوں نے ان دونوں بازوؤں پر اس زور سے تیر برسائے کہ مجاہدین کے گھوڑے بدکنے لگے۔ خود مسلمان فوج میں ایک انتشار کی کیفیت پیدا ہوگئی، لیکن وہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے حکم کے منتظر تھے، سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ حملہ کر دیں اور خود اس میں پیش قدمی کی۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا حملہ کرنا تھا کہ پوری فوج سیل رواں کی طرح آگے بڑھی اور رومیوں پر اس شدت سے حملہ کیا کہ انہیں سوائے بھاگنے کے اور کوئی چارہ نہ رہا۔ رومی فوج کے سپہ سالار تھیوڈورس نے خود بھاگ کر حمص پناہ لی۔ دوسری کچھ فوج نے دمشق میں اور کچھ نے حمص میں پناہ تلاش کی۔ ہرقل کو تھیوڈورس پر بہت غصہ آیا۔ اس نے بڑے ذلیل طریقہ سے اس کو معزول کر دیا اور آخر اسی ذلت و خواری کی حالت میں وہ مر گیا۔

فتح کے بعد سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن حنبل کے ہاتھ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نام ایک خط بھیجا کیونکہ یہ پہلا سب سے بڑا معرکہ تھا جو مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان ہوا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب یہ خط ملا تو انہیں بہت خوشی ہوئی۔ اللہ کا شکر ادا کیا اور فرمایا:

**الحمدلله الذی نصر المسلمین و اقرعینی بذالك.**

(فتوح الشام ازدی: ۸۴۔۹۳)

"سب تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے مسلمانوں کی مدد کی اور اس سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک ہوئی۔" (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ابوبکر الصدیق، نزار الحدیثی: ص ۷۰۔۷۱)

## سیدنا خالد رضی اللہ عنہ دمشق میں:

اجنادین کی فتح کے بعد سیدنا خالد رضی اللہ عنہ واپس دمشق آگئے اور آتے ہی دمشق [1] کا

[1] اس شہر کا صحیح تلفظ دِمَشق یعنی دال کے نیچے زیر میم پر زبر اور شین پر جزم۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا نوح علیہ السلام نے طوفان کے بعد کشتی سے اتر کے سب سے پہلے دو بستیاں آباد کیں۔ پہلے حران اور پھر دمشق۔ بعض روایات میں ہے کہ اس کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ایک غلام دمشق نے آباد کیا تھا، اور بعض تاریخوں میں ہے کہ یہ بستی ذوالقرنین نے بسائی تھی۔ اگرچہ روایات اس بارے میں مختلف ہیں لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دمشق دنیا کا سب سے پرانا شہر ہے جواب تک آباد ہے۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا: 1/7)

محاصرہ کر لیا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا قیام ایک گرجے میں تھا اور دمشق کے باب شرقی کے نزدیک تھا۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ باب جابیہ کے بالمقابل، سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ باب توما، سیدنا شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ باب فرادیس کے قریب اور سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ باب صغیر کے متصل ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ اس طریقہ سے مسلمانوں نے پورے شہر کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ مسلمانوں کے اس محاصرہ سے شہر کے تمام باشندے پریشان تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی اس پریشانی کی بابت ہرقل کو لکھا جو اس وقت حمص میں تھا۔ لوگوں کا خط ملتے ہی ہرقل نے فوج روانہ کر دی۔ مرج اصفر کے مقام پر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی فوج سے ان کا آمنا سامنا ہو گیا۔ رومی شکست کھا کر واپس بھاگ گئے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے پھر واپس آ کر دمشق کا محاصرہ جاری رکھا۔

ہرقل کی مدد ناکام ہوئی اور رومیوں کی کوئی حفاظتی تدابیر انہیں فائدہ نہ پہنچا سکی۔ اب سرکردہ لوگوں نے پھر ہرقل کو خط لکھا اور دھمکی دی کہ اگر اس مشکل وقت میں آپ نے ہماری کوئی مدد نہ کی تو ہم مسلمانوں سے مصالحت کر لیں گے۔ ہرقل نے انہیں لکھا کہ فوج تو میں بھیج رہا ہوں لیکن تم لوگ نہایت صبر سے مسلمانوں کا مقابلہ کرو۔ ہرقل نے فوج نہ بھیجی اور اہل شہر انتظار کرتے رہے تو انہوں نے مجبور ہو کر مسلمانوں سے صلح کر لی۔

بعض روایات میں ہے کہ اہل دمشق نے جابیہ کے متصل سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی۔ صلح کے بعد جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو انہیں پتہ چلا کہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ باب شرقی کی طرف سے اپنی فوج کے ساتھ اہل شہر سے جنگ کرتے ہوئے زبردستی شہر میں داخل ہو گئے ہیں۔ آگے چل کر شہر کے واسط میں جب خالد رضی اللہ عنہ اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہوئی تو سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اہل شہر نے ان سے صلح کر لی ہے لہٰذا انہیں کسی قسم کا جانی اور مالی نقصان پہنچانا شرعی طور پر مسلمانوں کے لیے جائز نہیں۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ انہوں نے تلوار اور طاقت کے زور سے اس شہر کو فتح کیا ہے اس لیے ان سے وہی سلوک کیا جائے گا جو مفتوحین سے کیا جاتا ہے۔ غرضیکہ اسلامی فوج کے ان سرداروں کے مابین تھوڑی سی بحث ہوئی، پھر فیصلہ ہوا کہ صلح بحال رکھی جائے اور اہل شہر سے مفتوحین کا سا برتاؤ اور سلوک نہ کیا جائے۔

# عراق میں دوبارہ بغاوت

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق سیدنا خالد رضی اللہ عنہ عراق سے شام روانہ ہوتے وقت سیدنا مثنیٰ بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کر کے آئے تھے۔ وہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے جانے کے بعد حیرہ میں بیٹھ کر مفتوحہ علاقہ کے انتظام وانصرام میں مشغول ہو گئے۔ انہیں اس بات کا احساس تھا کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے عراق سے جانے کے بعد ایرانی اپنے علاقہ کی واپسی کی ضرور کوشش کریں گے۔ اس وجہ سے انہوں نے ادھر ادھر چھاؤنیاں قائم کر دیں اور جاسوسی کے نظام کو نہایت موثر بنایا اور خود حیرہ میں قیام پذیر ہو گئے۔ ایران میں دو طاقتیں مسلمانوں کی سخت مخالف تھیں۔ ایک ایرانی اور دوسرے وہ عربی قبائل جو ایران میں بستے تھے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اس صورت حال سے آگاہ ہونے کے باعث شام جانے سے قبل انہوں نے عرب عورتوں، بوڑھے اور کمزور مردوں اور بچوں کو عراق سے مدینہ طیبہ بھیج دیا۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق عراق سے شام چلے گئے لیکن خالد رضی اللہ عنہ سے عراق کو خالی پا کر ان کی ہمتیں جوان ہو گئیں اور سوئے ہوئے جذبے اور ولولے بیدار ہو گئے۔ اس کے ساتھ کئی سالوں کی طوائف الملوکی اور ایرانیوں کے حکمران خاندان کی باہمی چپقلش اور آپس کے سخت جھگڑوں کی گرم فضا میں اتحاد کی خنکی پیدا ہو گئی تھی۔ لہٰذا اب انہوں نے متفقہ طور پر شہر یار کے بیٹے شہر پران کو ایران کا شہنشاہ تسلیم کر کے تخت ایران پر بٹھا دیا۔ اس طریقہ سے ایران میں ایک مضبوط حکومت قائم ہو گئی۔ اب اس نے اپنے مفتوحہ علاقے واپس لینے کے لیے منصوبہ بنایا۔ دس ہزار کا لشکر ہرمز جاذویہ کو اس تاکید کے ساتھ دیا کہ وہ جلد از جلد مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو سرزمین ایران سے بھگا کر اپنے مفتوحہ علاقے مسلمانوں سے خالی کرائے۔ اس کی اس فوج کے ساتھ ہاتھی بھی تھے۔ ان کے ساتھ جنگ کرنا مسلمانوں کے لیے

ایک نئی بات تھی۔ چنانچہ ہرمز اس عزم کے ساتھ میدان میں اترا کہ وہ اب بہرصورت مسلمانوں کو اپنے علاقہ سے نکال کر دم لے گا۔

سیدنا مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو جب ایرانیوں کے اس منصوبے کا علم ہوا تو انہوں نے اپنی مختلف چھاؤنیوں میں سے منتشر فوج کو اکٹھا کیا اور اس بات کا عزم کر لیا کہ وہ مفتوحہ علاقوں میں ہرمز اور اس کی فوج کو داخل نہیں ہونے دیں گے۔ چنانچہ ایرانیوں سے مقابلہ کے لیے فوج تیار کی گئی اور مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں بھائیوں، معنی اور مسعود کو میمنہ اور میسرہ پر مقرر کیا۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ اپنی فوج کے ساتھ حیرہ سے نکلے اور بابل کے کھنڈرات سے آگے بڑھ رہے تھے کہ انہیں ایرانی بادشاہ کا ایک خط موصول ہوا جس میں لکھا تھا کہ میں تمہارے مقابلہ میں ایران کا ایک لشکر بھیج رہا ہوں۔ یہ مرغیوں اور خنزیر چرانے والوں کا لشکر ہے اور تم لوگوں کی حیثیت یہی ہے کہ تمہارے مقابلہ میں اسی قسم کے لوگ بھیجے جائیں۔ خط کے ایک ایک لفظ سے تکبر اور غرور و تمکنت کے جذبات ٹپک رہے تھے۔ جو شخص یہ خط لے کر آیا سیدنا مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اسی کے ہاتھ ایران کے بادشاہ کو اس کا جواب بھیج دیا۔

مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے خط کا جواب شاہ ایران کے خط سے زیادہ سخت دیا۔ کہ خط پڑھ کر کسریٰ کو جھرجھری آ گئی۔ سیدنا مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے بابل کے کھنڈرات میں ایک اونچی جگہ پر پڑاؤ کیا جو مدائن سے صرف پچاس میل کی مسافت پر تھا۔ ہرمز بھی دس ہزار کا لشکر لے کر وہاں پہنچ گیا۔ اس کو یقین تھا کہ وہ مسلمانوں کو ختم کر کے واپس جائے گا۔ مختصر یہ کہ جنگ شروع ہوئی۔ ہرمز ہاتھی پر سوار تھا۔ یہ جنگ مسلمانوں کے لیے انوکھی تھی۔ ہرمز کا ہاتھی میدان میں جس طرف رخ کرتا مسلمانوں کی صفیں منتشر ہو جاتیں۔ سیدنا مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے پہلے ہاتھی کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ مثنیٰ رضی اللہ عنہ خود چند جرأت مند ساتھیوں کے ساتھ ہاتھی کی طرف بڑھے اور اس پر تلواروں سے بیک وقت ایسا حملہ کیا کہ ہاتھی کو مار دیا گیا۔ جونہی ہاتھی مرا ایرانوں میں بدحواسی پیدا ہو گئی اور تھوڑے ہی وقت میں تمام ایرانی میدان جنگ سے بری طرح بھاگے اور مسلمانوں نے مدائن تک ان کا تعاقب کیا۔ بھاگنے والوں میں سپہ سالار ہرمز بھی تھا۔ ہرمز کو شکست کیا ہوئی تمام ایرانیوں کے منہ لٹک گئے اور پورے ایران میں ایک عجیب قسم کی بددلی پھیل گئی اور کسریٰ شکست کی خبر سن کر بستر علالت پر پڑ گیا اور چند روز بعد مر گیا۔ اور مسلمان دلیر ہو گئے۔

## ایران......بحران کی زد میں:

شاہ ایران کی موت کے بعد ایران میں ایک بار پھر بحرانی کیفیت پیدا ہوگئی۔ اور کسی کو تخت شاہی پر بٹھانے کے لیے اتفاق نہیں ہو رہا تھا۔ سیدنا مثنیٰ رضی اللہ عنہ کو ایران میں اس افراتفری اور انتشار کی ساری خبریں پہنچ رہی تھیں۔ انہوں نے ایران کی اس بحرانی کیفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پیش قدمی شروع کر دی اور مدائن کے دروازوں پر جا پہنچے۔ ان کی اصل تمنا مدائن کو فتح کرنے کی تھی۔ لیکن کسریٰ کا دارالحکومت تھا، اس کی حفاظت کے لیے ان کے پاس بہت فوج تھی، لیکن اس کے مقابلہ میں سیدنا مثنیٰ کے پاس جو فوج تھی وہ مدائن کو فتح کرنے کے لیے ناکافی تھی، اس لیے انہوں نے مزید فوج کے لیے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لکھا، لیکن اس وقت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اس پوزیشن میں نہ تھے کہ کمک روانہ کر سکیں، کیونکہ ان کی تمام فوجی قوت شام کے محاذ پر رومیوں سے برسرِ پیکار تھی۔ جب سیدنا مثنیٰ رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے خط کا کوئی جواب نہ آیا تو انہوں نے ایک تفصیلی خط لکھا جس میں بتایا کہ مسلمان فوجیں مدائن کے دروازوں پر کھڑی ہیں۔ لہٰذا مجھے مزید فوج کی ضرورت ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو ان لوگوں کو فوج میں داخل کر لیا جائے جنہوں نے ارتداد سے توبہ کر لی ہے لیکن اس خط کا جواب بھی بارگاہِ خلافت سے نہ آیا۔ بارگاہِ خلافت کی اس خاموشی سے سیدنا مثنیٰ رضی اللہ عنہ سخت پریشان ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے بشیر بن فصاحہ کو اپنا قائم مقام بنا کر خود مدینہ کا سفر اختیار کیا۔ جب سیدنا مثنیٰ رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے تو دیکھا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سخت علیل ہیں اور ان کے صحت یاب ہونے کی ظاہری کوئی امید نہیں۔ یہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملے۔ انہوں نے عراق کی مہم کی پوری داستان مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے منہ سے سنی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: ''عمر! جو میں کہتا ہوں اسے غور سے سنو اور اس پر عمل کرو۔ مجھے خیال ہے کہ میں آج اس دنیا سے انتقال کر جاؤں گا۔ تم میرے مرنے کے بعد کل کا دن ختم ہونے سے پہلے پہلے مجاہدین کو مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ کر دینا۔ یہ بھی فرمایا کہ شام کا معرکہ سر ہو جائے تو خالد رضی اللہ عنہ کو واپس عراق بلا لینا۔ (ابن اثیر: ۲/۲۸۰، البدایہ والنہایہ: ۷/۱۷)

# وفات

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قریباً دو سال حکومت کی لیکن اس مدت میں ایک روز بھی انہوں نے آرام واطمینان سے نہیں گزارا۔ زمام خلافت سنبھالتے ہی بہت سے فتنوں نے سر اٹھایا لیکن انہوں نے جلد ہی ان کی سرکوبی کر دی۔ پھر اس قلیل عرصہ میں مسلمان فوجوں نے عراق میں نہ صرف اپنی فتح کے جھنڈے گاڑے بلکہ وہاں کے اکثر لوگوں نے دعوت اسلام کو قبول کر کے مسلمانوں کی افرادی قوت میں بے پناہ اضافہ کیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کے اس مختصر عہد خلافت میں مسلمانوں کی فوج نے سرزمین شام میں قدم رکھا اور ہرقل کی فوجوں کو ہر محاذ پر شکست دی اور دمشق اور اجنادین جیسے مرکزی شہروں کو فتح کیا۔ اور قیصر وکسریٰ کی سطوت وعظمت کے نشانات ان کی سرزمینوں اور رعایا کے ذہنوں سے مٹا دیتے تھے۔ اسی دوران موت کا فرشتہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاں دستک دینے لگا اور چند روز بستر علالت پر رہنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جانشین داعی اجل کو لبیک کہہ کر قبر کی آغوش میں چلا گیا۔

(البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۸، طبری: ۴/ ۲۳۸)

آپ کی وفات کس طرح واقع ہوئی۔ اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حارث بن کلدہ (اور ایک اور روایت میں سیدنا عتاب بن اسید کا نام بھی ہے) نے ایک دسترخوان پر بیٹھ کر حریرہ کھایا تھا جو ایک یہودی نے آپ کو پیش کیا تھا۔ اس حریرہ میں ایسا زہر ملا ہوا تھا جو ایک سال کے بعد اثر کرتا تھا۔ حارث بن کلدہ نے چند لقمے کھائے اس لیے ان پر تو کوئی اثر نہ ہوا لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ نے کچھ زیادہ کھایا اس لیے ان پر ایک سال کے بعد اثر ہوا۔ اس لیے سیدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ نے جب ایک سال کے بعد مکہ میں انتقال کیا تو اسی روز مدینہ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی جان جان آفرین

کے سپرد کی۔ (طبری: ۴/ ۲۳۹، ابوبکر الصدیق طنطاوی: ص ۲۳۳)

دوسری روایت اس بارے میں یہ ہے اور ہمارے نزدیک یہ صحیح ہے کہ ۷ جمادی الآخرہ ۱۳ھ بروز اتوار شدید سردی تھی۔ آپ نے اس روز ٹھنڈے پانی سے غسل فرمالیا۔ اور اس کے بعد ہی آپ کو بخار ہو گیا جو پندرہ دن متواتر رہا، اور اسی کی وجہ سے آپ عالم باقی کو انتقال فرما گئے۔ یہ روایت ان کی صاحبزادی سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا اور ان کے بیٹے عبدالرحمٰن سے مروی ہے۔ یہ تو آپ کی وفات کا ظاہری سبب تھا۔ اس کا باطنی سبب یہ تھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد ان کی جدائی کا غم اس قدر شدید تھا کہ آپ اندر ہی اندر جدائی کے غم میں گھلتے اور پگھلتے رہے۔ یہاں تک اسی غم میں آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لے گئے۔

(صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی: ۱/ ۲۶۳، اصحاب الرسول: ۱/ ۱۰۴)

بخار نہایت شدید تھا۔ اسی بخار کی حالت میں کچھ روز مسجد نبوی میں نماز پڑھانے کے لیے بھی آتے رہے لیکن بالآخر بخار کی شدت نماز پڑھانے سے مانع ہوئی تو ان کے حکم سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے رہے۔ اس عرصہ میں کچھ علاج بھی کروایا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ لوگ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھتے کہ آپ نے طبیب کو بھی دکھایا؟ فرماتے: ''ہاں اس نے مجھے دیکھا ہے۔'' پھر پوچھتے: ''وہ کیا کہتا ہے؟'' فرماتے: ''وہ کہتا ہے:

''افعل ما اشاء''

''میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔''

بخار شروع ہوتے ہی آپ کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تھا لیکن آپ نہایت پرسکون اور مطمئن تھے۔ کیونکہ انہیں علم تھا کہ بہت جلد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہونے والی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تیمارداری کے لیے آتے رہے۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ چونکہ پڑوس ہی میں رہتے تھے اس وجہ سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ تیمارداری کا شرف آپ ہی کو حاصل ہوا۔ (طبری: ۲/ ۶۱۲)

بیماری کی اس شدت کے باوجود کیا مجال تھی کہ امور خلافت اور مسلمانوں کے اہم معاملات کی طرف ذرا بے توجہی برتی ہو۔ چنانچہ جس روز انتقال ہوا اسی روز سیدنا مثنیٰ بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ عراق سے آئے تھے، کو شرف باریابی مرحمت فرمایا۔ عراق کی تفصیل اس سے سنی اور پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان کے بارے میں ہدایات دیں۔ اپنی جانشینی کے بارے میں بھی

وصیت نامہ تیار کروایا۔ اس بارے میں انہوں نے مختلف اصحاب رسول رضی اللہ عنہ سے مشورہ فرمایا۔ ویسے آپ کا ذاتی رجحان سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف تھا۔ مشورہ اس لیے کیا کہ شاید کسی اور صحابی میں وہ شے مل جائے جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ میں نہ ہو۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ بلاشبہ ایک بہترین آدمی ہے لیکن مزاج میں کچھ سختی اور درشتی ہے۔'' فرمایا: ''عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج میں درشتی کی وجہ صرف یہ ہے کہ میں اس سے نرمی کا برتاؤ کرتا ہوں۔'' ایسے ہی اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تو کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں اور کئی حضرات نے ان کے خلاف مشورہ دیا۔ آپ سب کی باتیں سنتے رہے۔ جن لوگوں کی رائے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف تھی ان کی نمائندگی کرتے ہوئے سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: ''ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کر رہے ہیں؟ آپ جانتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج میں کس قدر سختی ہے اس کے باوجود بھی آپ انہیں اپنا جانشین مقرر فرما رہے ہیں۔ اگر اللہ نے اس بارے میں آپ سے باز پرس کی تو آپ اس کا کیا جواب دیں گے؟'' سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی بات سن کر آپ کو کچھ غصہ آ گیا اور فرمایا کہ مجھے ذرا بٹھا دو۔ لوگوں نے آپ کو بٹھا دیا اور فرمایا: ''میں جب رب کے حضور میں پیش ہوں گا اور وہ مجھ سے اس بارے میں سوال کرے گا تو میں کہوں گا: ''اے اللہ! میں نے تیرے بندوں پر تیرے ایک بہترین بندہ کو خلیفہ مقرر کیا ہے۔'' آخر ایک روز آپ نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی جانشینی کا وصیت نامہ لکھیں۔ وہ کاغذ اور قلم دوات لے کر بیٹھے تو فرمایا لکھو:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: یہ وصیت ابوبکر ابن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ نے تمام مسلمانوں کے لیے لکھوائی ہے۔ یہیں تک بولنے پائے تھے کہ آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو پہلے سے معلوم تھا کہ یہ وصیت کس کے بارے میں لکھوائی جا رہی ہے چنانچہ انہوں نے لکھ دیا کہ ''میں نے تم پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا ہے اور میں نے اس معاملہ میں تمہاری خیرخواہی اور بھلائی میں کوئی کوتاہی نہیں کی'' کی عبارت لکھ دی۔ جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بے ہوشی سے افاقہ ہوا تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جو الفاظ میں نے لکھوائے تھے ان کو پڑھیئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ تمام عبارت پڑھ کر سنا دی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خوشی سے فرمایا: ''اللہ اکبر'' پھر فرمایا: ''معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں یہ خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ غشی کی حالت میں اگر میری روح قفس عنصری

سے پرواز کر گئی تو وصیت نامکمل رہ جائے گی اور لوگوں میں اختلاف پیدا ہونے کا خطرہ ہے، اس لیے تم نے عبارت کو مکمل کر دیا؟ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کی اس بات کی تائید کی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات کی جزائے خیر عطا فرمائے۔

(الامۃ والسیاسۃ: ۱/ ۱۶، عثمان بن عفان، عقاد: ص ۱۵۰، تاریخ الخلفاء سیوطی: ص ۸۲، التاریخ الاسلامی: ۹/ ۲۵۸، ابوبکر الصدیق، طنطاوی: ص ۲۳۷، دراسات فی عہد النبوۃ والخلافۃ الراشدۃ: ص ۲۷۳، النظریۃ السیاسیۃ الاسلامیہ، ضیاء الریس: ص ۱۸۱، اصحاب الرسول، محمد المصری: ۱/ ۱۰۴)

وصیت مکمل فرمائی اور پھر اس کو مہر بند کر دیا گیا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اسے باہر لے کر آئے اور لوگوں سے پوچھا کہ ''اس وصیت میں جس شخص کو خلیفہ مقرر کرنے کا ذکر کیا گیا ہے، کیا آپ حضرات اس کی بیعت کرنے کے لیے تیار ہیں؟'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ وہ شخص عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔'' پس سب لوگوں نے اس کو تسلیم کر لیا اور سب نے عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۰۰، ابوبکر رجل الدولۃ: ص ۹۹)

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور اس وصیت نامہ کو لوگوں کو سنانا ضروری سمجھا تاکہ کوئی اختلاف نہ ہو۔ ان کی اہلیہ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے ان کو دونوں ہاتھوں سے تھام رکھا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ گھر کے بالاخانے پر تشریف لائے اور لوگوں کو فرمایا: لوگو! خلافت کے بارے میں میں نے ایک عہد کیا ہے کیا تم اس پر رضامند ہو؟ سب لوگوں نے کہا: ہم اس بات پر راضی ہیں، لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: "لانرضیٰ الا ان یکون عمر بن الخطاب" (عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سوا ہم کسی دوسرے شخص پر راضی نہ ہوں گے۔)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرنا آپ کی سیاسی اور دینی بصیرت کی ایک بین دلیل ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں تین شخص بڑے عاقل اور صاحب فراست تھے۔ پہلا عزیز مصر جس نے سیدنا یوسف علیہ السلام کے کمالات کو اپنے قیافہ اور فراست سے معلوم کر کے اپنی بیوی کو یہ ہدایت دی کہ یوسف علیہ السلام کی بود و باش کا اچھا انتظام کرے۔ دوسرے سیدنا شعیب علیہ السلام کی وہ صاحبزادی جس نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اپنے والد سے کہا کہ ابا جان! آپ ان کو ملازم رکھ لیجیے اس لیے کہ بہترین ملازم وہ شخص ہے جو قوی بھی ہو اور امانت دار بھی۔

تیسرے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے اپنے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لیے نامزد کیا۔
(تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۴۷۳، مجمع الزوائد: ۱۰/ ۲۶۸، واخرجہ الحاکم: ۳/ ۹۰ وصححہ ووافقہ الذہبی، ابوبکر رجل الدولۃ: ص ۱۰۰)

پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر وصیتیں فرمائیں۔

(ابن اثیر: ۲/ ۲۸۲۔۲۸۳، صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۲۸۴)

بعض روایات میں ہے کہ یہ وصیتیں سنا کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ الوہیت میں ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی کہ "اے اللہ! میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کا خلیفہ بنا کر اپنے علم کے مطابق مسلمانوں کی بہتری کا سامان بہم پہنچایا ہے۔ میں نے یہ کام مسلمانوں کو فتنہ وفساد کی آگ سے بچانے کے لیے کیا ہے اور بڑے غور وفکر کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کو ان کا خلیفہ مقرر کیا ہے۔ اے اللہ! میری موت کا وقت قریب آ گیا ہے، تو ہی مسلمانوں کی حفاظت فرمانے والا ہے۔ اے اللہ! ان کے نامزد کردہ امیر کو نیک عمل کرنے کی صلاحیت اور توفیق عطا فرما۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۰۰)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو وصیتیں کرنے کے بعد اب آپ نے اپنے ذاتی اور خانگی معاملات کی طرف توجہ فرمائی۔ اپنی علالت کے زمانہ میں آپ نے ایک مرتبہ پوچھا تھا کہ خلیفہ ہونے کے بعد اب تک بیت المال سے مجھے کتنا وظیفہ ملا ہے؟ حساب کر کے بتایا گیا کہ چھ ہزار درہم۔ فرمایا: "میری فلاں زمین فروخت کر کے یہ رقم بیت المال میں واپس کر دی جائے۔" پھر پوچھا کہ بیعت خلافت کے بعد میرے مال میں کس قدر اضافہ ہوا ہے؟ بتایا گیا کہ ① ایک حبشی غلام جو بچوں کو کھلاتا ہے اور ساتھ ہی مسلمانوں کی تلواروں کو صیقل کرتا ہے۔ ② ایک چادر جس کی قیمت ایک درہم کے لگ بھگ ہوگی اور ③ ایک اونٹنی جس پر پانی لایا جاتا ہے۔" فرمایا: "میرے انتقال کے بعد یہ رقم اور یہ تینوں اشیاء خلیفہ وقت کی خدمت میں بھیج دی جائیں۔ اس حکم کی تعمیل میں جب یہ رقم اور تینوں اشیاء سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچیں تو انہوں نے رو کر فرمایا: "ابوبکر! تم اپنے جانشینوں کے لیے بہت مشکل کام چھوڑ گئے ہو۔"
(طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۹۶، المنتظم لابن جوزی: ۴/ ۱۲۷، اصحاب الرسول: ۱/ ۱۰۵)

## تجہیز وتکفین کے بارے میں وصیت:

اس کے بعد اپنی تجہیز وتکفین کے بارے میں وصیت فرمائی۔ اپنی بیوی سیدہ اسماء

بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ مجھے تم ہی غسل دینا۔ انہوں نے عرض کی کہ یہ مجھ سے نہیں ہو سکے گا۔ فرمایا: ''میرا بیٹا عبدالرحمٰن تمہاری مدد کرے گا۔'' (طبری: ۲/۶۱۳، طبقات ابن سعد: ۳/۲۰۳)

پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا؟ انہوں نے کہا: ''تین کپڑوں میں۔'' فرمایا کہ یہ دونوں کپڑے میرے دھو لینا اور تیسرا کپڑا خرید کر مجھے کفن دینا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: ''ابا جان! ہم آپ کے لیے تینوں کپڑے بازار سے خرید سکتے ہیں۔'' فرمایا: ''بیٹی نئے کپڑوں کا زیادہ مستحق زندہ ہے۔ کفن کے کپڑے تو لہو اور پیپ کے لیے ہیں۔'' (طبری: ۲/۶۱۳، طبقات ابن سعد: ۳/۱۹۷۔۲۰۴)

اس کے بعد دریافت فرمایا: ''آج کون سا دن ہے؟'' بتایا گیا: دوشنبہ (پیر) پھر پوچھا: ''سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال کس روز ہوا تھا؟'' بتایا گیا: ''دوشنبہ کے روز۔'' جواب میں فرمایا: ''مجھے امید ہے کہ میری وفات آج ہی کے روز ہوگی۔'' (طبقات ابن سعد: ۳/۲۰۱)

ان وصیتوں سے جونہی فارغ ہوئے تو سکرات موت شروع ہو گئے۔ سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ابا کے آخری لمحات دیکھ کر حاتم کا یہ شعر پڑھا ؎

لعمرك مايغني الشراء عن الفتیٰ

اذا حشرجت يوماً وضاق بها اصدر

یعنی جب نزع کی حالت طاری ہو جاتی ہے اور سانس کی تنگی کی وجہ سے سینہ گھٹنے لگتا ہے تو دولت انسان کے کچھ کام نہیں آتی۔

یہ شعر سن کر فرمایا: اللہ کا قول زیادہ سچا ہے کہ

﴿وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ﴾ (ق: ۱۹)

''اور موت کی بے ہوشی تو ضرور آ کر رہے گی۔ یہی وہ حالت ہے جس سے تو بھاگتا ہے۔'' (طبقات ابن سعد: ۳/۱۹۷، صفۃ الصفوۃ: ۱/۲۶۶)

بالآخر وہ گھڑی آ پہنچی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے۔ ایک ہچکی آئی اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین جو آفتاب نبوت کا عکس تھا اور امت محمدیہ کا سب سے بڑا خلیفہ راشد، تبسم برلب اس عدم ہستی نما سے ہستی عدم نما کو انتقال کر گیا۔ آخری وقت زبان پر یہ دعا تھی:

﴿تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ﴾ (یوسف: ۱۰۱)

''یعنی اے میرے رب! تو مجھ کو مسلمان ہونے کی حالت میں موت دینا

اور صالحین کے ساتھ میرا حشر کرنا۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ۱۵ روز بیمار رہے ۲۲ جمادی الآخرہ ۱۳ھ بروز دوشنبہ غروب آفتاب کے بعد آپ کی وفات ہوئی اور وصیت کے مطابق سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے غسل دیا اور غسل کے وقت ان کے صاحبزادے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ان کے بدن پر پانی ڈالتے رہے۔ بعد ازاں ان کی میت کو چارپائی پر رکھ کر مسجد نبوی میں لے گئے۔ یہ وہی چارپائی تھی جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک جسم کو رکھا گیا تھا اور اتارا گیا تھا۔ پھر نماز جنازہ کے بعد اس آفتاب خلافت و امامت کو آفتاب نبوت کے پہلو میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے اس طرح دفن کیا کہ ان کا سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھوں کے برابر تھا۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی اور مدت خلافت ۲ برس ۳ ماہ اور گیارہ دن۔

(اشہر مشاہیر الاسلام: ۱/۹۴، اصحاب الرسول: ۱/۱۰۶، التاریخ الاسلامی محمود شاکر، الخلفاء الراشدون: ص ۱۰۴، الشیخان ابوبکر الصدیق وعمر بن الخطاب بروایۃ البلاذری فی انساب الاشراف، تحقیق احسان صدقی: ص ۶۹، تاریخ الاسلام الذہبی، عہد الخلفاء الراشدین: ص ۱۲۰)

## صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا غم واندوہ:

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد امت کے لیے یہ پہلا حادثہ تھا جس نے مدینہ کے درودیوار کو ہلا کر رکھ دیا۔ جو شخص بھی آپ سے جتنا تعلق رکھتا تھا اتنا ہی وہ غم زدہ تھا۔ آپ کے والد محترم سیدنا ابو قحافہ رضی اللہ عنہ اس وقت زندہ تھے۔ انہوں نے غم واندوہ کے اس پہاڑ کو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر برداشت کیا اور خاموش ہو گئے۔ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا بھی نہایت سوگوار تھیں۔ (ابوبکر الصدیق طنطاوی: ص ۲۴۶)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہوئے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نعش کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اے خلیفۂ رسول! آپ نے دنیا سے انتقال فرما کر مسلمانوں کو سخت تکلیف اور مشقت میں مبتلا کر دیا۔ آپ کا سا ہونا تو درکنار اب تو کوئی آپ کی گرد پا کو بھی نہیں پہنچ سکے گا۔ بلاشبہ آپ کا مقام بہت اونچا اور بلند ہے۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب آپ کی وفات کا سنا تو روتے ہوئے باہر نکل آئے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لا کر ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا جو فصاحت و بلاغت کا شاہکار

ہے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حیات طیبہ کا ایک ایمان افروز اور حسین مرقع ہے۔

(الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ المبشرۃ:۱/۱۸۳، المنتظم لابن الجوزی:۴/۷۷، اصحاب الرسول:۱/۱۰۸، تاریخ الاسلام ذہبی، عہد الخلفاء والراشدین:ص۱۲۰، کتاب الجوہرۃ فی نسب النبی واصحابہ العشرۃ:۲/۱۸۲، منتخب کنز العمال:۴/۳۶۶، کتاب الفائق، جاراللہ زمخشری:۱/۲۶۴، الاستیعاب:۱/۴۲)

آپ کے اس خطبہ کے دوران ہر طرف خاموشی طاری رہی۔ جونہی آپ نے یہ خطبہ ختم کیا تو لوگوں کی بے تحاشا چیخیں نکل گئیں اور سب نے کہا: "اے اللہ کے رسول کے داماد! آپ نے سچ فرمایا۔"

# نظام حکومت

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے مختصر دور حکومت میں سلطنت کی پہنائیوں میں اس قدر اضافہ کیا کہ عراق میں اسلامی حکومت کی حدیں دارالحکومت مدائن کو چھونے لگیں اور شام میں بھی رومیوں کی سرحدوں کو عبور کر کے اسلامی پرچم لہرانے لگا، لیکن فتوحات کی یہ وسعت با مقصد تھی۔ اسکندر اعظم اور چنگیز خان کی طرح بے مقصد نہ تھی۔ آپ کا مقصد دین کی اشاعت اور قیام کے ساتھ ساتھ سلطنت کی پہنائیوں میں اللہ کے نظام حکومت کا قیام تھا۔ چنانچہ اسی وجہ سے جو علاقے آپ کی زندگی میں فتح ہوئے اس کے بہترین نظام حکومت کو دیکھ کر دوسرے علاقوں میں بھی یہ خواہش پیدا ہونا شروع ہوگئی کہ کاش ان کا علاقہ بھی اسلامی حکومت کا حصہ ہوتا۔

آپ کی حکومت نہ تو آمرانہ تھی، نہ جمہوری، نہ اشرافی اور نہ ہی پاپائی بلکہ شورائی تھی، جس کا مطلب یہ ہے کہ سربراہ مملکت اہم کاموں میں ارباب حل و عقد سے مشورہ ضرور طلب کرے لیکن اس مشورہ کے بعد وہ اس بات کا پابند نہیں کہ اکثریت کی رائے پر عمل بھی کرے بلکہ اسے پورا پورا اختیار ہے کہ وہ اکثریت کی رائے کے خلاف بھی فیصلہ دے سکتا ہے کیونکہ اسلام کثرت رائے کا پابند نہیں بلکہ قوت دلیل کا پابند ہے۔ کثرت رائے کا فیصلہ جس کو آج کل کی جمہوریت کے بزرجمہروں نے معیار صداقت بنایا ہوا ہے، اکثر و بیشتر حماقت اور بے وقوفی کا فیصلہ ہوتا ہے کیونکہ دنیا میں ہمیشہ بے وقوفوں اور جاہلوں کی کثرت رہی ہے۔ اس لیے کثرت آراء اکثر حماقت اور بے وقوفی کا فیصلہ ہوتا ہے۔

خلیفۂ اسلام کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت پر قائم رہے۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا کوئی عہدہ سپرد کیا جائے اور پھر وہ ان میں اللہ کی کتاب کو جاری نہ کرے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ (کنز العمال: ۵/۶۰۷)

وجہ اس کی یہ ہے کہ جب تک خلیفہ سیدھے راستے پر چلتا رہے گا اس وقت تک امت بھی سیدھے راستے پر رہے گی، اور جب خلیفہ گڑبڑ کرے گا تو لوگ بھی گڑبڑ کرنا شروع کر دیں گے۔ اگر سربراہ مملکت ٹین پرسنٹ ہوگا تو لوگ اور وزراء دونوں ہاتھوں سے لوگوں کو لوٹیں گے اور ضروریات زندگی کی قیمتیں منہ مانگی لیں گے۔

## سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دستور حکومت:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دستور حکومت قرآن وسنت پر مبنی تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ معاملہ کو طے کرنے سے پہلے تو قرآن حکیم کی طرف رجوع فرماتے۔ اگر اس کا جواب قرآن میں نہ ملتا تو پھر حدیث کی طرف رجوع فرماتے۔ اور اگر اس کا جواب قرآن وحدیث میں نہ ملتا تو ارباب حل وعقد کا ایک جلسہ طلب فرماتے اور ان سے مشورہ کرتے اور ان کے مشورہ کی روشنی میں فیصلہ فرماتے۔ (طبقات ابن سعد: ۱۷۶/۳)

## نظم ونسق:

آپ نے اپنے سوا دو سال کے دور خلافت میں جو جو کام انجام دیئے وہ آپ کی ایک بہت بڑی کرامت ہے۔ آپ نے بقول پروفیسر ہٹی (Hitti) صرف چھ ماہ کے عرصہ میں ملک کی بغاوت، افراتفری اور تشتت وانتشار کو ختم کر کے اس میں نہایت اعلیٰ قسم کا نظم ونسق قائم فرمایا۔ آپ نے عراق وشام کے جن علاقوں کو فتح کیا ان میں نہایت اعلیٰ قسم کا نظم ونسق بھی قائم کیا۔ وہ نظام اتنے اعلیٰ قسم کا تھا کہ ایرانیوں اور رومیوں کے ظلم واستبداد میں پسے ہوئے لوگ امن وسکون کا سانس لینے لگے۔ آپ نے پوری سلطنت کو مختلف صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم کیا اور پھر ہر ایک ضلع اور صوبہ پر الگ الگ حاکم اور عامل مقرر فرمائے جو قرآن وسنت کے نظام کے تحت ان کے تمام امور کو چلاتے تھے۔ چنانچہ اپنے عہد خلافت میں آپ نے مختلف صوبوں پر جو گورنر مقرر کیے ہوئے تھے ان کی فہرست تاریخ میں حسب ذیل ہے:

① مکۃ المکرمہ — سیدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ

② طائف — سیدنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ

③ صنعاء یمن — سیدنا مہاجر بن امیہ

| | | |
|---|---|---|
| ۴ | حضر موت یمن | سیدنا زیاد بن لبید انصاری رضی اللہ عنہ |
| ۵ | جند | سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ |
| ۶ | خولان | سیدنا یعلی بن منیہ رضی اللہ عنہ |
| ۷ | زبید ورمع | سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ |
| ۸ | بحرین | سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ |
| ۹ | نجران | سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ |
| ۱۰ | دومۃ الجندل | سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ |
| ۱۱ | عراق | سیدنا مثنیٰ بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ |
| ۱۲ | جرش | سیدنا عبداللہ بن ثور رضی اللہ عنہ |
| ۱۳ | حمص شام | سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ |
| ۱۴ | اردن | سیدنا شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ |
| ۱۵ | دمشق | سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ |
| ۱۶ | فلسطین | سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ |

ان سب صوبوں کی مرکزی حکومت اور صدر مقام مدینہ منورہ تھا جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ماتحت تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک عظیم اکثریت وہاں مقیم تھی۔

## عہدہ داران حکومت کا انتخاب:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہر کسی کو حکومت کے عہدہ کے لیے منتخب نہیں فرماتے تھے بلکہ اس کے لیے آپ نے کچھ اصول وضع کیے ہوئے تھے۔ جو شخص ان اصولوں پر پورا اترتا آپ اس کو اس عہدہ کے لیے منتخب فرماتے کیونکہ ان کے نزدیک بہترین نظم ونسق کے لیے ضروری ہے کہ جس عہدہ کے لیے جس شخص کو منتخب کیا جائے وہ ہر لحاظ سے اس کے لیے موزوں ہو۔ اور موزوں آدمی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ انتخاب کرنے والے میں بھی مردم شناسی کا جوہر موجود ہو۔ آپ میں اللہ تعالیٰ نے یہ جوہر خاص طور پر رکھا ہوا تھا۔ چنانچہ ایک موقع پر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

رحم الله ابابكر هو كان اعلم بالرجال مني.

''اللہ تعالیٰ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے وہ کام کے آدمیوں کا حال مجھ سے زیادہ جانتے تھے۔'' یعنی مجھ سے زیادہ مردم شناس تھے۔

آپ نے عہدے داران حکومت کے انتخاب کے لیے جو اصول وضع کیے ہوئے تھے، ان پر سختی سے عمل فرماتے۔ پھر جن لوگوں کو وہ منتخب فرماتے ان کو وقتاً فوقتاً ہدایات دیتے رہتے۔ آپ جن لوگوں کو محاذ پر بھیجتے ان کے سپہ سالاروں اور کمانڈروں کو بھی کچھ ہدایات دیتے جس کی تفصیل کتابوں میں موجود ہے۔

(سنن کبریٰ بیہقی: ۸/۸۵، المحلی لابن حزم: ۷/۲۹۴، المغنی لابن قدامہ: ۸/ ۴۵۱، کنز العمال: ۱/ ۲۹۶، المصنف لعبدالرزاق: ۵/ ۱۹۹، شرح السیر الکبیر: ۱/ ۳۹)

## گورنروں کا احترام:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جن حضرات کو گورنر یا حکومت کے کسی عہدہ کے لیے منتخب فرماتے تو اس کی دل جوئی کے ساتھ ساتھ اس کا احترام بھی کرتے کیونکہ یہ حکومت کی شائستگی کی ایک دلیل ہے کہ اس کے عہدے داران کا ان کے منصب اور مرتبہ کے لحاظ سے احترام کیا جائے۔ چنانچہ لشکر اسامہ کو روانہ کرتے وقت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ عمر رضی اللہ عنہ اس لشکر میں نہ جائیں اور مدینہ میں رہ کر کاروبار خلافت میں میری مدد کریں۔ چونکہ امیر لشکر سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ تھے، اس لیے آپ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بابت خود کوئی فیصلہ کرنے کے بجائے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ اگر وہ مناسب سمجھیں تو عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس چھوڑ جائیں۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے نہایت خندہ پیشانی اور خوش دلی سے ان کی اس بات کو قبول فرمالیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں چھوڑ گئے۔ پھر ان کی دل جوئی کا یہ عالم تھا کہ جب سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر روانہ ہوا تو سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ سواری پر بیٹھے ہوئے تھے لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ دور تک ان کی مشایعت کو پیدل گئے اور سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کے سخت اصرار کے باوجود سواری پر نہ خود بیٹھے اور نہ ہی اسامہ رضی اللہ عنہ کو سواری سے اترنے دیا۔

یہی دل جوئی کا معاملہ انہوں نے سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو جہاد پر بھیجتے وقت کیا تھا اور ان کے ساتھ بھی دور تک پیدل گئے جب کہ یزید رضی اللہ عنہ سواری پر سوار تھے۔

(موطا امام مالک: ۲/ ۴۴۷، المغنی: ۸/ ۳۵۳، سنن کبریٰ بیہقی: ۹/ ۸۵)

## آزمائشی تقرر:

جب تک کسی شخص کے بارے میں یہ یقین نہ ہو جاتا کہ جس کام کے لیے اس کا تقرر کیا گیا ہے، وہ اس کا واقعی اہل ہے۔ اس کا تقرر عارضی (Probationary) ہوتا تھا۔ مستقل ہونے کے لیے بہترین کارکردگی کا ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو شام کی مہم پر جب فوج کا امیر بنا کر بھیجا گیا تو آپ نے اس سے فرمایا:

''یزید! میں نے تم کو اس لیے والی بنایا ہے کہ میں تمہیں آزماؤں اور تمہارا تجربہ کروں اور تم کو ٹریننگ دوں۔ اگر تم نے حسن کارکردگی کا مظاہرہ کیا تو میں تمہیں اس عہدہ پر مستقل کر دوں گا، اور اگر تمہاری کارکردگی اچھی نہ رہی تو میں تمہیں اس عہدے سے الگ کر دوں گا۔'' (ابن اثیر: ۲/ ۲۷۶، کنز العمال: ۵/ ۶۱۸)

## تقویٰ کی تاکید:

ویسے تو ہر شخص کے لیے تقویٰ و طہارت اور خوف خدا نہایت ضروری ہے لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نزدیک گورنروں اور حکومت کے دیگر عہدے داروں کے لیے تقویٰ و طہارت نہایت لازمی ہے کیونکہ اس کے بغیر ایک شخص اپنے فرائض کی انجام دہی احسن طریق سے نہیں کر سکتا۔ اس لیے آپ اپنے ہر خطبہ، ہر خط اور ہر فرمان میں انہیں تقویٰ اور خوف خدا کی تلقین فرماتے تھے۔ چنانچہ سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو سفر پر روانہ کرتے وقت آپ نے فرمایا تھا:

''تم اللہ تعالیٰ سے تقویٰ کو لازم پکڑو کیونکہ وہ تمہارے باطن کو تمہارے ظاہر کی طرح دیکھتا ہے۔ سب سے بہتر آدمی وہی ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھتا ہے اور اللہ کا سب سے زیادہ مقرب بندہ وہی ہے جو اپنے عمل کے ذریعہ سے سب سے زیادہ اللہ کے قریب ہے۔'' (ابن اثیر: ۲/ ۲۷۷)

اسی طرح تقویٰ کی تلقین سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ وغیرہ کو بھی وقتاً فوقتاً کرتے رہتے۔

(کنز العمال: ۵/ ۶۲۱، طبری: ۲/ ۵۸۸، الاکتفاء: ۱/ ۲۵۰)

## امراء کا احتساب:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گورنروں اور حکومت کے دوسرے عہدیداروں کی ایک ایک بات سے باخبر رہتے تھے۔ انہوں نے ہدایت کی ہوئی تھی کہ کسی حالت میں بھی مجھ سے رابطہ نہیں توڑنا۔ دوسرے آپ نے کچھ لوگوں کو اس کام پر متعین کیا ہوا تھا کہ وہ ہر عہدیدار کے بارے میں آپ کو باخبر رکھیں۔ جہاں بھی آپ کو کسی میں کوئی نقص یا جھول نظر آتا تو آپ فوراً باز پرس فرماتے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے آپ نہایت قدردان تھے۔ فرماتے تھے: ''عورتیں خالد رضی اللہ عنہ جیسا جانباز جننے سے قاصر ہیں۔'' لیکن جب جنگ یمامہ کے فوراً بعد انہوں نے مجاعہ کی لڑکی سے نکاح کر لیا تو ایک نہایت سخت خط لکھ کر باز پرس کی۔

(طبری: ۲/ ۵۱۸، الاکتفاء: ۱/ ۲۶۵، یعقوبی: ۲/ ۱۳۲)

## وزارت عظمیٰ:

خلفائے اربعہ کے زمانہ میں بلکہ ان کے بعد بھی کئی سالوں تک وزارت عظمیٰ کا کوئی عہدہ نہیں ہوتا تھا۔ صوبوں میں تو گورنر ہی ہر معاملے کا افسر اعلیٰ ہوتا تھا۔ وہی انتظامیہ کا سربراہ ہوتا اور وہی فوج کا سپہ سالار بھی ہوتا، وہی مسجد کا خطیب و امام بھی ہوتا تھا اور عہدۂ قضا کا سربراہ بھی۔ اس لیے نہ تو کوئی وزارت عظمیٰ اس زمانہ میں ہوتی تھی اور نہ ہی وزارت عظمیٰ کا کوئی وجود تھا۔ البتہ خلیفۂ وقت کے مشیر ہوتے تھے جیسے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ وغیرہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشیر تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ وقتاً فوقتاً ان حضرات کے مشورہ سے استفادہ کرتے تھے۔

## وزارت خزانہ:

ایک ریاست کے لیے بیت المال کا ہونا نہایت ضروری ہے کیونکہ حکومت کا کام خزانہ کے بغیر نہیں چل سکتا۔ اسی وجہ سے جب مدینہ میں اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا تو اس کے ساتھ ہی بیت المال بھی قائم ہو گیا۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور سلطنت کی حدود ثغور میں وسعت اور پہنائیوں میں اضافہ ہوا اور عراق و شام سے مال غنیمت میں ذخیرہ وار

دولت آنا شروع ہوئی تو بیت المال میں بھی اضافہ ہوا۔ چنانچہ ایک وزارت خزانہ عمل میں آئی جس کے پہلے وزیر خزانہ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ تھے جو بیت المال کی آمدنی اور اس کے خرچ کا حساب رکھتے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد جب سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر بیت المال کی آمدن کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں دو لاکھ دینار بیت المال میں آئے، ان میں سے اب صرف ایک دینار بیت المال میں موجود ہے۔ باقی سب خرچ ہو گئے۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۹۸)

## سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تنخواہ:

زمام خلافت ہاتھ میں لینے سے قبل سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی آمدنی کے دو ذریعے تھے ایک تجارت اور دوسرا جائیداد۔ تجارت آپ کا آبائی پیشہ تھا۔ ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی اراضی سے ایک جائداد عطا فرمائی تھی جس میں نخلستان اور قابل زراعت زمین تھی۔ ان کی ایک جائیداد مدینہ طیبہ سے پانچ چھ میل دور غابہ کے مرغزار میں بھی بتائی گئی ہے۔

(سنن کبریٰ بیہقی: ۸/ ۲۷۰)

مدینہ میں ان کے دو مکان تھے جن میں ان کی دو بیویاں رہتی تھیں۔

(طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۸۵، یعقوبی: ۲/ ۱۲۷)

اس کے علاوہ خیبر کی خالصہ اراضی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض روایات کے مطابق چھ سو من اور بعض روایات کے مطابق بارہ سو من سالانہ کھجور کا حصہ مقرر فرما دیا تھا۔ انہیں وقتاً فوقتاً مال غنیمت اور جزیہ کے حصے بھی ملتے رہتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مختلف النوع عطیات بھی ان کی آمدنی کا ذریعہ تھے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ گھوڑوں، اونٹوں اور بکریوں کے بھی مالک تھے۔ صرف دو بیویوں اور ایک بچہ کی کفالت آپ کے ذمہ تھی، اس لیے ایک پرآسائش زندگی بسر کرنے کے لیے ان کی آمدنی ہر طرح کافی ووافی تھی۔

خلیفہ منتخب ہونے کے بعد سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ذمہ داریاں اس قدر بڑھ گئیں کہ تجارت چھوڑنا پڑی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خلیفہ ہونے کے بعد آپ کے لیے مندرجہ ذیل اشیاء مختص کر دیں جن سے آپ اپنی ضروریات زندگی پوری کرتے۔ دو یمنی چادریں، ایک سردیوں کے لیے اور دوسری گرمیوں کے لیے آپ لباس کے طور پر استعمال کرتے۔ سفر کے لیے ایک

سواری، اہل وعیال کے خرچ کے لیے اتنی رقم جتنی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خلافت سے پہلے خرچ کرتے تھے، اور بکری کا نصف حصہ جس میں سر اور اوجھڑی شامل نہیں تھی۔

(کنزل العمال: ۵/ ۵۹۵، مصنف عبدالرزاق: ۱۱/ ۱۰۵)

یعقوبی کا بیان ہے کہ آپ کی تنخواہ تین درہم یومیہ تھی۔ (یعقوبی: ۲/۱۵۴)

اس حساب سے ایک سال میں آپ کی تنخواہ یا وظیفہ ہزار گیارہ سو سالانہ بنتا ہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے چھ ہزار درہم کل مدت خلافت میں لیے۔

جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو فرمایا: ''میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ میرے لیے بیت المال سے کچھ لینے کی گنجائش نہیں لیکن عمر رضی اللہ عنہ مجھ پر غالب آ گئے جس کی وجہ سے مجھے اپنا وظیفہ بیت المال سے لینا پڑا۔ اب جب میں اس دنیا سے انتقال کر جاؤں تو میرے مال میں سے آٹھ ہزار درہم لے کر بیت المال میں واپس کر دیں۔ (طبقات: ۳/۱۹۴)

وفات کے بعد جب یہ رقم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا: ''اللہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے انہوں نے تو بعد میں آنے والوں کو سخت مصیبت اور مشکلات میں ڈال دیا۔ (کنز العمال: ۵/ ۵۹۹، کتاب الاموال: ص ۲۶۸)

یہ تھی اس شخص کی سوا دو سال کی تنخواہ جس نے قیصر و کسریٰ کی سلطنت کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔

## کارکنان حکومت کی تنخواہ:

کارکنان حکومت کی تنخواہ کا سلسلہ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہی سے شروع ہو گیا تھا جب کہ فتح مکہ کے بعد مکہ کے گورنر سیدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کا روزینہ ایک درہم یومیہ مقرر کیا گیا۔ (اسد الغابہ: ۳/ ۳۵۸)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سیدنا عتاب رضی اللہ عنہ کی تنخواہ تیس درہم ماہانہ تھی یعنی وہی ایک درہم یومیہ۔ (روض الانف: ۳/ ۳۵۸، الترتیب الاداریہ: ۱/ ۲۶۴)

گورنروں اور کارکنان حکومت کی تنخواہیں کتنی ہوتی تھیں تواریخ میں اس کی کوئی تعداد نہیں آئی، لیکن اتنا ضرور ہے کہ عہد صدیقی میں عہد نبوی سے زیادہ تنخواہیں لوگوں کو ملتی تھیں کیونکہ ریاست کی آمدنی میں اضافہ ہو گیا تھا اس وجہ سے تنخواہوں کی مقداروں میں بھی اضافہ ہوا ہوگا۔

# قضا اور افتاء

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں لوگ اپنے جھگڑوں کے فیصلے کروانے کے لیے آپ ﷺ کے پاس آتے تھے۔ آپ ﷺ کے بعد اس کام کی ذمہ داری آپ کے خلفا پر آ پڑی۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پہلے شخص تھے جنہوں نے شہروں میں قاضیوں کا تقرر کیا، لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے بلکہ یہ عہدہ عہد نبوت میں قائم ہو چکا تھا اور تمام کتب احادیث میں ''کتاب الاقضیہ'' کے عنوان سے اس پر ایسی احادیث منقول ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قاضی کے فرائض وواجبات اور ان کی شرائط وغیرہ کی تفصیل بیان فرمادی تھی۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلام جزیرہ عرب کی سرحدوں کو عبور کر کے عراق و شام میں پہنچ گیا جس وجہ سے آپ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور دوسرے اس قسم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مختلف علاقوں میں قاضی مقرر فرمایا تھا۔ کتب سیر وتواریخ میں ان حضرات کو ''ارباب افتاء'' کہا گیا ہے۔ اس زمانہ میں قاضی کو بھی مفتی کہتے تھے۔ (المبسوط سرخسی: ۱۶/۱۰۹)

خلافت راشدہ کے زمانہ مین سارے قاضی اور مفتی حکومت کی طرف سے متعین ہوتے تھے اور اس عہدہ پر ان لوگوں کو متعین کیا جاتا تھا جن میں اس کام کی صلاحیت اور اہلیت ہوتی تھی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں خلیفۂ وقت اور گورنر قضا کا کام بھی کرتے تھے گویا عدلیہ اور انتظامیہ دونوں یک جا تھے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں بھی ایسا ہی تھا اور ایسا کرنا ضروری تھا کیونکہ حکومت کا نظم ونسق جب تک کامل نہیں ہو لیتا ہر صیغے کا اجراء رعب وادب کا محتاج رہتا ہے اس لیے مقدمات کے فیصلے کا کام وہ شخص انجام نہیں دے سکتا جس و فصل قضایا کے سوا اور کوئی اختیار نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ

اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ جو شخص با اثر اور باعظمت نہ ہو اس کو قاضی مقرر نہ کیا جائے۔

(اخبار القضاء: ۱/۷۴)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے عہدہ پر مامور تھے۔ ایک مرتبہ جب کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خود قاضی القضاۃ تھے، ان کا مقدمہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خود سنا اور فیصلہ ان کے خلاف دیا۔

(کنز العمال: ۵/۵۷۶، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۲۵۵، مصنف عبدالرزاق: ۲/۱۵۴، ۷/۱۵۳، المغنی لابن قدامہ: ۹/۱۳۲)

## عہدۂ افتاء:

تفقہ فی الدین میں بعض صحابہ بعض سے ممتاز تھے جو فقیہ کہلاتے تھے۔ اس وجہ سے افتاء کا عہدہ فقیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سپرد تھا۔ یہ حضرات مسائل غیر منصوصہ کے بارے میں فتویٰ اور شرعی حکم بتاتے تھے جن کا تعلق قیاس سے تھا، اور قیاس نام ہے: ''دو مسئلوں میں اتحاد علت کی وجہ سے جو حکم ایک مسئلہ کا ہے وہی حاکم دوسرے مسئلہ کا قرار دینا'' ارباب فتویٰ کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ یعقوبی نے صرف چار بتائے ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ (یعقوبی: ۲/۱۵۷)

لیکن دوسری کتابوں میں چھ اور بعض میں ان سے بھی زیادہ کا ذکر ہے۔

(اعلام الموقعین ۱/۱۷)

# مالی نظام

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ریاست کا مالی نظام وہی رکھا جو سرکار دو عالم ﷺ کے زمانہ میں تھا۔ چنانچہ آپ کے عہد خلافت میں ایک قسم کی سادگی پائی جاتی تھی۔ آپ کی ریاست کے ذرائع آمدنی بھی وہی تھے جو ایک اسلامی ریاست کے ہوتے ہیں یعنی جیسے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھے اور وہ ذرائع حسب ذیل تھے:

## زکوٰۃ:

زکوٰۃ ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے اور کسی خلیفہ کے لیے اس کی وصولی کے معاملہ میں سستی دکھانا درست نہیں۔ اگر کوئی اس کی ادائیگی میں سستی کر دے تو اس سے زبردستی وصول کی جائے گی، اور اگر کوئی گروہ اس کی ادائیگی سے انکار کر دے چاہے سرے سے اس کی فرضیت کا منکر ہو یا نہ ہو تو ایسے لوگ کافر اور مرتد ہوں گے اور خلیفہ وقت ایسے گروہ کے خلاف جنگی کارروائی کرے گا۔ ایسے لوگوں کا شمار کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والے، باغی اور امیر کی اطاعت سے نکل بھاگنے والے لوگوں میں ہوگا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسی وجہ سے مانعین زکوٰۃ سے جنگ کی تھی اور اس موقع پر آپ کا مشہور قول ہے: ''جو شخص بھی نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا میں اس سے جنگ کروں گا اس لیے کہ زکوٰۃ مال میں اللہ کا حق ہے۔ بخدا! اگر یہ لوگ مجھے بکری کا ایک بچہ بھی زکوٰۃ میں دینے سے انکار کریں گے جیسے وہ رسول اللہ ﷺ کو دیتے آئے تھے تو میں اس کے لیے بھی ان سے جنگ کروں گا۔''

(یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے باب وجوب الزکوٰۃ میں، امام مسلم رحمہ اللہ نے باب الامر بقتال میں، امام مالک رحمہ اللہ، امام نسائی رحمہ اللہ اور امام ابو داؤد نے کتاب الزکوٰۃ میں نقل کیا ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۴۱/۱۱، مصنف عبدالرزاق: ۴۴/۴، المحلی لابن حزم: ۲۷۲/۵)

## عشر:

عشر میں پیداوار کا دسواں حصہ مسلمانوں کی اس زرعی پیداوار سے لیا جاتا ہے جو بارش کے پانی سے سیراب ہوئی ہو اور جن کی سیرابی تالاب، چشمہ، دریا یا نہروں کے ذریعہ اس طرح ہوئی ہو کہ کاشت کار کو اس پر ناقابل لحاظ مصارف اٹھائے پڑے ہوں اور نہ ہی کوئی خاص محنت کرنی پڑی ہو۔ ایسی زمینوں کی پیداوار سے عشر یعنی کل پیداوار کا دسواں حصہ بیت المال کو دینا ہوگا۔ یہ عشر جنس یا روپیہ کی شکل میں دینا ہوگا اور فصل کٹنے پر وصول کیا جائے گا۔ اگر کاشت کار نے کنویں وغیرہ سے پانی کھینچ کر سیراب کیا ہو تو پھر کل پیداوار کا بیسواں حصہ دینا ہوگا۔

## اجارہ:

اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کوئی قطعہ اراضی کسی شخص کو کاروبار کے لیے دیا جائے اور شرط یہ ہو کہ اس کاروبار کے منافع میں سے ایک مقررہ رقم بیت المال کو دی جائے گی۔

## خراج:

یہ اسلامی ریاست کی آمدنی کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے جو اسلامی فتوحات کے نتیجہ میں پیدا ہوا۔ خراج مال یا زمین کی پیداوار کی اس معین مقدار کو کہتے ہیں جو مفتوحین کی زمین پر بطور محصول عائد کر دی ہو۔ زمینیں دو قسم کی ہیں ایک عشری اور دوسری خراجی۔

(کتاب الاموال: ص ۵۵)

خراج کی آسان لفظوں میں یہ تعریف ہے کہ خراج اس کرایہ کا نام ہے جو اسلامی ریاست اپنی مملوکہ زمین پر وصول کرتی ہے۔ (الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ: ص ۱۵۵)

رسول اللہ ﷺ نے جب خیبر فتح کیا تو یہودیوں سے نصف پیداوار پر معاملہ طے ہوا۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے خیبر کی پیداوار کا تخمینہ چالیس ہزار وسق لگایا تھا۔

(کتاب الاموال: ص ۲۰۸، کتاب الخراج لابی یوسف ص ۵۰)

ایک وسق ۲۴ من کے برابر ہوتا ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے عہد خلافت میں ان لوگوں کے ساتھ یہی معاملہ کیا۔ (کتاب الخراج: ص ۵۱)

آپ کے عہد خلافت میں جو علاقے فتح ہوئے ان پر سرسری طور پر کچھ رقم مقرر کر دی گئی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ زمینوں پر دونوں طرح سے معاملہ ہو سکتا ہے۔ بٹائی کے ذریعہ سے بھی اور ایک مقدار معین کے بھی، لیکن یہ حکم اسی صورت میں ہے جب زمین بزور شمشیر فتح کی گئی ہو اور وہ مسلمانوں کے مابین تقسیم نہ کی گئی ہو۔

## جزیہ:

اسلامی ریاست کے غیر مسلموں سے ان کی جان و مال کی حفاظت کا ایک ٹیکس لیا جاتا ہے جس کو "جزیہ" کہتے ہیں۔ یہ جزیہ صرف ایسے مردوں پر لگایا جاتا ہے جو فوجی خدمت کے قابل ہوں، اس لیے عورتیں بچے اور بوڑھے اس سے مستثنیٰ ہیں اور غریب اور اپاہج جو مال نہیں رکھتے وہ بھی مستثنیٰ ہیں۔ یہ ٹیکس لوگوں کی حیثیت کے مطابق لگایا جاتا ہے۔ جزیہ ادا کرنے والے ذمی کو فوجی خدمت سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے، لیکن اگر ذمی فوجی خدمت کے لیے تیار ہوں اور ریاست ان پر اعتماد کر سکتی ہو تو ان کو جزیہ سے بری کیا جا سکتا ہے۔

جزیہ کی اسلام میں کوئی شرح معین نہیں ہے، اس لیے وہ سربراہِ مملکت یا فوج کے سربراہ کی صواب دید پر ہے۔ عہد صدیقی میں بھی اس کی کوئی شرح متعین نہیں کی گئی تھی۔

## غنیمت اور فیئے:

ایک اسلامی ریاست کی آمدنی کا بڑا ذریعہ غنیمت اور فیئے بھی ہے۔ غنیمت وہ مال ہے جو جنگ کے بعد مخالف فوج سے حاصل ہو۔ غنیمت اور فیئے میں فرق یہ ہے کہ جو کچھ اہل شرک سے جبراً چھین لیا جائے اس وقت جب کہ جنگ عملاً قائم ہو، وہ غنیمت ہے جس کا پانچواں حصہ الگ کر کے باقی سارا مال انہی فوجیوں کو دے دیا جاتا ہے۔ جو مال بغیر جنگ کیے مفتوح لوگوں سے حاصل ہو وہ فیئے ہے۔ (کتاب الاموال: ص ۲۵۴)

اسلامی ریاست کے ان ذرائع آمدنی کے علاوہ اور بھی کئی ذرائع ہیں جن سے حکومت کو اچھی خاصی آمدنی ہوتی ہے جیسے جاگیریں، دفینے، اوقاف، ضرائب، عشور، لقطہ اور لاوارث ترکے وغیرہ۔

## اسلامی حکومت کے مصارف:

یہ تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اسلامی ریاست کی آمدنی کی تفصیل تھی۔ اسی آمدنی سے حکومت کے تمام شعبوں پر خرچ کیا جاتا تھا۔ تمام کارکنان حکومت کی تنخواہیں، آلات حرب وضرب اور دیگر معاشرتی کاموں کی تکمیل بیت المال سے کی جاتی تھی۔

## کفالت عامہ:

کفالت عامہ سے مراد یہ ہے کہ اسلامی ریاست کی حدود کے اندر رہنے والے ہر انسان کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کا اہتمام ایک اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ یہ اہتمام اس درجہ تک ہونا چاہیے کہ کوئی فرد ان ضروریات سے محروم نہ رہے۔ ان بنیادی ضروریات میں غذا، لباس، مکان اور علاج وغیرہ شامل ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''جسے اللہ نے مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنایا ہے اور وہ ان کی ضروریات اور فقر سے بے پرواہ ہو کر بیٹھ رہا، اللہ تعالیٰ بھی اس (نگران) کی ضروریات اور فقر سے بے نیاز ہو جائے گا۔'' (ابوداؤد، باب مایلزم الامام من امر الرعیۃ)

## معاشی ترقی:

کفالت عامہ کی طرح ملک کی معاشی تعمیر و ترقی بھی اسلامی ریاست کی ایک اہم ذمہ داری ہے۔ کسی ملک کی معاشی ترقی اس ملک کی فوجی طاقت اور دفاعی قوت کی بنیاد بھی ہے اور اس کے سیاسی استحکام کی لازمی شرط بھی۔ اسی وجہ سے قرآن و سنت میں اسلامی ریاست کی فوجی طاقت اور دفاعی قوت کے استحکام پر بہت زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا:

﴿واعدوا لهم ما استطعتم من قوة﴾ (الانفال:۶۱)

''اور اپنے دشمنوں کے لیے جتنی قوت تم سے ممکن ہو سکے، فراہم کرو۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ میں فوجی تیاریوں، گھوڑ سواری، اسلحہ کی فراہمی اور

ضرورتوں کی فراہمی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برابر کہتے رہتے۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے عہد خلافت میں کفالت عامہ کے ساتھ ساتھ ملک کی معاشی تعمیر و ترقی اور ملک کے لیے فوجی قوت اور دفاعی طاقت کے استحکام کے لیے وہی کچھ کیا جو رسول اللہ ﷺ اپنے زمانہ میں کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث قدسی منقول ہے آپ ﷺ نے فرمایا حق تعالی شانہ فرماتے ہیں:

○ عمروا بلادی فعاش فیھا عبادی ۞ (المبسوط سرخسی: ۲۳/۱۵)

''میرے شہروں کو آباد کرو تاکہ میرے بندے ان میں اچھی زندگی بسر کریں۔''

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست کی خوش حالی اور معاشی تعمیر و ترقی اللہ تعالیٰ کو بھی مطلوب ہے۔

## غیر مسلموں پر خرچ:

عہد صدیقی میں بیت المال کی آمدنی صرف مسلمانوں ہی پر خرچ نہ ہوتی تھی بلکہ غیر مسلموں کے سماجی تحفظ پر بھی خرچ ہوتی تھی کیونکہ اسلام میں ذمیوں کے بھی وہی حقوق ہیں جو مسلمانوں کے ہیں بلکہ کئی لحاظ سے ذمیوں کے حقوق مسلمانوں سے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ جس طرح مسلمان اپاہجوں اور محتاجوں کا سماجی تحفظ اور ان کے روزینے کا انتظام بھی ایک اسلامی ریاست کی ذمہ داری میں شامل ہے، یہی حقوق اسلام نے غیر مسلم اپاہجوں اور محتاجوں کو دیئے ہیں۔ چنانچہ حیرہ کی فتح کے موقع پر سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جو معاہدہ کیا تھا اس میں بھی اس بات کی صراحت موجود تھی۔ (کتاب الخراج لابی یوسف: ص۱۴۴)

# فوجی نظام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ کے بعد مسلمانوں کو فوج کی کوئی باقاعدہ ضرورت نہ پڑی، اس وجہ سے آپ نے فوج کا کوئی منظم بندوبست نہ کیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں صرف اس قدر ہوا کہ خلافت کے پہلے سال غنیمت سے جو کچھ بچا وہ سب لوگوں میں دس دس روپے کے حساب سے تقسیم کر دیا گیا۔ دوسرے سال آمدنی زیادہ ہوئی تو یہ تعداد دس سے بیس ہو گئی، لیکن نہ تو فوج کی کوئی باقاعدہ تنخواہ مقرر ہوئی اور نہ فوجیوں کا کوئی رجسٹر بنا اور نہ ہی کوئی محکمہ جنگ قائم ہوا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اوائل خلافت تک یہی حال رہا، لیکن ۱۶ھ میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس صیغہ کو اس قدر منظم اور باقاعدہ کر دیا کہ اس وقت کے لحاظ سے لوگوں کو تعجب ہوتا تھا۔

عرب پیدائشی طور پر جنگ جو تھے لیکن وہ آپس ہی میں زیادہ لڑتے تھے۔ لیکن عہد صدیقی میں جب انہیں دنیا کی مہذب، متمدن اور طاقتور حکومتوں سے لڑنا پڑا تو ایک ایمانی جزبہ نے ان میں جرأت و ہمت پیدا کی، اور دوسرے انہوں نے خود اپنی پیدائشی جنگ جویانہ صلاحیتوں کو منظم کیا۔ چنانچہ انہی دونوں خوبیوں کے باعث انہوں نے فوجوں کی قلت تعداد اور سامان حرب کی کمی کے باوجود دنیا کی دو بڑی حکومتوں کو ہر میدان جنگ میں شکست سے دوچار کیا۔ اسلامی فوجوں کی اس جنگی تعلیم و تربیت میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا بہت بڑا حصہ ہے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جونہی خلیفہ ہوئے تو اندرونی بغاوتوں کو فرو کرنے کے بعد آپ نے عراق اور شام کی سرحدوں پر اپنی فوجوں کو مختلف کمانڈروں کی سرکردگی میں بھیجا لیکن ان کو اس بات کی سخت تاکید فرمائی کہ مرکز سے کسی صورت رابطہ نہیں توڑنا اور ہر روز مجھے جنگ اور فوجوں کی کیفیات سے مطلع کرتے رہنا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اگرچہ ان

جنگوں میں خود تشریف نہ لے گئے لیکن ہر جنگ آپ کے مشورہ سے لڑی گئی، اس لیے آپ کی حیثیت وزیر جنگ کی بھی تھی، محاذوں پر جو فوجیں لڑتی تھیں ان کا ایک کمانڈر انچیف آپ مقرر فرماتے تھے جس کے تحت اور بہت سے کمانڈر ہوتے تھے۔ چنانچہ عراق کے محاذ پر پہلے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کمانڈر انچیف تھے۔ پھر وہ عراق سے شام چلے آئے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں اس تمام فوج کا کمانڈر انچیف مقرر فرما دیا جس کے پہلے تین چار کمانڈر انہوں نے خود مقرر فرمائے تھے۔ (طبری:۲: ۲۰۱)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے بہت مداح تھے۔ اس وجہ سے آپ انہیں ہر محاذ پر کمانڈر انچیف مقرر فرماتے تھے۔ آپ اکثر یہ فرمایا کرتے تھے:

**عجزت النساء ان یلدن مثل خالد.**

''عورتیں خالد رضی اللہ عنہ جیسا جانباز شخص جننے سے عاجز ہیں۔''

پھر شام کے محاذ پر جب مسلمان اور رومی فوجیں دونوں بہت دنوں تک آمنے سامنے پڑی رہیں اور کسی طرف سے ایک دوسرے کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہوئی تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

**واللہ! لانسین الروم وساوس الشیطان بخالد. (طبری:۲/۵۰۱)**

''خدا کی قسم! میں رومیوں کے تمام وسوسے جو ان کے دلوں میں جنم لیے ہوئے ہیں خالد کو عراق سے شام بھیج کر بھلوا دوں گا۔''

## لشکر میں خطیب:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوہ بدر کے بعد یہ دستور ہو گیا تھا کہ جب مسلمان فوجیں دشمن کے مقابلہ میں صف آراء ہو جاتیں تو آپ سورۃ الانفال کی آیات تلاوت فرماتے تھے۔ (طبری:۲/۵۹۴)

یہ سلسلہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی جاری رہا۔ چنانچہ لشکروں کے ساتھ ولولہ انگیز خطباء اور قرآن حکیم کی آیات جہاد تلاوت کرنے والے قراء حضرات بھیجے جاتے جو میدان جنگ میں تلاوت آیات سے اور اپنے خطبوں سے اسلام کے جانبازوں میں ایک جوش اور ولولہ پیدا کرتے اور مسلمان مجاہدین کا دل بڑھاتے۔ چنانچہ شام کی جنگوں میں یہ خدمت سیدنا ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی اور قرآن حکیم کی تلاوت کرنے کی خدمت سیدنا مقداد بن

اسود رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی۔ جنگ یرموک ❶ میں سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی ایک آنکھ بھی تیر لگنے سے ضائع ہو گی۔

(اسد الغابہ: ۲۱۶/۵، الاستیعاب: ۶/۲، ابوبکر الصدیق للطنطاوی: ص ۲۰۶، تہذیب التہذیب: ۴۱۲/۴، تاریخ الاسلام ذہبی: ۱۰/۲)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فوج کا کوئی مستقل شعبہ نہ تھا اور نہ ہی فوجی تعلیم و تربیت کا کوئی انتظام تھا بلکہ پوری قوم ایک فوج تھی اور وقت پڑنے پر عام اعلان کر دیا جاتا تھا اور لوگ جوق در جوق رضا کارانہ طور پر اپنی خدمات ریاست کو پیش کر دیتے، لیکن ایسے مواقع اور حالات میں اس قسم کی احتیاط سیدنا اکبر رضی اللہ عنہ کی احتیاط وتدبیر کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زیادہ دیر تک حکومت کرنے کا موقع نہ دیا۔ اگر آپ کچھ مزید عرصہ اور حکومت کر جاتے تو حکومت کے کاموں میں وہ اصلاحات کرتے جو آج تک قائم رہتیں اور آنے والی نسلیں ان کی مثالیں پیش کرتیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیدار مغزی، جودت فکر اور محاذوں کی آشنائی اور دشمن کی افواج سے واقفیت کا یہ عالم تھا کہ خود مدینہ منورہ میں بیٹھ کر سینکڑوں میل دور کے میدان جنگ کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اپنی افواج کو مختلف ہدایات دیتے اور حسب موقع اور مصلحت ان کے لیے احکام بھیجتے رہتے تھے۔

اس کے برعکس سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ باوجود امور جنگ میں ماہر ہونے کے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ان معاملات میں اصابت رائے اور بیدار مغزی سے بخوبی آشنا تھے۔ اس لیے آپ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہر حکم کی تعمیل فرماتے خواہ وہ ان کی طبیعت کے کتنے ہی خلاف کیوں نہ ہوتا۔ چنانچہ حیرہ کی فتح کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اب پیش قدمی نہ کریں۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ حکم کی تعمیل میں سال بھر حیرہ میں معطل پڑے رہے اور اس تعطل سے اس قدر اکتا گئے کہ اس سال کو وہ خود عورتوں کا سال کہتے تھے، لیکن ان کی مجال نہ تھی کہ بارگاہِ خلافت کے حکم خلاف عمل کر سکیں۔

---

❶ جنگ یرموک ایک روایت کے مطابق سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں لڑی گئی اور دوسری روایت کے مطابق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہوئی۔ ہم اس کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ذکر کریں گے۔

## اسلحہ جنگ کی فراہمی:

سرکار دو عالم ﷺ کے انتقال کے بعد جزیرہ عرب کے اکثر و بیشتر قبائل نے زکوٰۃ دینا بند کر دی جس کے نتیجہ میں مرکزی حکومت مالی لحاظ سے نہایت کمزور ہوگئی علاوہ ازیں خراج، جزیہ، غنیمت اور عشر کی بھی اتنی آمدن نہیں تھی، لہٰذا اسلامی فوجوں کے لیے اسلحہ فراہم کرنا مشکل ہوگیا تھا۔فوجوں میں شامل ہونے کے لیے جو لوگ آتے وہ اپنا اسلحہ ساتھ لے کر آتے۔اور جو لوگ خود اپنے اسلحہ کا انتظام نہیں کرتے تھے ان کا انتظام چندہ اکٹھا کر کے کو دیا جاتا تھا۔جب آپ کے عہد خلافت میں ملکی آمدنی میں کچھ اضافہ ہوا تو اس کا ایک حصہ آلات حرب وضرب کی خریداری کے لیے وقف کر دیا گیا۔بعض روایات میں ہے کہ مال غنیمت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا جو کچھ مقرر کیا گیا تھا اس کو بھی اس کام میں لایا جاتا تھا۔(کتاب الخراج:ص ۲۱، کتاب الاموال:ص ۷۶)

## بلند اخلاق کی تلقین:

فوج کی تعداد، بہترین اسلحہ کی فراہمی اور بہترین جنگی مہارت یہ سب ظاہری اور مادی اسباب تھے جن پر اس زمانہ میں کامیابی کو منحصر سمجھا جاتا تھا، لیکن اسلامی فوج کی کامیابی و کامرانی کا اصل انحصار قوت ایمان، بلند اخلاق، اعلیٰ کردار اور اخلاق حسنہ پر تھا۔سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی افواج کے بارے میں ان باتوں کا اسلحہ وغیرہ سے بھی زیادہ خیال رکھتے تھے اور اپنی فوج میں یہ صفات پیدا کرنے کے بڑا اہتمام فرماتے تھے۔آپ فوجی لشکروں کو رخصت کرنے کے لیے پاپیادہ مدینہ طیبہ کے باہر تک تشریف لے جاتے تھے اور فوج کے امراء کے اصرار کے باوجود ان کو سواری سے اترنے نہیں دیتے تھے نہ خود سواری پر بیٹھتے تھے، اور فوج کو رخصت کرتے وقت قائدین اور جوانوں کو مفصل جہاد کے احکام اور ہدایات دیتے جن میں للّٰہیت، خلوص نیت، مقصد جہاد، دنیا اور اس کی زندگی کی بے ثباتی اور اخروی اجر و ثواب جیسی باتیں نہایت موثر انداز میں ان کے قلب و ذہن میں اتارتے اور انہیں اعلیٰ اخلاقی اور دینی اقدار سے مزین اور مسلح کر کے روانہ کرتے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی انہی ہدایات کے یہ اثرات تھے کہ مسلمان فوجیں میدان جنگ میں بھی اپنی بلند اخلاقی اور اعلیٰ کردار کا مظاہرہ کرتیں اور فریق محارب کے ساتھ باوجود ان کے مغلوب ہونے کے نہایت اعلیٰ برتاؤ کرتیں۔

## رعایا سے بلند اخلاق کا مظاہرہ:

مسلمان فوجوں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی انہی ہدایات اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی اخلاقی تعلیم کے تحت مفتوحہ علاقوں کی رعایا سے یکساں اخلاقی سلوک کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اور بعثت کے بعد بلکہ آج کی نام نہاد مہذب دنیا میں بھی شہروں اور دیہات کے رہنے والوں کے ساتھ یکساں سلوک نہیں کیا جاتا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں اس بات کا خاص خیال رکھا کہ دونوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک ہو۔ چنانچہ سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ نے جب ''حران'' کو صلحاً فتح کیا تو اہل دیہات نے انہیں کہا: ''ہمارے ساتھ وہی معاملہ کیجیے جو آپ نے اہل شہر اور رؤساء سے کیا ہے۔'' قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے جو خلفاء اس کی فتح کے بعد اس کے والی ہوئے انہوں نے اہل دیہات کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو اہل شہر کے ساتھ کیا تھا۔'' اور یہ اہل شہر اور گاؤں والوں کا فرق تو اہل کفر کے ہاں ہی ہے۔ مسلمانوں نے تو مفتوحہ علاقوں میں جانوروں کے ساتھ بھی نہایت اچھا سلوک کیا کیونکہ اسلام کی تعلیم یہ تھی کہ ''برتر جگر رکھنے والی شے کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا باعث اجر وثواب ہے۔''

اہل دیہات میں زیادہ تر کسان اور کاشت کار ہوتے ہیں جو شہر والوں اور ملک کے دوسرے لوگوں کے لیے غلہ پیدا کرتے ہیں۔ گاؤں میں ان کے کھیت اور ان کے باغات ہوتے ہیں جن کی بربادی اور تاراجی نہ صرف شہر والوں بلکہ پورے ملک کی رعایا کے لیے باعث نقصان ہوتی ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اپنی فوجوں کو یہ خاص ہدایت ہوتی تھی کہ ان لوگوں سے کوئی تعرض نہیں کرنا۔ ان کے کھیتوں اور باغات کو تاخت وتاراج نہیں کرنا۔ (طبری: ۲/ ۵۵۷)

اسلام کس قسم کے امیر اور گورنر لگانا چاہتا ہے اس کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول کتابوں میں نقل کیا گیا ہے۔

**رجل اذا کان امیرھم کانہ رجل منھم، واذا لم یکن امیرھم کانہ امیرھم.** (منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند احمد بن حنبل: ۲/ ۱۴۳)

''مجھ کو ایسا شخص چاہیے کہ جب وہ مسلمانوں کا امیر ہو تو ایسا معلوم ہو کہ گویا وہ انہی میں سے ایک فرد ہے لیکن جب وہ ان کا امیر نہ ہو تو اپنے ذاتی کمالات اور اوصاف

کی وجہ سے ان لوگوں کا امیر ہی معلوم ہوتا ہے۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعین کردہ امیر اسی قسم کے ہوتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ چھ ماہ کے قلیل عرصہ میں انہوں نے ملکی بغاوت اور ارتداد کو تمام ملک سے بالکل ختم کر دیا۔ اور اپنے اعلیٰ کیریکٹر اور بلند اخلاقی کردار سے انہوں نے قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ چنانچہ پروفیسر ہٹی (Hitti) نے لکھا ہے:

''مسلمان فوجوں کی طاقت وقوت کا اصل راز نہ تو ان کی اسلحہ اور سامان حرب و ضرب کی برتری میں ہے (کیونکہ دشمن کے پاس اس سے زیادہ اچھا اور اعلیٰ قسم کا اسلحہ تھا) اور نہ ہی ان کے اعلیٰ قسم کی فوجی تنظیم اور ڈسپلن میں بلکہ دراصل اس اعلیٰ کریکٹر اور بلند اخلاقی کردار میں ہے جس کے پیدا کرنے میں بلاشبہ ان کے مذہب کا بہت بڑا حصہ تھا اور اس صبر و تحمل اور قوت برداشت میں ہے جس کو ان کی ریگستانی زندگی سے بڑا سہارا ملا تھا۔'' (Hitti, History of the Arabs, P.173)

# اسلامی خدمات

اسلام کا نظام خلافت سارے کا سارا دین اسلام کی خدمت، اس کی نشر و اشاعت اور اس کو اپنی اصل شکل وصورت میں قائم رکھنے کے لیے ہے تا کہ اس کے رخ روشن پر غلط افکار، بدعات اور توہمات کی گرد نہ پڑ جائے اگر چہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت مختصر یعنی سوا دو سال تھا لیکن اس مختصر عرصہ میں جہاں آپ نے اندرون ملک بغاوت، ارتداد کی آندھیوں کو ختم کیا اور بیرون ملک عراق و شام کی سرحدوں کے اندر اسلام کی صولت و عظمت کا سکہ لوگوں کے دلوں میں بٹھایا وہاں جاہلیت کی رسومات، بدعات اور غلط افکار کے سیاہ اندھیروں کو بھی اسلام کے مہر تابان سے دور کیا۔ آپ نے اپنے عہد خلافت میں جو سب سے بڑا کارنامہ انجام دیا وہ قرآن حکیم کی جمع و تدوین تھی۔

## جمع و تدوین قرآن:

مستدرک حاکم کے حوالہ سے امام سیوطی نے الاتقان میں لکھا ہے کہ قرآن حکیم تحریری صورت میں تین بار جمع ہوا۔

① عہد نبوی میں ② عہد صدیقی میں اور ③ عہد عثمانی میں

جمع نبوی اور جمع صدیقی بخاری وغیرہ کی روایت کے مطابق اور جمع عثمانی سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق، ان تینوں جمع کی نوعیت میں فرق تھا۔ جمع نبوی کا مقصد قرآن حکیم کو ضائع ہونے سے محفوظ رکھنا تھا۔ اس لیے قرآن حکیم کو مختلف اشیاء پر تحریر کیا گیا۔ عہد صدیقی میں جمع و تدوین قرآن سے یہ مقصود تھا کہ قرآن حکیم کو یک جا کتابی شکل میں جمع کیا جائے تا کہ متفرق قطعات میں سے کسی قطع کے ضائع ہونے کا خطرہ باقی نہ رہے۔ یہ جمع کاغذ پر

ہوا جو عہد نبوی میں نہ تھا اور عہد صدیقی میں شام سے مدینہ میں پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں سالم بن عبداللہ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

جمع ابوبکر القرآن فی القراطیس. (الاتقان:۱/۵۹)

''سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قرآن حکیم کو کاغذوں پر لکھ کر جمع کیا۔''

عہد عثمانی میں جمع قرآن کا مقصد قرآن حکیم کو اختلاف تلفظ سے محفوظ رکھنا تھا تاکہ اختلاف قرأت اور اختلاف طرز تلفظ سے فتنہ پیدا نہ ہو۔ یہی فرق امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے الاتقان میں ابن التین سے نقل کیا ہے۔ (اتقان:۱/۵۰)

جنگ یمامہ میں مسلمانوں کے بارہ سو مجاہد شہید ہوئے جن میں کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حفاظ وقراء کی ایک کثیر تعداد تھی۔ بعض حضرات کے نزدیک اس جنگ میں ستر حفاظ اور قراء صحابہ شہید ہوئے لیکن بخاری کے حاشیہ میں ہے:

کان عدۃ من القراء سبع مائۃ. (بخاری:۲/۷۴۵)

''یعنی قرآن حکیم کے حفاظ وقراء اس جنگ میں جتنے شہید ہوئے ان کی تعداد سات سو تھی۔''

اس جنگ میں اتنے حفاظ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت کو دیکھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تڑپ اٹھے کہ جب ایک جنگ میں اتنے حفاظ شہید ہو گئے ہیں تو آئندہ بھی حفاظ کرام کی شہادت کا شدید خطرہ ہے۔

ان حالات میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ صائب ترین اور بہترین مشورہ دیا کہ قرآن حکیم کو کتابی شکل میں جمع کرلیا جائے۔ یہ مشورہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کئی روز کے غور وفکر کے بعد دیا تھا۔ (حروب الردۃ وبناء الدولۃ الاسلامیۃ، احمد سعید:ص ۱۴۵)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں یہ بات کبھی نہیں آئی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پہلی مرتبہ یہ بات ان سے کہی تھی، لہٰذا جونہی انہوں نے یہ بات سنی تو فرمایا:

''میں اس کام کو کیسے کروں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔''

دونوں حضرات کے درمیان اس بارے میں طویل گفتگو ہوئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ امت کے لیے بہتری کا کام ہے۔ یہ آپ کی حکومت کو ضرور انجام دینا چاہیے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کام کے لیے اس قدر اصرار کیا

کہ اللہ تعالیٰ میرا سینہ کھول دیا اور میں نے عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے پورا پورا اتفاق کر لیا۔

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جن کی عمر اس وقت ۲۱ سال تھی، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ تم نوجوان اور صاحب علم و دانش ہو اور تمہاری راست گفتاری اور صداقت شعاری میں ہرگز شبہ نہیں ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کتابت وحی کا اعزاز بھی تمہیں حاصل تھا، اس لیے تم ہمت سے کام لو اور قرآن حکیم کی جمع و تدوین کا فریضہ انجام دو۔

(التفوق والنجابة علی نہج الصحابة، حمد العجمی: ص ۷۳)

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان چار انصاری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بھی ایک تھے جنہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن حکیم کو جمع کیا تھا۔ وہ انصاری صحابہ کرام یہ تھے۔ ① ان سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ② سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ③ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوزید رضی اللہ عنہ۔ (سیر اعلام النبلاء: ۲/۴۳۱)

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''واللہ! اگر مجھے یہ حکم دیا جاتا کہ پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دو تو یہ کام میرے لیے قرآن حکیم جمع کرنے سے زیادہ آسان ہوتا۔ میں نے انہیں یہی کچھ کہا جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہتے تھے۔ یہاں تک کہ ان دونوں کی طرح اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی کھول دیا اور میں سمجھ گیا کہ ان کی بات بالکل درست ہے۔ چنانچہ میں نے یہ خدمت سرانجام دینے کا وعدہ کر لیا اور قرآن کو مختلف جگہوں سے تلاش کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ پورا قرآن جمع کر دیا۔ یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی دوررس نگاہ کا نتیجہ تھا جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قرآن حکیم کو جمع کیا گیا۔ اگر قرآن حکیم جمع نہ کیا جاتا تو امت میں بہت بڑا فتنہ پھیل جانے کا اندیشہ تھا۔ اسی لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا:

> ''سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تدوین قرآن کر کے ایک بڑی اہم خدمت انجام دی ہے۔ اس سلسلہ میں وہ بارگاہِ خداوندی میں سب سے زیادہ اجر و ثواب کے مستحق ہیں کیونکہ انہوں نے مختلف مقامات سے مختلف چیزوں پر لکھے ہوئے کلام اللہ یعنی قرآن حکیم کے تمام اجزاء اکٹھے کیے اور انہیں یک جا مدون کر دیا۔''

(ریاض النضرة: ۱/۱۴۴، فتح الباری: ۹/۹، کنز العمال: ۱/۴۰۹، التفوق والنجابة علی نہج الصحابة: ص ۷۴)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک اور موقع پر فرمایا:

رحم الله ابابکر ھو اول من جمع بین اللوحین.

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۹۶/۷)

''اللہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن کو دو تختیوں کے درمیان جمع کیا۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس عظیم انسان کارنامے کی اہمیت اور عظمت کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ

''یہی وہ مصحف ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''وانا له لحافظون'' منطبق ہوتا ہے اور جس کی خوش خبری اور بشارت ''انا علینا جمعه و قرآنه'' میں دی گئی ہے۔''

(ازالۃ الخفاء: ۵/۲)

اور حقیقت یہ ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ احسان قیامت تک پوری امت کی گردن پر رہے گا۔

# علمی کمالات

زمانہ جاہلیت میں عربوں کے علمی کمالات شاعری، خطابت اور علم الانساب میں ممتاز ہونے پر مشتمل تھے، لیکن اسلام لانے کے بعد ان کے کمالات علمیہ کا نظریہ ہی تبدیل ہو گیا۔ اب حالت یہ تھی کہ علم قرآن و حدیث میں مہارت ان کے کمالات علمیہ کا معیار ہو گیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام میں سب سے مسلمان ہیں جن کے سامنے پورا قرآن حکیم نازل ہوا۔ آپ پیغمبر کے قریب ترین ساتھیوں میں سے تھے۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ آپ کو قرآن و حدیث میں مہارتِ تامہ حاصل نہ ہو۔

## علم القرآن:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے اسلام لائے لیکن یہ شرف بھی انہی کو حاصل ہے کہ وہ آخری لمحہ تک آپ کے جلوت وخلوت اور سفر وحضر کے ساتھی تھے، اس لیے آپ کو علم نبوت میں سے حظ وافر عطا کیا گیا تھا۔ آپ کا سینہ کمالات نبوت کا خزینہ تھا۔ اسی وجہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے بارے میں اکثر فرمایا کرتے تھے: ''**ھو اعلمنا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم**'' یعنی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم سب سے زیادہ جانتے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شخصیت میں یہ خاصہ تھا کہ آپ آیت کو سننے کے ساتھ ہی اس کی اصل روح کو معلوم کر لیتے تھے اور آپ کا ذہن وہاں تک پہنچ جاتا جہاں دوسروں کی رسائی نہیں ہوتی تھی۔

قرآن حکیم کی درست اور فصیح قرأت جس میں تمام حروف اور حرکات واضح طور پر ظاہر ہوں، اس کی بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاں بہت اہمیت تھی۔ آپ کا قول ہے کہ ''میرے نزدیک

قرآن حکیم کی ایک آیت کی درست قرأت اسے حفظ کر لینے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔"
(کنز العمال:۲/۳۲۷،تفسیر ابن کثیر:۱/۵)

## علم الحدیث:

صبح و شام سرکار دو عالم ﷺ کی مجلس میں رہتے تھے۔سفر وحضر میں آپ کی معیت میں رہے۔جو کچھ آپ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال کو دیکھا اس کو اپنے ذہن و سینہ میں محفوظ رکھا۔دوسرا کوئی نہ تو اتنا آپ ﷺ کی معیت میں رہا اور نہ ہی اتنا آپ ﷺ کو دیکھ سکا۔آپ چونکہ روایت حدیث میں بہت محتاط تھے اس لیے آپ نے زیادہ روایات نہیں کیں۔امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے ارشاد فرمایا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے حدیث روایت کرتے ہو اور پھر ان میں اختلاف کرتے ہو۔جب تمہارا یہ حال ہے تو جو لوگ تمہارے بعد آئیں گے وہ تم سے بھی زیادہ اختلاف کریں گے،اس لیے تم لوگ رسول اللہ ﷺ سے کوئی شے نقل نہ کرو،لیکن جب لوگ تم سے کوئی شے دریافت کریں اس وقت تم بے شک انہیں ضرور کچھ کہو اور دیکھو! تمہارے درمیان کتاب اللہ ہے۔پس جو شے اللہ کی کتاب میں حلال ہے اس کو حلال سمجھو اور جو شے اس میں حرام ہے اس کو حرام سمجھو۔" (تذکرۃ الحفاظ:۱/۳)

## تعبیر رؤیا:

رویائے صالحہ کو حدیث میں نبوت کا چھیالیسواں حصہ بتایا گیا ہے۔سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خوابوں کی تعبیر میں ید طولیٰ حاصل تھا۔امام محمد بن سیرین جو اس فن کے اپنے وقت میں امام سمجھے جاتے تھے،فرماتے ہیں:"نبی اکرم ﷺ کے بعد تمام امت میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تعبیر رؤیا میں سب سے بڑے عالم تھے۔" سرکار دو عالم ﷺ جب بھی کوئی خواب دیکھتے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس کا تذکرہ ضرور فرماتے۔سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس خواب کی اپنے علم کے مطابق تعبیر بیان فرماتے اور آپ ﷺ اس کی تصدیق اور توثیق فرماتے۔(طبری:۲/۳۵۵)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ "لوگوں کے خوابوں کی تعبیر آپ اس حد تک بیان کرتے تھے کہ خود نبی اکرم ﷺ بھی اپنے خواب آپ کو بتاتے اور تعبیر پوچھتے۔"(ازالۃ الخفا:۲/۲۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ خواب دیکھا اور وہ خواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیان فرمایا کہ میں دوڑ میں تم سے اڑھائی ہاتھ آگے نکل گیا ہوں۔'' خواب سن کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جب آپ کو اپنی رحمت اور مغفرت میں ڈھانپ لے گا تو میں آپ کے صرف اڑھائی سال بعد تک زندہ رہوں گا۔'' (تاریخ الخلفاء للسیوطی: ص ۱۰۵)

## علم الانساب:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ علم الانساب میں یکتائے روزگار تھے۔ چنانچہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے زمانے میں علم الانساب میں نہایت ماہر تھے۔'' (تاریخ الخلفاء: ص ۱۰۷)

ایسا ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ (العقد الفرید: ۳/۴/۲۷)

## ایام العرب:

اس علم سے مراد عربوں کی خانہ جنگی کا علم ہے۔ آپ اس علم میں بھی کامل دسترس رکھتے تھے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو اپنے زمانے میں ''اعلم بحدیث العرب و النسب'' سمجھی جاتی تھیں، ان کا یہ علم بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فیضان تھا۔ چنانچہ عروہ نے ایک مرتبہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا تھا: ''اور نہ مجھے آپ کے علم شعر اور علم تاریخ پر تعجب ہوتا ہے کیونکہ آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں جو ان علوم کے سب سے بڑے عالم تھے۔'' (مسند احمد: ۶/ ۶۷)

## علم شعر و سخن:

شعر و شاعری کا ذوق تو عرب کے بچہ بچہ کی گھٹی میں تھا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس سے کیسے محروم رہ سکتے تھے۔ چنانچہ آپ کو بھی اس علم سے حظ وافر حاصل تھا۔ نہایت عمدہ شعر کہتے تھے۔ ابن سعد نے آپ کے دو اشعار نقل کیے ہیں جن کا تعلق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ہے۔ اسلام لانے کے بعد پھر کوئی شعر نہیں کہا۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے کہ ''سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زمانہ اسلام میں اپنی وفات تک کوئی شعر نہیں کہا۔'' (الاستیعاب: ۲/ ۵۶، مصنف عبدالرزاق: ۱۱/ ۲۶۰)

اسلام لانے کے بعد خود تو شعر نہیں کہا لیکن کبھی کبھی شعر پڑھنا ثابت ہے۔ چنانچہ

اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

واذا اردت شریف الناس کلھم
فانظر الیٰ ملك فی ذی مسکین

''اگر تو لوگوں میں سے سب سے شریف انسان کو دیکھنا چاہے تو اس بادشاہ کو دیکھ جو فقیر کے لباس میں ہو۔''

ذاك الذی حسنت فی الناس فاقتہ
وذاك یصلح للدنیا وللدین

''بادشاہ وہ شخص ہے کہ عام لوگوں کی نسبت اس کے بھوکے رہنے میں بھی ایک حسن ہے اور یہی شخص دنیا اور دین دونوں کے لیے بھلا ہے۔'' (کنز العمال:۵/۷۴۶)

## فن کتابت:

اسلام سے قبل جزیرہ عرب میں چند لوگ تھے جو لکھنا جانتے تھے اس وجہ سے وہ سب لوگوں میں ممتاز سمجھے جاتے تھے۔ آپ بھی فن کتابت میں ماہر تھے اس وجہ سے کاتبین وحی میں آپ کا نام بھی شامل ہے۔ ایک روایت کے مطابق سفر ہجرت میں سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کو جو امان نامہ لکھ کر دیا گیا۔ اس کے لکھنے والے بھی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

## فن خطابت:

خطابت کا فن بھی عربوں میں ایک فطری فن تھا جس کی وجہ سے وہ تمام دنیا میں ممتاز حیثیت کے حامل سمجھے جاتے تھے۔ قرآن حکیم کے نزول نے اس فن کو ایک خاص اسلوب بیان، ایک ٹھوس نقطۂ نظر اور ایک نیا انداز فکر عطا فرمایا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اہم خوبیوں اور کمالات میں سے ایک کمال آپ کا کلام اور آپ کی سخن شناسی ہے۔ آپ کی زبان سے جو بات بھی نکلتی تھی، پورے غور وفکر کے بعد نکلتی تھی۔ آپ دوسروں کے مقام ومنزلت کا اندازہ ان کی گفتگو اور بات چیت سے لگا لینے میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ''ابوبکر رضی اللہ عنہ مردم شناسی میں مجھ سے زیادہ علم رکھتے تھے۔'' آپ خود بھی مختصر گفتگو فرمایا کرتے اور اپنے شاگردوں اور حکام کو بھی اختصار کلام کی نصیحت فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''گفتگو میں اختصار سے کام لو، کلام اتنا ہی مفید ہوتا ہے جتنا آسانی سے سنا جا سکے۔''

سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے وقت اختصار برتو، طول کلامی گفتگو کا کچھ حصہ ذہنوں سے ضائع کر دیتی ہے۔''

خطابت اور تقریر کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ خطیب کی زبان کا ہر فقرہ سامعین کے دلوں کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ایک مخاطب بھی تقریر کو سن کر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، لیکن خطیب میں یہ بات اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ جو کچھ کہے یقین و ادعان سے کہے کیونکہ یہ دستور ہے ''از دل خیزد در دل ریزد'' یعنی جو بات دل سے نکلتی ہے وہی دل میں اترتی ہے اور دل سے نکلی ہوئی بات دل پر اثر انداز ہوتی ہے اور سننے والا یہ سمجھتا ہے کہ اس نے میرے دل کی بات کہی ہے اور وہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا ہے ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خطابت میں تمام کمالات موجود ہوتے تھے۔ چنانچہ جو شخص بھی آپ کی تقریر اور آپ کا خطبہ سنتا تو اس کے دل میں آپ کی باتیں اترتی چلی جاتیں اور وہ آپ کی بات مانے بغیر نہ رہتا۔

وفات نبوی ایک عظیم سانحہ تھا۔ بڑے بڑے باہمت اور دل گردہ والے لوگ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ وارفتگی کے عالم میں کہہ رہے تھے کہ وفات واقع ہی نہیں ہوئی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے اور ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمہ تن گوش ہو کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ارشادات سننے کے لیے بیٹھ گئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس وقت جو خطبہ ارشاد فرمایا اس نے تمام لوگوں کو متاثر کیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی سمجھ گئے کہ واقعی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔ چنانچہ سیدنا سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''خدا کی قسم! میں نے جونہی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ آیات تلاوت کرتے ہوئے سنا میں نہایت دہشت زدہ اور متحیر ہو گیا یہاں تک کہ میرے پاؤں میرا بوجھ نہیں اٹھا رہے تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان آیات کی تلاوت کرتے سن کر میں زمین پر گر پڑا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی وفات ہو چکی ہے۔ (بخاری:۲/۶۴۱)

اسی سقیفہ بنی ساعدہ کا معرکہ کس قدر سخت تھا۔ معمولی سی چوک اور طرفین میں تلخ کلامی اور درشتی سے نبوت کی ۲۳ سالہ جدوجہد کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔ ان نازک حالات میں بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جس دور اندیشی، دانش مندی اور فرزدگی سے خطبہ ارشاد فرمایا اور جو الفاظ اس میں استعمال کیے وہ نہایت نپے تلے اور سلجھے ہوئے تھے جس سے یہ معاملہ نہایت خوش اسلوبی سے انجام کو پہنچا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس مجلس میں کہنے کے لیے بہت سی باتیں سوچ رکھی تھیں اور سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی پر اثر تقریر کے بعد میں نے کچھ کہنا چاہا لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے روک دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طبیعت جلالی تھی اور وقت کا تقاضا جمالی طبیعت کا تھا۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خود اٹھے اور ایک ایسی تقریر کی کہ ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر مطمئن ہو گیا بلکہ انصار نے نہ صرف آپ کی بیعت کی بلکہ آئندہ بھی خلافت کی طمع اپنے دل سے نکال دی۔

(تاج العروس مادہ عشر، سنن کبریٰ بیہقی: ۶/۱۶۶، المغنی: ۶/۳۲۲، ابن اثیر: ۳۶۶۲، کنز العمال: ۳/۱۳۹)

# فضائل ومناقب

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب بہت سے ہیں۔ ان کی یہ فضیلت اور منقبت کیا کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی خاتم کی تصدیق کے لیے پیدا فرمایا اور آپ رضی اللہ عنہ نے بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کا حق ادا کر دیا۔

## سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ قرآن حکیم کی روشنی میں:

قرآن حکیم کی مختلف آیات میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا تذکرہ ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں آپ کی تصدیق رسالت کی اس سعادت عظمیٰ کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ (زمر:۳۳)

یعنی ''اور جو آیا سچی بات لے کر اور سچ مانا جس نے اس کو، وہی لوگ ہیں متقی۔''

ایک جماعت مفسرین کے مطابق اس آیت میں ''جاء بالصدق'' سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ''صدق بہ'' سے مراد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

(روح المعانی: ۲۴/۳، مجمع البیان طبرسی: ۸/ ۴۹۸)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔ (تفسیر کبیر: ۱۳/ ۲۷۹)

ایک اور مقام پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عمل کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی O وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی O فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی﴾ (اللیل:۷)

''پس جس نے اللہ کے راستہ میں مال دیا اور اللہ سے ڈرا اور اچھی بات

کی ہم اس کے لیے راحت تک پہنچنا آسان کر دیں گے۔"

اس آیت میں بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں خبر دی جارہی ہے۔ آپ کا یہ مال رضائے خداوندی کے لیے تھا کسی احسان کا بدلہ چکانے کے لیے نہ تھا جس کے لیے یہ عمل لکھ رہا تھا۔ چنانچہ اگلی آیات میں فرمایا گیا:

یعنی "اور نہیں ہے اس پر کسی کا احسان جس کا بدلہ دیا جارہا ہو مگر یہی ہے
کہ وہ رب اعلیٰ کی رضا پالے اور وہ آگے راضی ہو جائے۔"

یہ آیات بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی منقبت میں بیان کی گئی ہیں اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ ان آیات کے بارے میں فرماتے ہیں:

"اگرچہ مضمون آیات کا عام ہے لیکن روایات کثیرہ اس پر شاہد ہیں کہ ان آخری آیات کا نزول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں ہوا۔ یہ بہت بڑی دلیل ان کی فضیلت و برتری کی ہے۔ زہے نصیب اس بندے کے جس کے راضی ہونے کی تصدیق آسمان سے ہو اور خود حضرت حق سے اس کو "ولسوف یرضیٰ" کی بشارت سنائی جائے۔ "ولسوف یرضیٰ" کی بشارت ایک انعکاس ہے اس بشارت عظمیٰ کا جو آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں آرہی ہے۔"

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر کبیر میں بھی یہی کچھ لکھا ہے۔ (تفسیر کبیر: ۱۳/۲۰۴)

قرآن حکیم کی ایک اور آیت میں حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں:

﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَّنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَّعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ﴾ (الحدید: ۱۰)

"یعنی برابر نہیں تم میں سے ان لوگوں کا درجہ جنہوں نے خرچ کیا فتح مکہ سے پہلے اور قتال کیا ان سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کرنے اور قتال کرنے میں حصہ لیا، اور ویسے خوبی (حسنیٰ) کا وعدہ اللہ کا ہر ایک (صحابی) سے ہے۔"

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں نازل ہوئی ہے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

((انفق ماله علی قبل الفتح))
''ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ پر اپنا مال خرچ کیا فتح مکہ سے قبل۔'' (تفسیر کبیر: ۱۳/ ۲۱۹)

## سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ احادیث کی روشنی میں:

بے شمار احادیث نبویہ کی روشنی میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت و منقبت کو اجاگر کیا گیا ہے جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''میری امت میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے اور اللہ کے معاملہ میں سب سے زیادہ عمر رضی اللہ عنہ ہے، اور حیاء میں سب سے زیادہ صادق عثمان رضی اللہ عنہ ہے اور حلال و حرام کی حدود کو سب سے زیادہ جاننے والا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہے اور علم وراثت کا سب سے زیادہ بالغ نظر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور سب سے زیادہ قاری قرآن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور اس امت کا امین ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ہے۔'' (ترمذی: ۲/ ۵۹۰)

ایک روایت میں ہے:
''اور بہترین فیصلہ کرنے والا علی رضی اللہ عنہ ہے۔'' (مشکوٰۃ: ص ۵۶۶)

ایک حدیث میں ہے:
((رحمتی سبقت علی غضبی))
''یعنی میری رحمت میرے غضب پر حاوی ہے۔''

معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ شانہ ''ارحم الراحمین'' ہیں۔ اس وجہ سے اپنا پیغمبر جو بھیجا اس کو ''رحمۃ للعالمین'' بنا کر بھیجا۔ اب جو اس رسول کا جانشین اور خلیفہ ہوگا وہ بھی ''ارحم'' ہونا چاہیے۔ اس وجہ سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں زبان نبوت نے فرمایا:

((ارحم امتی بامتی ابوبکر))
''یعنی میرے امت میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے۔''

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''اگر میں کسی کو اپنے رب کے سوا اپنا خلیل بناتا تو میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیل بناتا لیکن وہ میرا بھائی اور ساتھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس ساتھی کو (مجھے) اپنا

خلیل بنالیا ہوا ہے۔'' (بخاری:۱/۵۱۶، مسلم:۲/۲۷۳)

''خلت'' وہ رابطہ ہے جس میں کوئی حائل نہ ہو جس طرح رسول اللہ ﷺ کے درمیان کوئی اور درجہ فاصل نہیں۔ آپ بلافصل اس کے نمائندہ ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے قریب ترین سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اوپر رابطہ خلت قائم ہے اور نیچے خلافت بلافصل ہے اور وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے ہے۔ فرمایا: ''اگر میں اللہ کے سوا کسی کو اپنا خلیل بناتا تو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ لیکن ان سے میری اسلامی اخوت اور صحبت نبوت ہے۔

سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کی علالت کے دوران آپ ﷺ کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی اور آپ ﷺ سے کچھ بات کی۔ آپ ﷺ نے اسے پھر آنے کے لیے فرمایا۔ اس نے عرض کی: ''اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو کیا کروں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تو مجھے نہ پائے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس چلی جانا۔''

(بخاری:۱/۵۱۰، مسلم:۲/۲۷۳)

سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں نہیں جانتا کہ تم میں کب تک رہوں، سو تم ان کی پیروی کرنا جو میرے بعد (میرے جانشین) ہوں گے۔ اور آپ نے یہ فرماتے ہوئے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ فرمایا، اور عمار رضی اللہ عنہ کے طریقہ پر چلنا اور جو بات تمہیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بتائیں اس کی تصدیق کرنا۔'' (ترمذی:۲/۵۸۲)

اس حدیث میں آپ نے اپنے جانشینوں کی خبر دی اور بتایا کہ وہ پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ اور پھر عمر رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ حدیث جہاں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر دال ہے وہاں ان کی خلافت بلافصل کی جانب بھی ایک قوی اشارہ ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: ''میرے پاس جبرئیل آئے، میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے (لے جاکر) جنت کا دروازہ دکھلایا جس سے میری امت جنت میں داخل ہوگی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''کاش میں بھی آپ کے ساتھ ہوتا اور جنت کا دروازہ دیکھ پاتا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوبکر! تو میری امت میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا۔'' (اما انك يا ابابكر! اول من يدخل الجنة من امتى)

(سنن ابی داؤد:۲/۶۴۰)

یہ حدیث سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سابق الایمان ہونے کی واضح دلیل ہے کیونکہ یہ مسلمہ بات ہے کہ جنت کا داخلہ سبقت ایمانی پر ہوگا۔ (الواقعہ: ۱۰)

جنت میں پہلے داخل ہونا آپ کے افضل الامت ہونے کی بھی کھلی شہادت ہے، اور افضل الامت ہونے والے ہی کا حق ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بلافصل ہو۔ آپ ہر قدم پر اور ہر مرحلہ پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں گے۔ حشر کے روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی سب سے پہلے قبر سے نکلیں گے۔ پھر آپ کے ساتھ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بلافصل میدان حشر میں آئیں گے۔ اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوں گے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں سب سے پہلے ہوں جس سے زمین کھلے گی۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ آئیں گے۔ پھر میں اہل بقیع (جہاں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ دفن ہیں) کے پاس آؤں گا۔''

(ابوداؤد: ۲/۶۴۰)

ان احادیث نبویہ کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں جن سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں افضیلت اور فضیلت و منقبت ثابت ہوتی ہے۔

## روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن ہونے کی سعادت:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل کی کتاب کا یہ ایک اہم باب ہے کیونکہ ایک روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ایک ہی مٹی سے تخلیق بخشی تھی اور تینوں کو ایک ہی خمیر سے خلقت عطا ہوئی تھی۔ اس لیے ضروری تھا کہ یہ تینوں حضرات ایک ہی جگہ دفن ہوں۔ اور جب قیامت کا بگل بجے گا تو تینوں ایک ہی گنبد کے سایہ سے نکلیں گے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((انا وابوبکر و عمر خلقنا من تربة واحدة فیها تدفن))

(فتاوی افریقیہ: ص ۹۹، فردوس الاخبار، رقم الحدیث: ۲۷۷۵، کنز العمال، رقم: ۳۲۶۸۳)

''میں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ ایک ہی مٹی سے پیدا ہوئے ہیں اور اسی میں دفن ہوں گے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اقدس جس پاک مٹی سے بنا

ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اس مٹی سے بنے تھے۔ اور خود قرآن حکیم میں بھی ہے کہ جس مٹی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اسی میں لوٹائیں گے اور پھر اسی سے حشر کے روز اٹھائیں گے۔

اس سلسلہ میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے فرشتہ زمین سے مٹی لے کر اس کی ناف کاٹنے کی جگہ پر رکھتا ہے۔ اسی مٹی میں اس کی شفا ہوتی ہے اور اسی میں اس کی قبر ہوتی ہے۔ (مصنف عبدالرزاق، رقم: ۶۵۳۳)

ایک اور روایت میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے اس کے اوپر اس کی قبر کی مٹی چھڑکی جاتی ہے۔ ابو عاصم نے کہا کہ تم سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لیے اس جیسی فضیلت نہیں پاسکو گے۔ کیونکہ ان دونوں کی مٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مٹی سے ہے۔ (حلیۃ الاولیاء: ۲/ ۳۱۸، رقم: ۲۳۸۹)

ایک ہی مٹی سے پیدا ہونا اور اسی میں دفن ہونا یہ اللہ تعالیٰ کی تکوین کی ایک خبر ہے کہ ایسا ہوگا لیکن اسے اسباب کی دنیا میں آنے کے لیے ضابطہ کی ضرورت تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روضۂ اقدس میں دفن ہونے کی جو اجازت مانگی وہ اس عمل کی ایک تشریعی راہ ہے گو تکوینی فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پہلے سے یہی تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعویٰ نبوت کیا تو سب سے پہلے جس بزرگ نے آپ کی اس دعوت پر لبیک کہا وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ کا سب سے پہلے آپ کی دعوت پر لبیک کہنا آپ کی کتابِ مناقب کا ایک اہم باب ہے۔ چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف مبعوث کیا، پس تم نے مجھے جھٹلایا لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے میری تصدیق کی۔'' (بخاری: ۱/ ۵۱۷)

معلوم ہوا کہ آپ کی دعوت پر لبیک کہنے والے سب سے پہلے شخص اور آپ کے دعوئ نبوت کی تصدیق کرنے والے سب سے پہلے فرد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر و حضر کے ساتھی تھے۔ جنگ و امن اور تنگی اور آسانی میں آپ کا ساتھ دیا۔ چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

**شهد مع النبی صلی الله علیه وسلم المشاهد کلها ولم یفارقه فی جاهلیة ولا اسلام وهو اول الرجال اسلاماً.** (مرقاۃ: ۵/ ۵۲۵)

''یعنی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام جنگوں میں حاضر ہوئے اور محمد

رسول اللہ ﷺ سے نہ تو جاہلیت میں اور نہ ہی اسلام میں کبھی جدا ہوئے اور آپ سب سے پہلے مرد ہیں۔ جو اسلام لائے۔" لسان نبوت میں نماز میں امامت کا حق دار سب سے زیادہ وہ شخص ہے جو علوم قرآنیہ سے بخوبی آشنا اور کتاب اللہ کی معرفت میں سب سے لائق اور اعلیٰ ہو۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں تمام اکابر صحابہ کرام کی موجودگی میں کسی شخص کو اپنی جگہ امامت کے مصلی پر اپنا جانشین نہیں بنایا سوائے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل کی ہے کہ اپنی اس زندگی کے آخری ایام میں رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے ایام مرض میں امامت کرائیں۔ چنانچہ وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے۔"

(بخاری: ۱/۹۴)

ایک روز آپ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے حجرہ کے پردہ کو اٹھا کر مسجد میں امامت کرتے دیکھا تو تبسم فرمایا۔ (گویا آپ اس وجہ سے خوش ہوئے کہ میرے حکم کی تعمیل ہو گئی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرائض امامت سنبھال لیے۔) (بخاری: ۲/۶۴۰)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انہی مناقب و فضائل کے باعث سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم عہد نبوت میں

**لانعدل بابی بکر احداً ثم عمر.** (سنن ابی داود: ۲/۲۳۶)

"ہم سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے اور ان کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہ جانتے تھے۔"

## سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشنی میں:

جہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب بیان فرمائے ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے فضائل کا اعتراف نہ کریں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں خصوصی طور پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی سب سے زیادہ آپ کے مناقب بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ ایک روز آپ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ امت کے لیے ہدایت کے امام اور راہ نما تھے۔ وہ امت کی اصلاح کرنے والے تھے۔ متاصد خیر میں کامیاب و کامران تھے۔ دنیا سے بھوکے رخصت

ہوئے یعنی ساری زندگی طمع اور حرص کی خاطر مال نہیں فراہم کیا۔'' (طبقات ابن سعد:۳/۱۴۹)

عبد خیر کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قیامت تک بعد میں آنے والے تمام والیوں اور حاکموں پر اللہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو حجت (دلیل) بنا دیا ہے۔ پس اللہ کی قسم یہ دونوں تمام والیوں اور حکام پر سبقت کاملہ لے گئے اور ان دونوں نے بعد مین آنے والوں کو اخلاص وتقویٰ کے اعتبار سے مشقت میں ڈال دیا۔ (اسد الغابہ لابن اثیر:۴/۶۸)

قیس محازی کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو برسر منبر فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب میں سے انتقال میں سبقت فرمائی۔ پھر ان کے بعد دوسرے نمبر پر ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے، پھر تیسرے نمبر پر عمر بن خطاب آئے۔ پھر ہم کو کئی قسم کے فتنوں نے گھیر لیا اور ہمیں حیران وپریشان کر دیا۔ پس جو اللہ تعالیٰ نے پایا وہ ہوا۔

(مسند احمد:۱/۱۴۷، طبقات ابن سعد:۶/۸۹، حلیۃ الاولیاۃ:۵/۴۷، التاریخ الکبیر للبخاری: ۴/۱۷۳)

آپ کا لقب ''صدیق'' تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایک امتیازی شان کا مظہر ہے۔ یہ لقب آپ کو آسمانوں سے عطا فرمایا گیا۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آسمانوں سے صدیق کا لقب عطا فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اور آپ نے اللہ کی قسم کھا کر فرمایا:

**لانزل الله اسم ابی بکر من السماء الصدیق.**

''یعنی اللہ تعالیٰ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام ''الصدیق'' آسمان سے نازل فرمایا۔''

(فضائل ابی بکر عشاری: ص ۹، التاریخ الکبیر بخاری: ۱/۹۹، کنز العمال: ۶/۳۱۴، صفۃ الصفوۃ:۱/۲۳۶)

اس سلسلہ میں ایک مرتبہ سیدنا محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ کیا تلوار کو سونے چاندی سے مرصع کرنا جائز ہے؟ فرمایا: ''ہاں جائز ہے کیونکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کو مرصع کیا ہوا تھا۔ عروہ (راوی) کہتا ہے کہ میں نے پوچھا: ''آپ بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ''الصدیق'' کہتے ہیں؟'' یہ سن کر امام محمد باقر برجستہ کھڑے ہو گئے اور تین مرتبہ فرمایا: ''ہاں وہ صدیق ہیں۔'' جو ان کو صدیق نہ کہے اللہ تعالیٰ اس کے قول کو دنیا وآخرت میں سچا نہ کرے۔''

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ:۲/۳۶۰، حلیۃ الاولیا:۳/۱۸۵)

ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ وہ شخص ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کی زبان پر ان کا نام جبرئیل رکھا ہے اور وہ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور جانشین ٹھہرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین کے لیے جب ان کو پسند فرمایا تو ہم اپنے دنیوی معاملات کے لیے ان پر رضامند ہو گئے۔'' (اسد الغابہ: ۳/۲۱۶)

اسی کتاب میں سیدنا حسن بصری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی گئی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر مقدم کیا۔ پس انہوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی یعنی امامت کے فرائض انجام دیئے حالانکہ میں حاضر و موجود تھا غائب نہیں تھا۔ اور میں تندرست اور صحت مند تھا کوئی مریض و بیمار نہیں تھا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے آگے امامت کے لیے بڑھانا چاہتے تو آگے بڑھا سکتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کو ہمارے دین کے لیے پسند فرمایا ہم نے اپنے دنیوی معاملات اور امور میں بھی اس کو پسند فرما لیا۔

(اسد الغابہ: ۳/۲۲۱، تذکرہ ابوبکر صدیق)

# مکارم اخلاق

انبیاء علیہم السلام دنیا میں اس غرض کے لیے آتے ہیں کہ اپنے علم وفضل اور تزکیۂ نفس سے لوگوں کو آراستہ کریں، جس سے لوگوں میں راہِ سنت پر چلنے کی قوت پیدا ہو۔ یہی چیزیں سرکار دو عالم ﷺ کی بعثت کی غرض وغایت ہیں اور اسی کے مجموعہ کا نام تعلیم وتربیت ہے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فطرت قریباً تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ سعید تھی۔ اسی وجہ سے آپ زمانہ جاہلیت میں تمام فواحش اور اخلاقی بیماریوں سے محفوظ رہے۔ جاہلیت میں بھی آپ نے کبھی شراب کو منہ نہیں لگایا تھا۔ (تاریخ الخلفاء: ص ۴۸، سیرۃ وحیاۃ صدیق، مجدی فتحی: ص ۳۴)

نہ کبھی قمار بازی کی مجلس میں شریک ہوئے اور نہ ہی کبھی کسی بت کے آگے سر جھکایا۔ یہ تینوں چیزیں عربوں کے اخلاق کا جزو لاینفک تھیں۔

(اصحاب الرسول، محمود المصری: ۱/ ۵۸، الخلفاء، محمود شاکر: ص ۱۹)

قبول اسلام سے قبل بھی آپ بے کسوں، ناتوانوں اور غریبوں کی خبر گیری فرماتے تھے اور معذور اور اپاہجوں کی مدد فرماتے تھے۔ دولت اسلام سے مشرف ہونے کے بعد ان اوصاف حمیدہ میں خالص جلاء پیدا ہوئی اور آپ کے اخلاق حسنہ میں اضافہ بھی ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ اخلاق حسنہ کے پیکر اعلیٰ بن گئے اور نبوت کے اخلاق حسنہ کی ہو بہو تصویر ہو گئے۔

وضعداری کے باعث رکیک گفتگو سے ہمیشہ مجتنب رہے۔ جب تک گفتگو کی ضرورت پیش نہ آئی زبان نہ کھولتے اور جب بولتے تو خوب بولتے اور بولنے کا حق ادا کر دیتے، اور دلائل سے بات کرتے۔

## تقویٰ اور پاکیزگی:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سیرت کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی کتاب اخلاق کا

اہم ترین باب آپ کا تقویٰ اور طہارت تھا۔ آپ کی اس صفت کو قرآن حکیم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی﴾ (اللیل: ۷)

''پس جس نے مال دیا اور اللہ سے ڈرا اور اچھی بات کی تصدیق کی۔''

مفسرین نے لکھا ہے کہ ''اتقیٰ'' سے مراد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

(ملاحظہ ہو فوائد عثمانی: ص ۷۷۸، تفسیر کبیر: ۲۰۴/۱۳)

جس شے میں معنوی نجاست کے جراثیم پائے جاتے تھے آپ کا معدہ اس شے کو اپنے اندر روکنے سے ابا کرتا تھا۔ چنانچہ یا تو وہ شے خود بخود اندر سے بذریعہ قے باہر آ جاتی یا پھر خود قے کے ذریعے اس کو باہر نکال دیتے۔ چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ ایک لقمہ جس پر آپ کو کچھ شک پڑ گیا تھا، آپ سے ہضم نہ ہو سکا۔ آپ کا ایک غلام کچھ کما کر لایا کرتا تھا۔ ایک رات وہ کچھ کھانے کی چیزیں لایا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان میں ایک لقمہ تناول فرما لیا۔ غلام نے عرض کیا کہ ہر روز تو آپ کھانے کے متعلق مجھ سے پوچھا کرتے تھے، آج آپ نے کچھ نہیں پوچھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بھوک کی وجہ سے ایسا نہ کر سکا۔ تم یہ کہاں سے لائے تھے؟ غلام نے کہا کہ میں زمانہ جاہلیت میں ایک قبیلہ کے پاس جایا کرتا تھا۔ وہاں کہانت وغیرہ اور زائچے تیار کرنے کا کام کرتا تھا۔ یہ شے اسی کا معاوضہ تھی۔ آپ نے اسی وقت پانی پی کر وہ لقمہ باہر اگل دیا۔ آپ نے فرمایا ''اگر یہ میرے دم واپسیں کے ساتھ ہی نکلتا جب بھی میں اس کو نکال کر رہتا۔'' (بخاری: ۵۴۲/۱)

کچھ اسی قسم کی ایک روایت مسند امام احمد بن حنبل: ۵۱/۳ میں بھی ہے۔

آپ نہ صرف خود بلکہ اپنے اہل خانہ کو مشکوک چیزوں کے استعمال کرنے سے اجتناب کی تلقین فرماتے۔ ابن سعد نے روایت نقل کی ہے کہ آپ کی صاحبزادی اسماء رضی اللہ عنہا کی والدہ نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ اپنی بیٹی کے کھانے کے لیے کچھ اشیاء تحفہ کے طور پر بھیجیں۔ ماں نے چونکہ اسلام قبول نہیں کیا تھا اس لیے اس کا یہ تحفہ مشکوک تھا۔ لہٰذا سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے اس تحفہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ماں کو اس انکار سے سخت تکلیف ہوئی۔ چنانچہ بعد میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں مسئلہ دریافت کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کرنے کی اجازت دے دی۔ (طبقات ابن سعد تذکرہ سیدہ اسماء)

آپ نے شام کے محاذ پر بھیجیں جانے والی اسلامی افواج کے سپہ سالاروں کو بھی لکھا تھا:

''تم ایسی سرزمین پر قدم رکھ رہے ہو جہاں سود کا عام چلن ہے، اس لیے سونے کے بدلے سونا نہ خریدنا مگر جب کہ ہم وزن ہو، چاندی کے بدلے چاندی نہ لینا مگر جب کہ ہم وزن ہو، اسی طرح اشیائے خوردنی کے بدلے طعام نہ خریدنا مگر جب کہ ہم پیمانہ ہو۔'' (کنز العمال:۴/۱۸۵)

اشیائے خوردنی کے بارے میں آپ نے تمام سپہ سالاروں کو ایک سرکلر (گشتی مراسلہ) بھی بھیجا تھا جس میں انہیں حکم دیا تھا کہ وہ اشیاء ہم پیمانہ خریدیں۔

(مصنف عبدالرزاق: ۸/ ۲۷، کنز العمال: ۴/ ۱۵۵)

## زہد وورع:

زہد وورع بھی آپ کی زندگی کا ایک نمایاں پہلو تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی حکومت جزیرہ نما عرب کی حدود کو پھلانگ چکی تھی۔ قیصر و کسریٰ کے خزانے مال غنیمت میں مدینہ آ رہے تھے۔ دنیا سر رگڑتی ہوئی مسلمانوں کے قدموں میں جھک رہی تھی۔ لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاں وہی زہد وورع کا عالم تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے پینے کے لیے پانی مانگا۔ لوگوں نے پانی میں شہد ملا کر پیش کیا۔ آپ نے پیالہ پکڑ کر منہ کو لگایا تو رونے لگے۔ حاضرین مجلس پر بھی رقت طاری ہو گئی۔ آپ تھوڑی دیر کے لیے چپ ہو گئے لیکن پھر رونے لگے۔ لوگوں نے رونے کی وجہ پوچھی تو فرمایا: ''میں ایک روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ میں نے دیکھا کہ آپ کسی کو ''دور دور'' کہہ رہے تھے۔ مجھے تو آپ کے پاس کوئی شے نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کس شے کو دور دور کہہ رہے تھے۔'' فرمایا: ''ابوبکر! دنیا میرے سامنے مجسم ہو کر آ گئی تھی۔ میں نے اس سے کہا: ''میرے سامنے ہٹ جا۔ وہ ہٹ گئی لیکن پھر دوبارہ آ گئی اور کہا کہ آپ مجھ سے بچ کر نکل جائیں تو نکل جائیں لیکن آپ کے بعد جو لوگ آئیں گے وہ مجھ سے بچ کر نہیں جا سکتے۔ یہ بیان کرنے کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اس وقت مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہی بات یاد آ گئی اور مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ مجھے نہ چمٹ جائے۔'' (اسد الغابہ: ۳/ ۲۱۷)

## خوف خدا:

ایک مسلمان کا امتیازی نشان خوف خدا ہے۔ وہ ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا یہ خوف ہی اسے ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں نیکیوں کی جڑ بھی یہی خوف خدا ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ میں یہ صفت بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔ آپ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک چڑیا کو درخت پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو اس سے کہنے لگے: ''تو کتنی خوش نصیب ہے۔ کاش میں بھی تیرے جیسا ہوتا۔ تو درخت پر چہچہاتی ہے، پھل کھاتی ہے، اور پھر اڑ جاتی ہے۔ تجھ سے نہ کوئی حساب و کتاب ہوگا اور نہ ہی کوئی مواخذہ۔ کاش میں تیرے جیسا ہوتا۔ کاش میں بھی ایک سرسبز درخت ہوتا۔ اونٹ وہاں سے گزرتا۔ مجھ کو پکڑتا، اپنا منہ مجھ پر مارتا، مجھ کو چباتا اور پھر ایک مینگنی کی شکل میں مجھ کو خارج کر دیتا۔ یہ سب کچھ ہوتا مگر میں ایک بشر نہ ہوتا۔ (منتخب کنز العمال:۴/۳۶۱)

## حلم وانکساری:

حلم و بردباری انسان کے نہایت اہم اوصاف ہیں جن کے بغیر ایک آدمی کے اخلاق کی تکمیل ہی نہیں ہوتی، آپ میں یہ اوصاف بھی بدرجۂ اتم پائے جاتے تھے۔ آپ جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں اس بارے میں ایک خاص کردار کے مالک تھے۔ لوگوں کے ساتھ شفقت و رحمت سے پیش آتے تھے گویا کہ ''جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ'' کی آپ ایک زندہ مثال تھے۔ خلافت کے زمانہ میں تواضع اور حلم پہلے سے بھی زیادہ ہو گیا۔ جب کوئی آپ کی تعریف کرتا تو فرماتے: ''خداوندا! تو میرے حال سے بہتر واقف ہے۔'' اگر اونٹنی پر سوار ہوتے اور مہار نیچے گر جاتی تو خود اتر کر اٹھا لیتے اور کسی سے مہار پکڑانے کو نہ کہتے۔ یک مرتبہ لوگوں نے عرض کی کہ آپ ہمیں فرمائیں ہم اونٹ کی مہار آپ کو اٹھا کر دیں گے، آپ اتنی زحمت کیوں فرماتے ہیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میرے خلیل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو حکم فرمایا تھا کہ میں لوگوں سے کسی قسم کا کوئی سوال نہ کروں۔'' (مسند احمد:۱/۱۱)

تواضع اور انکساری کی یہ حالت تھی کہ لوگ جب خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کرتے تو آپ دل میں اس بارے میں شرم ساری محسوس فرماتے تھے اور پھر لوگوں سے فرماتے: ''تم

لوگوں نے مجھے بہت بڑھا چڑھا دیا ہے۔'' گویا آپ فروتنی اور انکساری کو پسند فرماتے تھے۔اگر کسی شخص سے اپنی مدح وستائش میں کچھ الفاظ سن لیتے تو اپنے دل ہی میں کہتے کہ''اے اللہ! تو مجھے ان لوگوں کے حسن ظن کے مطابق بنا دے۔ میرے گناہوں کو معاف فرما دے اور لوگوں کی بے جا تعریف پر میری پکڑ نہ فرمانا۔

اللّٰھم اجعلنی خیراً مما یظنون، واغفرلی مالایعلمون، ولا تواخذنی بما یقولون. (اسد الغابہ:۳/۲۱۲)

## شجاعت و بہادری:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نہ صرف حلم وانکساری کے پتلے تھے بلکہ شجاع اور بہادر بھی تھے۔ رزم اور بزم دونوں میں ایک ہی عالم تھا۔ شجاعت اور بہادری ایک ایسا وصف ہے جو عجز و مسکنت اور تواضع وانکساری کے ساتھ بہت کم جمع ہوتا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص فیض تربیت کا یہ اثر تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ''اشداء علی الکفار رحماء بینھم'' کی زندہ تصویر تھے۔ شبنم کی لطافت کے ساتھ سورج کی حرارت، اور شیشہ کی نزاکت کے ساتھ سنگ خارا کی سختی رکھتے تھے۔ جب بھی جنگ چھڑی تو نازک سے نازک گھڑی میں آپ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش بدوش رہے۔ جن موقعوں پر ثابت قدمی اور استقلال کا دامن تھامے رکھنا دشوار ہوتا ہے ان موقعوں پر بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ان ہی لوگوں میں نظر آئے جنہوں نے آخری دم تک پامردی کا ثبوت دیا۔

غزوہ بدر میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی شجاعت کی داد دی۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بتاؤ، دنیا کا سب سے بہادر شخص کون ہے؟'' لوگوں نے کہا: ''آپ'' فرمایا نہیں بلکہ تمام لوگوں میں سب سے بہادر ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔

(منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند احمد:۴/۳۵۹)

## انفاق فی سبیل اللہ:

انفاق فی سبیل اللہ بھی آپ کی کتاب زندگی کا ایک اہم باب ہے۔ مکہ کی زندگی میں جب آپ نے اسلام قبول کیا تو آپ کی ملکیت میں چالیس ہزار درہم تھے۔ وہ اور جو کچھ آپ

نے کمایا وہ سب اللہ کے راستہ میں خرچ کر دیئے اور مدینہ پہنچتے پہنچتے آپ کے پاس صرف پانچ ہزار درہم رہ گئے۔ وہ بھی سب اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کر دیئے۔ یہاں مدینہ میں بھی سیدنا خارجہ رضی اللہ عنہ کی شراکت میں تجارت کی۔ اس تجارت میں جو کچھ آمدنی ہوئی غزوہ تبوک میں وہ بھی سب اللہ کی راہ میں خرچ کر دی۔

آپ جب مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو تجارت ترک کر دی اور نہایت معمولی طریقہ سے گزر اوقات کرنے لگے۔ مرض وفات میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''جب سے میں خلیفہ ہوا ہوں میں نے مسلمانوں کا کوئی درہم کھایا نہ دینار۔ موٹا جھوٹا جو وہ کھاتے اور پہنتے ہیں وہی میں نے کھایا اور پہنا ہے، اور اب میرا کل اثاثہ ایک اونٹنی، ایک غلام اور یہ ایک چادر ہے۔
(ابن اثیر: ۲/۲۹۰)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب بھی کسی نیکی کے کام میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سبقت لے جانے کی کوشش کی تو وہ مجھ سے آگے نکل گئے۔ سیدنا علی فرماتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہر ایک سے آگے نکل جانے والے تھے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جب بھی ہم نے کسی بھلائی کے کام میں ان سے سبقت لے جانے کی کوشش کی تو وہ سب کو پیچھے چھوڑ گئے۔ (ابوبکر الصدیق، علی الطنطاوی: ص ۲۳۷)

# مکی دارالکتب کی شاہکار کتب

## تفسیر ابن عباسؓ ( 3 جلد مکمل سیٹ )

مفسرِ اعظم: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما (التوفی ۶۸ھ)

مؤلف: علامہ ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیروز آبادی، صاحب القاموس، التوفی ۸۱۷ھ

مترجم اُردو: مولانا پروفیسر حافظ محمد سعید احمد عاطف صاحب مدظلہ

فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور، استاد شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ ایم۔اے۔او کالج، لاہور۔

تفسیر ابن عباسؓ قرآن حکیم کی اولین جامع اور مقبول ترین تفسیر ہے۔تفسیری ذخیرے میں اُمہاتِ تفاسیر میں اس کا شمار ہوتا ہے کیونکہ یہ دنیا کی پہلی باقاعدہ تفسیر ہے، جو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کی ہے۔ان کو حضور اکرم ﷺ نے قرآن فہمی کے لیے خصوصی دعا دی تھی۔

## اسلام کا تصورِ توحید — حکیم محمود احمد ظفر

اسلامی عقائد میں سب سے بنیادی عقیدہ توحید پر ایک محققانہ کتاب۔

## محبوبؐ کے دیس میں (سفرنامہ حج) — پروفیسر شکیب وجدانی

عشقِ رسولؐ کے جذبہ سے سرشار سفرنامہ۔

## امدادالسلوک — مولانا رشید احمد گنگوہی

تصوف کی ایک شاہکار کتاب

## جدید فقہی مسائل — حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف

فاضل خیرالمدارس' ملتان

روز مرہ زندگی میں پیش آنے والے جدید فقہی مسائل کا قرآن وحدیث کی روشنی میں حل۔

## قرآنی دُعائیں — شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ

قرآنِ حکیم میں انبیاء کرام کی مقبول دعاؤں کا مجموعہ

## نماز کی کتاب — مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری

اس کتاب میں نماز کی شرائط وفرائض اور متعلقہ فضائل ومسائل جامعیت اور تفصیل کے ساتھ آسان اردو زبان میں مرتب کر دیئے گئے ہیں۔

## ناموں کی کتاب

منزہ عباس

ہزاروں ناموں میں سے اپنے بچے کے لیے خوبصورت نام کا انتخاب کیجئے

## حلالہ

یوسف عباس

حلالہ پر ایک مثبت شرعی تحقیق

## حُبِّ رسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ

حافظ محمد سعد اللہ

رسول اکرم ﷺ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی محبت کے عملی مظاہر

## تحفۃ الہند

مولانا عبید اللہ سابق انت رام

اس کتاب کے مصنف مولانا عبید اللہ مالیر کوٹلوی، سابق انت رام، ہندو سے مسلمان ہوئے۔ پھر انہوں نے ہندو مذہب کی حقیقت کو اسلامی بصیرت کی روشنی میں طشت ازبام کیا ہے۔ ہندوؤں کے فرقوں اور ان کے عقائد کا بیان، ان کے معبودوں اور عبادات کا ذکر، اسلام پر اعتراضات کے جوابات اور اسلام کی حقانیت کو روشن دلائل سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ وہی کتاب ہے جسے مولانا عبید اللہ سندھیؒ پڑھ کر مسلمان ہوئے۔

## معجزات انبیاء کرام

ظفر علی

انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا دلنشین تذکرہ۔

## جہیز ایک سماجی لعنت

مولانا خورشید حسن قاسمی بی اے

مروجہ جہیز' سماجی برائیاں' اسلام میں عورتوں کے حقوق اور نکاح وطلاق قرآن وسنت کی روشنی میں

## فلسفہ دعاء

مولانا پروفیسر فضل احمد عارف

دُعا کی حکمت فطرت انسانی اور جدید نفسیات کی روشنی میں

## فتوح الغیب

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ — مترجم: مولانا محمد ادریس صاحب

ہم نے تصوف کے سلسلے کی بنیادی کتابیں چھاپنے کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ اس سلسلے کی پہلی کتاب ''فتوح الغیب'' جو کہ امامِ ربانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نوراللہ مرقدہٗ کی عدیم النظیر اور مایہ ناز تصنیف ہے جو ''مقالاتِ غوثیہ'' کے نام سے معروف ہے۔ اسے آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ ابوعبدالرحمٰن مرقدہٗ نے جمع فرمایا ہے۔ حضرت شیخ جیلانیؒ اس تصنیف میں انسانوں کی باطنی اور روحانی پاکیزگی

اُن کی معاشرت اور اخلاقیات کو بھی زیرِ بحث لائے ہیں۔ اِس کتاب کے بازار میں کئی ایک ایڈیشن موجود ہیں۔ اُن کی عبارت مغلق، پیچیدہ اور مشکل الفہم ہیں۔ اِس ترجمے کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ عام فہم، سلیس اور اُردو محاورے کے قریب تر ہے۔ اِس کے علاوہ اِس میں متعدد جگہوں پر مترجم نے مفید حواشی کا بھی اضافہ کیا ہے اور قرآنی آیات کے متن میں کمپیوٹر کتابت کے بجائے قرآنی رسم والخط ہی کو اختیار کیا گیا ہے۔ جس سے نا صرف کتاب کا حسن دوبالا ہوگیا ہے بلکہ قارئین بھی مطالعہ میں آسانی محسوس کریں گے۔

## روحانی ڈاکٹر

مولانا عبدالرحمان عثمانی

قرآنی آیات کے عملیات پر مشتمل زندہ جاوید کتاب، جس سے بہت سے لوگوں کی پریشانیاں رفع ہوگئیں۔ اب تک کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

## تفسیر المقام المحمود (آخری پارہ)

مفسر: مولانا عبیداللہ سندھیؒ مرحوم

مؤلف: مولانا عبداللہ لغاری مرحوم

امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا قرآنی حکمت اور سیاست میں ایک ممتاز مقام ہے۔ آپ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر پر قرآنی اسرار و رموز میں امام تصور کیے جاتے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب میں آپ نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے علوم و افکار کی روشنی میں حکیمانہ انقلابی تفسیر کے ذریعہ قرآن حکیم سے عصر حاضر کے مسائل کا حل پیش کیا ہے۔

## باکمال مسلمان عورتیں

مولانا عبدالقیوم ندوی

مسلمان عورتوں کے فضائل، مجاہدانہ کارنامے، ان کی بہادری اور شجاعت، تعلیم و تربیت میں خواتین کی ذمہ داریوں اور دیگر امور پر مفصل فاضلانہ تبصرے کیے گئے ہیں۔

## مسلمان بیوی

ناز انصاری دہلوی

مسلمان بیوی کو کیسا ہونا چاہیے؟ اس کی خاندانی ذمہ داریوں اور تربیت اولاد کے حوالہ سے اس کے فکر و عمل کے زاویوں کو کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ آج اس چیز کی سخت ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ ہماری خواتین کی تربیت درست خطوط پر ہوتا کہ وہ نئی نسل کو عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق تیار کرسکیں۔

---

نماز

آسان

اسلامی جنگیں

عظمت قرآن